دنیا کی نویں ایٹمی طاقت

ایران

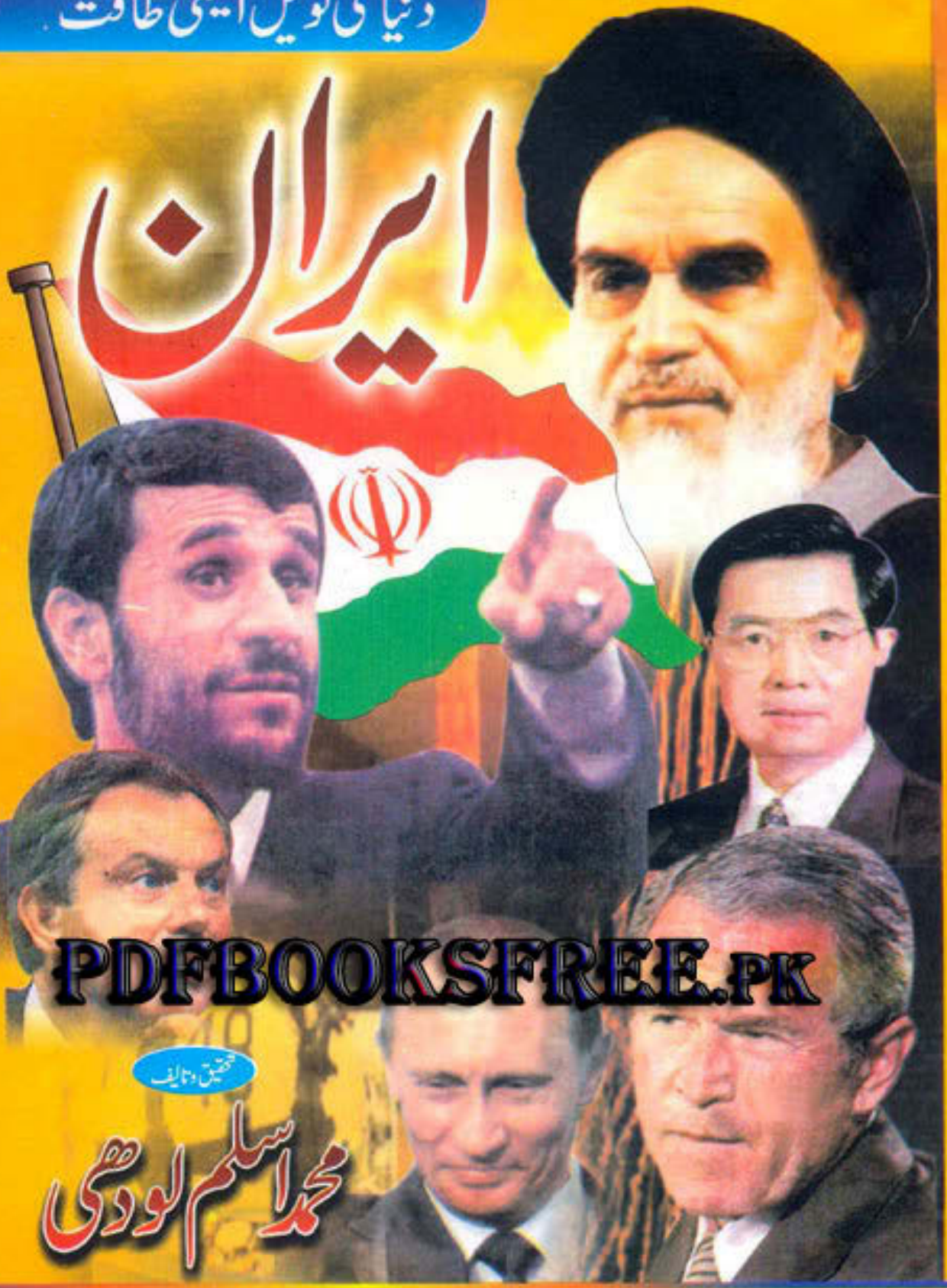

PDFBOOKSFREE.PK

تحقیق و تالیف

محمد اسلم لودھی

دنیا کی نویں ایٹمی طاقت

ایران

تحقیق و تالیف

محمد اسلم لودھی

فہرست مضامین

	انتساب	6
	تمہید	7
1-	ایران، تاریخ کے آئینے میں	15
2-	ایران، شاندار روایات کا مسکن	17
3-	ایران کی جغرافیائی اور سٹرٹیجک اہمیت	21
4-	اسلامی انقلاب کا پس منظر	25
5-	اسلامی انقلاب کے بعد ایرانی صدور	28
6-	موجودہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد	33
7-	امام خمینیؒ اور محمود احمدی نژاد میں قدر مشترک	44
8-	ایرانی صدر کا امریکی صدر کے نام کھلا خط	49
9-	ڈالر کے مقابلے میں ایران کا یورو پر اعتماد	62
10-	تیل کہانی	70
11-	ایران کا ایٹمی پروگرام	78
12-	ایران دنیا کی آٹھویں ایٹمی طاقت	88
13-	امریکہ اور اسرائیل میں صف ماتم	94
14-	ایران کے جوہری پروگرام پر امریکی دباؤ	101
15-	ایٹم بم تباہی اور قیام امن کے لئے مفید ہے	105
16-	یورینیم کی افزودگی مگر کیسے؟	116
17-	ایران کے ایٹمی ہتھیار محفوظ پناہ گاہوں میں	119

-18	ایران کا جدید ترین میزائل سسٹم	124
-19	ایران کی جنگی مشقیں	131
-20	جوہری توانائی کی عالمی سیاست	136
-21	ایٹمی ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ اصل مجرم امریکہ و برطانیہ	147
-22	ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کا امریکی و اسرائیلی منصوبہ	154
-23	ایران پر کڑا وقت	167
-24	ایران ڈرتا کیوں نہیں؟	171
-25	امریکہ ایران ایٹمی تنازعہ	175
-26	امریکہ ایرانی جمہوریت سے خائف کیوں؟	181
-27	ایران میں امریکی کارروائی کا منصوبہ	186
-28	کیا امریکہ کا اگلا نشانہ ایران ہوگا؟	198
-29	بے فائدہ دھمکیاں	205
-30	ایران پر حملہ مہنگا پڑے گا	210
-31	ایران بھی امریکیوں کے لئے قبرستان	215
-32	حملے کے تناظر میں چند اہم تجاویز	223
-33	ایران پر حملہ زیادہ دور نہیں	227
-34	ایٹم بم کی ہولناک تباہی	231
-35	ایران پر حملے سے خطے میں تابکاری پھیل جائے گی	238
-36	امریکی جارحیت کے سابقہ نتائج	245
-37	21 صدی کا ہٹلر.....بش	249
-38	ایران پر ممکنہ امریکی حملہ .....پاکستان کا موقف	256

-39	امریکہ کے خلاف روس چین اتحاد	259
-40	ایران اور روس کا امریکہ کے خلاف نیا اتحاد	263
-41	ایران، امریکہ تنازعہ کا حل (ایک امریکی کی نظر میں)	273
-42	اسرائیل امریکہ پر بوجھ	278
-43	امریکی صدور سچ نہیں بولتے	283
-44	امریکہ کا پاگل پن	288
-45	ایرانی سیاحت کے حوالے سے اہم معلومات	293
-46	استفادہ	299

تمہید

بچپن میں کتابوں میں لکھی ہوئی ایک کہانی بڑی حیرت سے پڑھا کرتے تھے کہ بکری کا بچہ ندی کے بہتے ہوئے پانی میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے ابھی جھکا ہی تھا کہ ایک بھیڑیا اس کے تعاقب میں آ کھڑا ہوا اور للکار کر کہا کہ تمہاری یہ جرأت کہ تم اس پانی کو گندہ کر رہے ہو جو میں پی رہا تھا۔ کمسن بکری کے بچے نے نہایت ہی معصومیت سے جواب دیا کہ میں نے ابھی پانی پینا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ آپ نے للکار دیا اس پر ظالم بھیڑیے نے نہایت غصے کے عالم میں کہا کہ اگر تم نے پانی نہیں پیا تو تمہارے باپ نے پیا ہوگا اگر باپ نے بھی نہیں پیا تو تمہارے دادا نے پیا ہوگا۔ کچھ یہی مثال ان دنوں عالمی سطح پر دنیا کی اکلوتی سپر پاور امریکہ پر بھی صادق آتی ہے وہ اپنی طاقت کے نشے میں ہر اس مسلمان ملک کو اپنے پاؤں تلے روند دینا چاہتا ہے جسے وہ اپنی حکمرانی کے راستے میں دیوار تصور کرتا ہے حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی کی نصف صدی کے عالمی حالات و واقعات ہی پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات عین ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دنیا میں پہلے دو دہشت گرد امریکہ اور سویت یونین کے انحطاط اور شیرازہ بکھرنے سے جہاں پاکستان سمیت وسطی ایشیائی مسلم ریاستوں کو تحفظ کا احساس ہوا تو وہاں نقصان یہ ہوا کہ امریکہ تن تنہا دنیا کی عالمی سپر طاقت بن بیٹھا۔ قبل ازیں اسے دنیا کے کسی بھی حصے میں جارحیت کرنے سے پہلے علاقے میں سویت یونین کے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی دونوں سپر طاقتیں اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر آمنے سامنے کھڑی ہوئیں جنگ اور جارحیت کے بادل خود بخود چھٹ گئے لیکن دونوں ہی سپر طاقتیں اپنے غلام یا زیر سایہ ممالک کو من چاہی قیمت پر ڈھیروں اسلحہ فروخت کر کے اپنی معیشت کو استحکام دیتے رہے۔

سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے اور 9/11 کے سانحے کے بعد امریکہ نے کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے اتحادیوں کے ہمراہ افغانستان کے نہتے عوام پر یہ کہہ کر فوجی یلغار کر دی کہ امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کی پشت پناہی نہ صرف طالبان اور افغانستان میں موجود اسامہ بن لادن کرتا رہا ہے بلکہ نہتے مسلمانوں سے نام نہاد مہذب ملکوں کی سالمیت کو خطرہ ہے۔

پھر افغان سرزمین پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے درندگی اور وحشت کے وہ مظاہرے کیے کہ انہیں تحریر کرتے ہوئے بھی لفظ کانپتے ہیں نماز کے وقت مساجد پر یہ کہہ کر میزائلوں کی بارش کر دی گئی کہ مسجد میں طالبان موجود تھے۔ شادی کے لئے جانے والی باراتوں پر یہ کہہ کر گولے برسائے گئے کہ ان میں طالبان بھی تھے شہر کے شہر اور گاؤں بمباری سے قبرستانوں میں بدل دیئے گئے اور بے شمار معصوم افغانوں کو دہشت گردوں کا لیبل لگا کر کیوبا کی سرزمین پر موجود امریکی عقوبت خانے میں اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ مہذب دنیا وہاں ہونے والی ہولناکیوں پر کانپ اٹھی پانچ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے امریکیوں اور اتحادیوں کو افغان سرزمین کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے لیکن ابھی تک ان کے کلیجے میں ٹھنڈ نہیں پڑی۔ بے شک ظلم و زیادتی کی اس جنگ میں لاکھوں معصوم افغان شہریوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں امریکیوں کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑے

ہیں لیکن تیل حاصل کرنے اور جنوبی ایشیا میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کا جنون امریکہ کو واپس نہیں جانے دیتا وہ مختلف حیلے بہانوں سے اپنے ہی حلیف اور دوست ملک پاکستان کی سا لمیت کو ممکن حد تک نقصان پہنچانے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے خوف کا عالم یہ ہے کہ سعودی عرب سمیت دین کا کوئی مسلم ملک ان ظالمانہ اقدامات کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا کہ کہیں اس کا نام بھی دہشت گردوں کی سپورٹ کرنے والوں میں نہ لکھا جائے حیرت تو اس بات پر ہے کہ امریکہ کی نظر میں دنیا کے جتنے بھی دہشت گرد موجود ہیں وہ یا تو مسلمان ہیں یا مسلمان ملکوں میں ان کا بسیرا ہے گویا یورپ میں بسنے والے تمام یہودی اور عیسائی امن وآشتی کے پیامبر ہیں چاہے وہ ساری دنیا کو آتش وآہن سے بھر دیں۔ اس حوالے سے فلسطین اور کشمیر کی مثال دی جاسکتی ہے جہاں امریکہ کا لے پالک بچہ اسرائیل نہتے اور کمزور فلسطینیوں کو پوری طاقت سے کچل رہا ہے گزشتہ دنوں صرف ایک اسرائیلی فوجی کے اغوا کی آڑ میں اسرائیلی فضائیہ اور بری فوج نے نہ صرف فلسطینیوں پر مزائلوں کی بارش کر کے بے شمار نہتے مسلمانوں کو شہید کر دیا بلکہ فلسطینی حکومت کے نائب وزیر اعظم سمیت کئی وزرا کو گرفتار کر کے وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ پر اندھا دھند بمباری کر دی اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسرائیل جو ایک عالمی غنڈے کا روپ دھار چکا ہے اس نے واشگاف الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ فلسطینی وزیر اعظم کو بھی شہید کیا جاسکتا ہے میں سمجھتا ہوں دنیا بھر میں امریکہ اور اسرائیل اسی طرح ظلم اور زیادتی کا بازار گرم رکھے ہوئے ہیں۔ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے ابھی افغانستان میں امریکیوں کی زیادتیوں کی داستان اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ امریکہ نے تیل پر قبضے کے لئے مسلم عرب ملک عراق پر یہ الزام لگا کر فوجی یلغار کر دی کہ اس کے پاس کیمیاوی اور جراثیمی ہتھیار موجود ہیں جن سے اس کی لے پالک یہودی ریاست اسرائیل کو خطرہ ہے بدقسمتی سے اس وقت صدام حسین کی حکومت تھی جو غیروں کو نقصان پہنچانے کی بجائے اپنوں کو ہی پریشان کرتی رہی اور عراقی حکمرانوں کی بیوقوفیوں اور اقوام متحدہ کی ملی بھگت سے امریکہ کو فوجی یلغار کا موقع مل گیا چند ہفتے مقابلہ کے بعد صدام حکومت انجام کو جا پہنچی اور امریکہ سمیت اتحادیوں کا پورے عراق پر قبضہ ہو گیا اس قبضے کو بھی تین سال گزر چکے ہیں لیکن مسلم مجاہدین نے امریکیوں کو سکون کی نیند نہیں سونے دیا ہر روز عراقی سرزمین پر بم دھماکے ہوتے ہیں جسموں سے بم باندھ کر خودکش حملے کئے جارہے ہیں جس کا نقصان بلاشبہ عراقی مسلمانوں کو زیادہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے لیکن اس کا جانی و مالی نقصان امریکیوں کو بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ جو پے در پے خودکش حملوں کی وجہ سے اب نفسیاتی مریض بنتے جارہے ہیں۔

عام خیال یہ تھا کہ اگر امریکہ عراق پر اپنا قبضہ مضبوط بنا لیتا ہے تو اس کے بعد شام پر امریکی یلغار کی جائے گی اس مقصد کے لئے تیاریاں بھی مکمل کر لی گئی تھیں لیکن حالات نے یکدم اس وقت پلٹا کھایا جب ایران نے اپنی ایٹمی تنصیبات کے معائنے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ امریکہ اور باقی سپر طاقتوں کی طرح ایران کو بھی حق ہے کہ وہ اپنے تحفظ اور ترقی کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرے ایران کا یہ مؤقف امریکہ کے لئے اس لئے ناقابلِ قبول تھا کہ اگر ایران ایٹمی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے تو امریکہ کے نزدیک اس کے پالک بچے اسرائیل کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے حالانکہ یہ بات عین ریکارڈ موجود ہے کہ اسرائیل بہت پہلے ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکا ہے بلکہ عرب اسرائیل جنگ کے دوران ایک موقع ایسا بھی آیا تھا جب اسرائیلی حکمران ایٹم بم استعمال کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے لیکن صورت حال کو بھانپ کر مصر اور شام نے جنگ

بندی قبول کر لی اور اپنی سرزمین کو ایٹم بم جیسے مہلک ہتھیار کی تباہ کاریوں سے کسی حد تک محفوظ کر لیا۔ حیرت تو یہ ہے کہ امریکہ سمیت کسی یورپی ملک کو اسرائیلی ایٹمی صلاحیت پر کوئی اعتراض نہ ہوا بلکہ ایٹمی پھیلاؤ کی روک تھام کے ادارے کی جانب سے بھی کوئی تشویش دیکھنے میں نہ آئی لیکن جونہی یہ خبر امریکیوں اور یورپیوں کے کانوں تک پہنچی کہ ایران بھی ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکا ہے یا کرنے کے قریب ہے تو اس کے خلاف اقتصادی پابندیاں تو پہلے ہی عائد کی جا چکی ہیں اب امریکہ کی یہ کوشش ہے کہ وہ ایران پر طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے ایٹمی پلانٹ کو عراق کی طرح تباہ کر کے اسرائیل کی سلامتی کو لاحق خطرات کو یکسر ختم کر دے اس حوالے سے سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ امریکہ نے بالخصوص ایران پر حملے کرنے کیلئے محدود قوت اور علاقے پر اثر انداز ہونے والے ایٹم بم بھی تیار کروا لیے ہیں اور اس نے برملا اظہار کیا کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان چھوٹے ایٹم بموں کو ایران کی ایٹمی تنصیبات پر گرایا جائے گا میرے نزدیک یہ انتہائی تشویش ناک بات اس لئے ہے کہ دنیا دوسری عالمگیر جنگ کے دوران جاپان پر گرائے جانے والے امریکی ایٹم بموں کی ہولناک تباہی کا نظارہ کر چکی ہے اور یہ بھی دیکھ چکی ہے کہ ایٹمی حملے میں کس طرح انسانوں کے جسم موم کی طرح پگھلتے ہیں اور کس طرح املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن اس امریکی دھمکی کے باوجود کسی بھی مسلم ملک کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ باہم مل کر اقوام متحدہ میں احتجاج کرے کہ برادر اسلامی ملک پر ایٹم بم گرانے کا اعلان بذات خود دہشت گردی ہے جس کا عالمی سطح پر بائیکاٹ نہایت ضروری ہے میں سمجھتا ہوں اس امریکی دھمکی کے بعد مسلمان حکمران اور عوام جس مجرمانہ خاموشی کا شکار ہو رہے ہیں وہ انتہائی قابل مذمت بات ہے اگر امریکہ کو برقت نہ روکا گیا تو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایسا کر بھی گزرے کیونکہ درندے اور وحشی سے اچھے سلوک کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

بہرکیف امریکی حکمرانوں کی توقعات پر اس وقت پانی پھر گیا جب ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے متوقع خطرے کے پیش نظر اعلان کیا کہ اگر ایرانی سرزمین پر حملہ ہوا تو کسی تاخیر کے بغیر اسرائیل پر میزائلوں کی بارش کر دی جائے گی اور اسرائیلی صہیونی ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا ایرانی صدر کے اس بیان کے بعد امریکی صدر بش پہلی مرتبہ سوچ میں ڈوب گئے کہ امریکہ کے سامنے تو بولنے کی کسی کو آج تک جرات نہیں ہو سکی۔ بلکہ امریکہ کسی بھی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس ملک کی دفاعی قوتوں کے ہاتھ اور پاؤں احتیاطاً دونوں باندھ لیتا ہے کہ غلطی سے بھی مدمقابل کی جانب سے کوئی جواب نہ آئے لیکن اس مرتبہ صورت حال یکسر مختلف تھی نہ صرف ایرانی صدر نے برملا امریکہ جیسی سپر طاقت کو للکارا بلکہ شاندار اور حیرت انگیز جنگی مشقوں کی صورت میں یہ پیغام بھی دے دیا کہ ایران کو عراق اور افغانستان کی طرح نہتا اور بے بس سمجھنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں ایران کے پاس ایسے جدید ترین میزائل اور بحری آبدوزیں موجود ہیں جن کے بل بوتے پر خلیج فارس میں امریکی بحریہ کو شدید ترین نقصان پہنچایا جا سکتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ امریکی اور یورپی ممالک کے لئے مشرق وسطیٰ سے جتنا بھی تیل خلیج فارس سے بحری جہاز لے کر گزرتے ہیں ایرانی بحریہ با آسانی ان کی نقل و حرکت کو محدود کر سکتی ہے۔ تیل چونکہ امریکیوں اور یورپی ممالک کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا ہے اس لئے تیل کی بندش امریکی اور یورپی معیشت کو تباہی کے دھانے پر پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ دوسری جانب ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے یہ کہہ کر بھی جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کو کھلی تنبیہ دی ہے کہ اگر جارحیت ہوئی تو یورپ اور امریکہ کو ایرانی تیل کی سپلائی بند کر دی جائے گی۔ یہ صورت

حال یقیناً امریکہ کے لئے پہلی مرتبہ تشویش ناک قرار پائی ہے اگر امریکہ اسرائیل کے تحفظ کے لئے ایران پر حملہ کرتا ہے تو نہ صرف تیل کی سپلائی رک جائے گی بلکہ اسرائیل کے وجود کو لاحق خطرات میں حد درجہ خطرات میں حد اضافہ ہو جائے گا جو امریکی ایوانوں پر قابض یہودیوں کو کسی بھی طرح قبول نہیں اور اگر امریکہ خاموشی کی چادر تان کر چشم پوشی سے کام لیتا تو دنیائے عالم پر اس کی حکمرانی کا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی شمالی کوریا یہ کہہ چکا ہے کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے امریکہ پر پیشگی حملہ کر سکتا ہے شمالی کوریا کا شمار بھی ان باغی ممالک میں ہوتا ہے جنہوں نے امریکہ کی مرضی ومنشا کے خلاف ایٹمی طاقت حاصل کر لی ہے اب دیکھتے ہیں کہ مستقبل میں حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں امریکہ ایران پر حملہ کرتا ہے یا نہیں اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ایران کس حد تک اس کی مزاحمت کرتا ہے اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن ایرانی حکمرانوں کی یہ مجاہدانہ جرات دوسرے مسلم ممالک کے لئے بھی موقع فراہم کرتی ہے کہ امریکہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اگر فی الوقت ایران کا بھرپور ساتھ دیا جائے تو اس سے نہ صرف ایرانی عوام ایٹم بم اور امریکی مزائلوں سے کسی حد تک محفوظ ہو سکتے ہیں بلکہ آئندہ کے لئے کسی مسلم ملک کو امریکی یلغار کا نشانہ نہیں بنایا جا سکے گا۔ کمزور اور مسلسل جھکاؤ جارحیت کو دعوت دیتا ہے لیکن اگر حکمت کے تحت تھوڑی سی جرات کا مظاہرہ کر لیا جائے تو بڑے سے بڑا ملک بھی جارحیت کا ارتکاب کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچے گا میں سمجھتا ہوں پاکستان کے لئے بھی ایک اچھا موقعہ ہے کہ عالمی سطح پر اپنا وہ وقار بحال کرے جو اس نے افغانستان کے نہتے مسلمانوں پر امریکی یلغار کا راستہ ہموار کرنے کے لئے کھو دیا تھا بلکہ اب تک پاکستان کے شمالی اور قبائلی علاقوں میں امریکیوں کی جنگ لڑتے ہوئے اپنے بے شمار فوجی افسر اور جوان شہید کروا لئے ہیں بحیثیت محبِ وطن پاکستانی ہمیں امریکہ پر ہرگز بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہمیشہ دوستی کے روپ میں دشمنی دکھاتا ہے اس وقت بلوچستان میں سرداروں کی مزاحمت نے جو جنگ کا روپ دھار رکھا ہے اس کے پیچھے نہ صرف امریکیوں کا ہاتھ ہے بلکہ بھارتی خفیہ ایجنسی را بھی مکمل طور پر پشت پناہی کر رہی ہے۔ معرکہ کارگل میں بھارتی فوج کو جس ہزیمت امیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا بھارت اس کا بدلہ افغان سرزمین پر بیٹھ کر چکانے کی جستجو کر رہا ہے۔ جبکہ امریکی دوستی کے روپ میں گوادر کو ہڑپ کر کے اسے افغانستان کا حصہ اس لئے بنانا چاہتا ہے کہ افغانستان کے جس حصے پر اس کا قبضہ ہے اس کی رسائی سمندر تک نہیں وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ گوادر کو چین کی دسترس میں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو گیا جس کی تکمیل پاکستان کے مفاد میں ہے تو افغانستان سمیت جنوبی ایشیا سے امریکی اثر ورسوخ بڑی حد تک ختم ہو جائے گا یہی وجہ ہے بلوچ سردار امریکیوں اور بھارتی ایجنسی کے ہاتھ کھلونا بنے ہوئے پاکستان کی سالمیت کو زیادہ نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

یہ بات پاکستان کے مفاد میں ہے کہ ایران پر حملہ نہ ہو اور نہ ہی پاکستان کو امریکیوں کو بھی کسی قسم کی سپورٹ فراہم کرنی چاہیے کیونکہ پہلی ہی غلطیوں کا خمیازہ ملک میں بدامنی کی صورت میں اس طرح بھگتنا پڑ رہا ہے کہ پہلے ہماری فوج صرف بھارتی سرحد پر تعینات ہوتی تھی اب امریکہ کی ایما پر دہشت گردی کے خلاف جنگ کا شوق ہمیں مغربی سرحد پر بھی لے گیا ہے اس وقت اسی ہزار کی تعداد میں پاک فوج کے جوان افغان سرحد پر اپنوں ہی کے خلاف برسرپیکار ہیں بارودی سرنگوں کے پھٹنے' خودکش حملوں' بم دھماکوں اور اچانک یلغار کے نتیجے میں سینکڑوں افسر اور جوان جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اگر ہم نے نادانی سے ایران کو بھی اپنا دشمن بنا لیا جس کی کوشش امریکہ مسلسل کر رہا ہے تو پاکستان دفاعی اعتبار سے چاروں

طرف سے گھیرا جائے گا خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو میں سمجھتا ہوں یہ بہت بڑا قومی نقصان ہوگا ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ کی ہر بات پر سر ہلانے کی بجائے برادر اسلامی ملک ایران، ہمیشہ سے آزمودہ دوست چین سے دوستی کے روابط مضبوط سے مضبوط بنائے جائیں اور امریکیوں کا آلہ کار بننے کی بجائے مسلم دنیا کا ایک الگ پلیٹ فارم تشکیل دے کر اس کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے یہی وقت کا تقاضہ ہے۔

یہ کتاب میری تحقیق اور تالیف ہے جن مصنفین کی تحریروں سے میں نے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر کتاب کے آخر میں میں استفادہ کے صفحے میں کر دیا گیا ہے اس کے باوجود ان مصنفین کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اپنی تحقیق کو تحریر کی صورت میں دے کر کتاب کی ترتیب و تشکیل میں میری معاونت کی پروف ریڈنگ کے فرائض برادرم قیوم قریشی نے انجام دیئے جس پر میں ان کا بھی مشکور ہوں اس دعا کے ساتھ میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ تو برادر اسلامی ملک ایران کی حفاظت فرمانا کیونکہ اس سرزمین پر نہ صرف سب سے بڑا دہشت گرد ہے بلکہ خود کو کائنات کا مالک اووارث تصور کرنے لگا ہے۔ اس کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کی ہر سطح پر انتہا ہو چکی ہے۔ اے اللہ تو ہی سب سے افضل اور طاقت والا ہے امریکہ کا غرور اور تکبر خاک میں ملا دے جس طرح تو نے فرعون اور نمرود کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔

ایران.....تاریخ کے آئینے میں

زمانہ قدیم میں ایران فارس کے نام سے مشہور اور ایک وسیع وعریض سلطنت پر مشتمل تھا۔ زمانے کے ساتھ ساتھ اس پر کئی اقوام حملہ آور ہوئیں اور اپنی تہذیب وتمدن کے اثرات ایرانی سرزمین پر چھوڑ گئیں۔ یہ عربوں، سلجوق، ترکوں، منگولوں، افغانوں وغیرہ کے قبضے میں رہا تاہم ایرانیوں نے اپنی انفرادیت اور شناخت ہمیشہ برقرار رکھی۔

آثار قدیمہ کے لحاظ سے یہاں سولہ ہزار سال پہلے آباد انسانی بستیوں کا سراغ ملا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہاں ترقی یافتہ معاشرہ وجود میں آیا جو شہروں پر بھی مشتمل تھا۔ ایران میں کئی شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ ان میں سب سے پہلا قابل ذکر شاہی خاندان خامشی (250 تا 559 قبل مسیح) ہے۔ اس کی بنیاد سائرس اعظم نے رکھی تھی۔ 250 تا 300 قبل مسیح تک اس پر یونانیوں کا قبضہ رہا پھر پارتھی آئے اور بعدازاں ان کی جگہ ساسانیوں نے لے لی۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے ساسانیوں سے حکومت چھین لی۔ وقت کا دھارا آگے بہتا رہا، ایران سلجوقی ترکوں، منگولوں اور تیمور لنگ کے قبضے میں رہا۔ صفوی دور حکومت (1502ء تا 1736ء) میں ایرانی معاشرہ کئی بنیادی تبدیلیوں سے گزرا۔ بعدازاں ایران پر افغانوں کا غلبہ رہا جن سے 1921ء میں ایک فوجی افسر، رضا خان نے اقتدار چھینا اور پہلوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

1941ء میں رضا خان کا بیٹا محمد رضا تخت شاہی پر بیٹھا اور تاریخ میں شاہ ایران کے لقب سے مشہور ہوا۔ شاہ ایران اپنے باپ کی اصلاحات کا منصوبہ جاری رکھنا چاہتا تھا تاہم اس ضمن میں اُسے اپنے وزیراعظم، محمد مصدق کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مصدق کی طاقت کے سامنے بے بس پا کر شاہ ایران ملک سے فرار ہو گیا تاہم سی آئی اے نے 1953ء میں مصدق حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس طرح شاہ ایران اپنے ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔

رفتہ رفتہ ایران امریکی ''برکات'' سے مستفید ہونے لگا مگر اس پر مذہبی طبقہ چراغ پا ہو گیا۔ انہوں نے شاہ ایران کے مغرب نواز اقدامات پر کڑی تنقید کی، اس پر حکومت اور علماء کے درمیان رسہ کشی شروع ہوئی۔ شاہ ایران نے طاقت سے مذہبی طبقے کو ختم کرنے کی کوششیں کیں، تو عوام بھی اس کے خلاف ہو گئے۔

اس صورت میں آیت اللہ خمینی نے ایرانیوں پر زور دیا کہ وہ شاہ ایران کی آمرانہ حکومت کا خاتمہ کر کے اسلامی اصول وقوانین پر مبنی حکومت قائم کریں۔ امام خمینی کی تحریک نے جلد ہی ایران میں مقبولیت حاصل کر لی۔ دو سال کے زبردست تصادم کے بعد آخر کار 1979ء میں شاہ ایران ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔

چونکہ شاہ ایران کا سب سے بڑا حمایتی امریکہ تھا' اس لیے قائم شدہ اسلامی حکومت اور امریکہ کے درمیان شروع سے ہی ٹھنی رہی۔ ایران کو پس پردہ روس اور چین کی حمایت حاصل ہے اور رہی جس کی وجہ سے ایرانی حکومت نے امریکہ اور اسرائیل کی جارحانہ اور ناجائز پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کرتی رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مخالفت بڑھتی چلی گئی۔

ایران' شاندار روایات کا مسکن

ایران بین الاقوامی میڈیا کا مرکز بنا ہوا ہے ایرانی قائدین عجیب وغریب لہجہ میں بات کر رہے ہیں۔ سیاسی بے شعوری ابھر رہی ہے۔ کبھی تو اسرائیل کو دھمکیاں دی جارہی ہیں' کبھی امریکہ کو سبق سکھانے کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے Bottom Line کو بدلنا چاہیے۔ سیاسی مذہبی حریفوں سے خیر سگالی کی بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ فاصلے کم کیے جاسکتے ہیں۔ اپنے ملک وقوم کے وجود ترقی اور عروج کے لیے پرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے۔ آج بنی نوع انسان کو جنگ کی نہیں بلکہ امن کے سنہرے سائبان کی ضرورت ہے۔ ہر سمت امن وآشتی کی روشنی بکھرتی رہے۔

ایران کی آبادی 60 ملین کے قریب ہے ملک میں مختلف اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ پارسی عیسائی اور یہودیوں کا وجود بھی ہے۔ 98 ہزار عیسائی '26 ہزار یہودی 91 ہزار زردشت کے ماننے والے ہیں۔ کثیر المذاہب والے ملک میں مذہبی تنگ نظری کام نہیں آتی۔ ایران کا تہذیبی ورثہ صدیوں پرانا ہے۔ سینکڑوں برس تک فارسی سنٹرل ایشیائی ممالک کے علاوہ برصغیر پر چھائی رہی۔ قطب الدین ایبک سے لے کر اورنگ زیب تک درباری زبان فارسی ہی رہی۔

دکن کے نظام الملک آصف جاہ اول نے بھی فارسی کو برقرار رکھا۔ عہد وسطی میں ایرانی کلچر نے سارے ہندوستان پر اپنے گہرے نقوش مرتب کیے۔ ایرانی آرٹسٹوں' فنکاروں' شاعروں' ادیبوں نے اپنے کمال فن کے جوہر دکھلائے اور زندگی کے ہر شعبہ پر عمیق اثرات مرتب کیے۔ ڈیریس اول قبل مسیح کے زمانے میں حدود سلطنت مشرق میں دریائے سندھ تا مغرب میں یونان تک پھیلے ہوئے تھے۔ سامانی سلطنت کے زوال کے بعد ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلام ایران میں پھیلتا چلا گیا۔ ایرانی عوام سامانی حکومت سے بیزار ہوگئے تھے۔ انہیں اسلامی نظریات میں چین اور سکون ملا۔ حضرت امام روح اللہ خمینی کی قیادت میں یکم اپریل 1979ء میں اسلامی جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا۔ آیت اللہ خمینی کی عظیم رہنمائی کا آفتاب ان کی وفات جون 1989ء تک چمکتا رہا۔

ایران کے صدارتی انتخاب میں عوام براہ راست حصہ لیتے ہیں صدر کو چار سال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے وہ ریاست کا عاملانہ سربراہ ہوتا

ہے۔ وہ مجلس پارلیمنٹ کی رضامندی سے اپنی کابینہ کی تشکیل کرتا ہے۔ مجلس کے 270 اراکین کو خفیہ رائے دہی کے ذریعہ چار سال کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اقلیتوں کے نمائندے بھی پارلیمنٹ میں ہوتے ہیں 12 رکنی محافظوں کی کونسل مجلس کے بنائے ہوئے قوانین کا اسلامی شریعت کی روشنی میں جائزہ لیتی ہے ملک کا مذہبی رہنما اسلامی اسکالر کا تقرر کرتا ہے۔ عدالت عالیہ کی جانب سے دیگر 6 مفتیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔ جب تک یہ 12 اراکین منظوری نہ دیں اس وقت تک کسی بھی قانون کو منظوری نہیں ملتی۔ عدلیہ سپریم کورٹ اعلیٰ عدلیہ کونسل اور ماتحت عدالتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ رہنمائے ملک کی جانب سے چیف جسٹس کا تقرر کیا جاتا ہے اسلامی قوانین میں انفرادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ سارے ایران کو 24 صوبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ 195 ٹاؤن اور 500 اضلاع ہیں۔ ہر صوبہ میں ایک گورنر ہوتا ہے جو نظم ونسق کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ہر ٹاؤن میں ایک نائب گورنر ہوتا ہے ہر ضلع میں ایک مقیم کو متعین کیا جاتا ہے۔ ایران کا سب سے بڑا صوبہ خراسان ہے جو تین لاکھ تیرہ ہزار کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ چھوٹے صوبوں میں گیلان چہارمحل بختیاری بوسیر احمد اور کوہکی لوہے ہیں۔ جن کا رقبہ 14 ہزار کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ ایران کی دستور کے آرٹیکل 30 کے مطابق ثانوی درجہ تک تعلیم کا مفت انتظام کیا گیا ہے۔ ایران میں اسکولوں کی تعداد 70 ہزار کے قریب ہے۔ 4,88,000 اساتذہ درس تدریس سے وابستہ ہیں۔ کم وبیش 11 ملین طلباء تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ ملک میں 24 جامعات ہیں 27 اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں۔ 87-1986ء کے اعداد وشمار کے مطابق جامعات کے طلباء کی تعداد 1,67,971 ہے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کی تعداد 14,341 ہے۔

ایران بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ ملک میں صنعتی ترقی بھی ہورہی ہے۔ معاشی منصوبہ بندی پر عمل کیا جارہا ہے۔ ایران حکومت ملک کو معاشی طور پر خودکفیل بنانا چاہتی ہے۔ عوام کو روزگار کے ذرائع فراہم کرتی ہے۔ لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی جانب توجہ دیتی ہے۔ ملک کی معیشت کو تین شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عوامی شعبہ میں اہم صنعتیں' بیمہ کمپنیاں' ترسیل وابلاغ عوامی' ذرائع حمل ونقل ہیں۔ امداد باہمی کے تحت اشیاء کی پیداوار تقسیم اور خدمات وابستہ ہیں۔ نجی شعبہ میں اقتصادی فلاح وبہبود کے کام انجام دیئے جاتے ہیں۔

ایران کے قدرتی وسائل میں تیل اور قدرتی گیس شامل ہے۔ خلیج فارس کے علاوہ قم میں تیل کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ تیل ہی ملک کے زرمبادلہ کا اہم ذریعہ ہے۔ اسے بیرونی ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ ملک میں خام تیل کی اوسط پیداوار یومیہ 2.5 ملین بیرل ہے۔ بیرونی ممالک کو دوملین بیرل تیل برآمد کیا جاتا ہے۔ قدرتی گیس ایل برز کی پہاڑیوں اور خراسان میں پائی گئی ہے۔ یہ بھی ایران کا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ ایران کے کیمیکل کارخانے شیراز بندر خمینی ابدانمزگ میں قائم کیے گئے ہیں۔ کاروں اور ٹریکٹروں کے کارخانے بھی ہیں۔ پارچہ بانی کی صنعتیں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ شیشہ' سگریٹ' کاغذ کے کارخانے بھی ہیں۔

ایران تہذیب وثقافت کی دولت سے مالا مال رہا ہے۔ اسلام کی آمد کے بعد ایرانی قلم کاروں نے عربی میں اپنی تخلیقات کیں لیکن نویں صدی عیسوی کے بعد سے فارسی کا چلن بڑھنے لگا۔ فارسی ادب نے عالمی سطح پر اپنا ایک خاص مقام بنالیا۔ حافظ شیرازی' شیخ سعدی' جلال الدین رومی' عمر خیام عہد آخر کے شعرائے کرام ہیں۔ فارسی میں رباعی جیسی صنف سخن کی اختراع کی گئی اسے ہمہ گیر مقبولیت ملی گیارہویں صدی سے فارسی

نثر بھی سرسبز شاداب ہوتی رہی اس میں نہ صرف فلسفیانہ بلکہ سائنسی علوم بھی پیش کیے گئے۔ شیخ سعدی کی گلستان و بوستان کی نثر نے ساری دنیا میں دھوم مچادی یہ دو کتابیں صدیوں تک درسی نصاب میں شامل رہیں۔ صفوی حکمرانوں کی سرپرستی میں فن تعمیر کو عروج حاصل ہوا۔ گنبدوں اور میناروں نے شہرت حاصل کی۔ صفوی عہد میں اصفہاں صدر مقام تھا۔ وہ محلوں مسافر خانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ساری عمارتیں ایرانی آرٹ کا حسین نمونہ ہیں۔ ایرانی آرٹ کی خوبصورتی نزاکت اور حسن آگرہ کے تاج محل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ فن تعمیر کے بعد خوش نویسی Calligraphy کو جلا ملی۔ قرآن کریم نقش طرز میں لکھی گئیں۔ اس طرز کو ایرانی نثراد ابن مذہ نے اختراع کیا تھا۔ نستعلیق طرز تحریر بھی بہت مقبول ہوا اسے افغانستان' پاکستان' ہندوستان میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ ایرانی غذاؤں کا تو دنیا میں جواب نہیں۔

ایران کی جغرافیائی اور سٹرٹیجک اہمیت

جب امریکہ نے ایران کو "محور شر" کے حصار میں محصور کر دیا تھا تو اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسے باقی دنیا سے الگ تھلگ تنہا کر دیا جائے۔ آج کی دنیا کے گلوبل ویلیج میں تنہا ہو جانا واقعی ایک عذاب تنہائی سے کم نہیں۔ لیکن ایران نے اپنے کارڈ نہایت ہوشیاری سے کھیلے ہیں۔ اس نے ایک کمال یہ بھی کیا ہے کہ اپنی خلوت کو جوہری ہنگامہ گستری کی آڑ میں جلوت بنا دیا ہے۔ آج ہر کہیں، ہر جگہ ایران اور اس کے نیوکلیئر پروگرام کا ذکر ہو رہا ہے۔ آئی اے ای اے، جی۔8، جی۔3، سارک، او آئی سی، سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی فضاؤں میں ایرانی بم کا غلغلہ بلند ہے۔ لوگ بش کے بیانات کو اتنا نہیں اچھالتے، جتنا احمدی نژاد کی خطابت کو ہوا دے رہے ہیں۔ سارے اخبارات و رسائل اور ٹیلی ویژن چینل ایران کی خوبیوں اور خامیوں، اس کی عسکری کمزوریوں اور قوتوں، اس کی جغرافیائی مقدوریت اور محدودیت اور اس کی سٹرٹیجک اہمیت اور نزاکت کے اذکار سے ہمہمار ہے ہیں۔

ملٹری آپریشنوں پر ہمیشہ ہی سے جو پانچ عناصر شدت سے اثر انداز ہوتے رہے ہیں، وہ کسی ملک کی آب و ہوا، ٹیرین (علاقائی خصوصیات)، لوکیشن، ہتھیار اور ٹیکٹیکس ہیں۔ ٹیکٹیکس چونکہ ہتھیاروں کے گرد استوار کی جاتی ہیں، اس لیے آج ایران کے پاس جس قسم کے بھی ہتھیار ہیں، خواہ جدید ہیں یا قدیم، خواہ سٹیٹ آف دی آرٹ نوعیت کے ہیں یا بالکل روایتی رنگ و روپ کے حامل ہیں، ایرانی افواج کی ٹیکٹیکس اور جنگی چالیں، انہی کے گرد استوار ہوں گی۔ امریکہ کے ہتھیار جدید ترین ہیں، اس لئے ان کی ٹیکٹکیس یا طریقہ ہائے استعمال وغیرہ بھی جدت و ندرت سے ہمکنار ہوں گے۔ لڑائی میں سوال جدت اور قدامت کا نہیں ہوتا، سوال ہتھیاروں کے استعمال کا ہوتا ہے۔ کئی بار ایف۔16، بی۔52، ایف۔17 سٹیلتھ وغیرہ مگ۔21 اور مگ۔29 کے ہاتھوں زچ ہوئے ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد کوریا اور ویت نام کی جنگیں اس حقیقت کی شاہد عادل ہیں کہ کوریائی اور ویت نامی ہتھیاروں کی قدامت نے امریکی ہتھیاروں کی جدت کے سامنے بند باندھ دیئے تھے۔ اس کے مقابلے میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں، اس بات کے باوجود کہ پاکستان کے پاس پیٹن جیسا جدید ٹینک تھا، پاکستانی آرمر نے اس وجہ سے کسی قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ نہ کیا کہ اس ٹینک کو آپریٹ کرنے والوں کا اپنا پروفیشنل مبلغ علم اس معیار کا نہ تھا کہ جس کا تقاضا پیٹن کی ٹیکنالوجی کرتی تھی۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے، بھارت کے چیفی اور سنچورین قدیم ہونے کے باوجود بہتر آپریشنل ٹیکٹکیس کے استعمال کی وجہ سے جیت گئے۔

ایران کی میرین پاکستانی میرین کی طرح ہر قسم کی زمینی خصوصیات کی حامل ہے۔ ہر نوع کے نقوش زمینی یہاں پائے جاتے ہیں۔ جنگل، پہاڑ، دریا، برف زار، صحرا، میدان، سطح مرتفع نشیبی علاقے، درے، گنجان آبادیاں، مواصلاتی مراکز، الغرض وہ کون سا زمینی پہلو ہے جو ایران میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔

زمینی نقوش کی یہ بوقلمونی اور رنگارنگی متنوع آب وہوا کا باعث بنتی ہے۔ کسی علاقے کی آب وہوا کی تشکیل میں جو عناصر کارفرما ہوتے ہیں، ان میں خط استوا سے فاصلہ، قطبین سے فاصلہ، جنگلات کی موجودگی، پہاڑوں کی بلندی، سطح سمندر سے بلندی، گرم اور سرد سمندری رووں کی موجودگی وغیرہ شامل ہوتے ہیں لیکن خود علاقے کے اپنے زمینی اور جغرافیائی نقوش (Features) بھی یہ آب وہوا تشکیل کرتے ہیں۔

ایران کے نقشے کو غور سے دیکھیں تو اس میں کوہ البرز، کوہ الوند، کوہ دماوند اور سلسلہ زاگروس نمایاں پہاڑی سلسلے ہیں۔ دشت لوت اور دشت کبیر ریگستانی اور چٹیل میدان ہیں۔ شمال میں بحیرۂ کیسپین اور جنوب میں خلیج فارس ہے۔ مغربی سرحد پر شط العرب ہے، جو دلدلی اور دریائی علاقہ ہے۔ دریا بہت کم ہیں، لیکن سب سے زیادہ اہمیت کی وہ تین بندرگاہیں ہیں، جو خلیج فارس کے ساحل پر بندر بوشہر، بندر عباس اور بندر بہشتی کے نام سے مشہور ہیں۔ بندر بہشتی کو چاہ بہار بھی کہتے ہیں اور یہ پاکستانی بندرگاہ گوادر کے بالکل ہمسائے میں (مغربی سمت) واقع ہے۔ بحیرہ عرب سے جو تجارتی یا جنگی جہاز خلیج فارس میں داخل ہوتا ہے، اس کی مانیٹرنگ کے لیے جسک (Jask) نام کا ایک مستقر چاہ بہار کے ساتھ مغرب میں واقع ہے۔ بندر عباس کے بالکل نیچے (کراچی میں ہمارے منوڑہ کی طرح) دو جزائر ایسے ہیں جن کو تنب خورد اور تنب کلاں کا نام دیتے ہیں۔ خلیج فارس، بندر عباس کے سامنے بالکل تنگ ہو جاتی ہے اور اسے آبنائے ہرمز کہا جاتا ہے۔ کسی بھی بحری ٹاسک فورس کو آبنائے ہرمز عبور کرنے کے لیے لامحالہ تنب خورد اور تنب کلاں کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے، جس میں ایرانی بحریہ نے جنگی مشقیں کیں۔ انہی مشقوں میں فلائنگ بوٹ اور ''خطرناک'' تارپیڈو کا تجربہ کیا گیا۔ یہ تجربہ کیا تھا، محض ایک پیغام تھا، جو امریکہ کو دینا تھا کہ آپ سپریم ورلڈ پاور تو ہیں۔ آپ ایران میں ضرور آیئے، لیکن یہ خیال ضرور رکھیئے کہ اس راستے میں کہکشائیں نہیں، سنگ زار بکھرے پڑے ہیں، اگر ان پتھروں میں چل کر آنا چاہتے ہو تو آؤ، وہاں پاؤں ضرور فگار ہوں گے اور تلووں میں آبلے بھی پڑیں گے، بس ذرا ان کا دھیان رکھنا۔

ایران اپنی لوکیشن کے طفیل ان تمام آئل ٹینکروں کی نقل وحرکت کو روک سکتا ہے، بلکہ سبوتاژ کر سکتا ہے، جو کویت، قطر، بحرین اور امارات وغیرہ سے تیل لے کر مشرق ومغرب کا رخ کرتے ہیں۔ امریکہ، گوادر کی بندرگاہ کو ڈویلپ ہوتے، اس لیے بھی دیکھنا نہیں چاہے گا کہ آنے والے کل میں چاہ بہار اور گوادر کی یہ بندرگاہیں مل کر خلیج فارس کو مکمل طور پر بلاک کر سکتی ہیں۔ اس بندر بہشتی سے لے کر آبادان تک ساحل خلیج فارس پر میزائلوں کی بیڑیاں نصب کر دی جائیں تو خلیج میں متحرک تمام سویلین اور ملٹری اہداف (یعنی تجارتی اور جنگی شپ) کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ ایران یہ بھی کر سکتا ہے کہ آبنائے ہرمز میں سمندری سرنگیں (Mines) بچھا دے اور بحری نقل وحمل کو روک دے۔ ایک تیسری آپشن یہ بھی ہے کہ ایران خود اپنی چند درجن جنگی کشتیوں کو ناکارہ کر کے آبنائے ہرمز کا راستہ اسی طرح بند کر دے، جس طرح پاکستان کی جی ٹی روڈ (اور اب تو موٹروے بھی) مختلف ''وجوہات'' کی بناء پر چند گاڑیاں کھڑی کر کے بلاک کر دی جاتی ہے۔

ایرانین نیوی کے پاس تین کلوکلاس آبدوزیں ہیں اور نو عدد چھوٹی آبدوزیں (Midget) بھی ہیں۔ یہ چھوٹی آبدوزیں بحری کمانڈو آپریشنوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر ایران اپنی تینوں کلوکلاس (روس کی بنی ہوئی) آبدوزوں کو بحر ہند میں بھیج دے تو جو امریکی بحری کمک بحر ہند کے راستے خلیج میں داخل ہو رہی ہوگی' اس کی رفتار سست کی جاسکتی ہے اور اگر وہ داخل ہو بھی جائے تو آبنائے ہرمز میں بچھی ہوئی سمندری سرنگیں اس کے ایڈوانس کو مزید تاخیر میں ڈال سکتی ہیں۔ دریں اثناء ایرانی میزائل خلیج کے دوسرے ساحل پر امریکی اہداف کو نشانہ بنا کر امریکہ کو کافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اس ایکسرسائز سے اور کچھ ہو نہ ہو' تیل کی عالمی قیمتیں آسمان تک جا پہنچیں گی۔ ایران کی کوشش یہ ہے کہ وہ اس عالمی بحران کا ذمہ دار امریکہ کو ٹھہرائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آئی اے ای اے کے انسپکٹروں کو اپنے ری ایکٹروں کے معائنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اب اشارے یہ بھی ہیں کہ وہ دوبارہ اس راہ پر گامزن ہونے جا رہا ہے۔

عراق کے بعد ایران' امریکہ کی نگاہوں کا خار ہے۔ امریکہ' مشرق وسطیٰ کے تیل کی ''منڈی'' کو ''بے ضرر اور پرامن'' بنانا چاہتا ہے اور پھر بے فکر ہو کر واحد عالمی قوت کا تاجدار بننا چاہتا ہے..... لیکن اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام!!

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ایران پر امریکی حملہ اگرچہ آسان نہیں ہوگا۔ عراق اور افغانستان کے علی الرغم' ایران کی جغرافیائی اہمیت اور اس کی سٹریٹیجک لوکیشن اسے ایک تر نوالہ نہیں بناتی۔ اگرچہ امریکہ کو یہ حملہ بہت مہنگا پڑے گا اور اس کے عالمی نتائج گھمبیر ہوں گے۔

اسلامی انقلاب کا پس منظر

ایران پر شہنشاہ کی حکومت تھی بلکہ دنیا بھر کے اہل رائے حلقوں میں کہا جاتا تھا کہ سلطنت شاہ کی ہے اور حکمرانی ساواک کرتی ہے۔ ساواک ایک بدنام' مگر شاہ سے بے حد وفادار خفیہ ادارے کا نام تھا' جسے تیسری دنیا کے ہر خفیہ ادارے کی طرح لوگوں کی ذاتی زندگی کی نگرانی کرنے' گرفتار کرنے' تفتیش کے دوران ہر قسم کے جسمانی' ذہنی اور غیر اخلاقی تشدد کرنے حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر جان سے مار دینے تک کے مادر پدر آزاد اختیارات حاصل تھے۔ جس طرح ایوب خان مرحوم کو طلبہ سے اللہ واسطے کا بیر تھا اور وہ انہی کے ہاتھوں چلنے والی تحریک کے دوران اقتدار سے محروم ہوئے' اسی طرح شاہ کو بھی علماء سے بیزاری تھی اور انہیں بھی ایک عالم دین کی قیادت میں چلنے والی تحریک کے نتیجے میں تاج وتخت سے محرومی کا لمحہ دیکھنا پڑا۔

ساواک کی حکمرانی میں علمائے دین پر انواع واقسام کی پابندیاں عائد تھیں۔ انہیں مالی طور سے شدید دباؤ میں رکھا جاتا تھا۔ ساواک کے مشورے پر شاہ نے آیت اللہ روح اللہ موسوی/الخمینی کو 1963ء میں چودہ برس کے لیے ملک بدر کر دیا تھا' مگر ان کی شہریت نہیں چھینی تھی۔ جلاوطن کرتے وقت شاہ نے سب سے پہلے پاکستان پر نظر انتخاب ڈالی۔ وہ پاکستان کیوں نہیں آئے' یا نہیں آنے دیئے گئے' یہ ایک طویل کہانی ہے۔ پاکستان کے بعد ترکی سے بات چیت چلی اور پھر اردن سے۔ ان دونوں ممالک نے بھی معذرت کر لی تو شاہ نے بادل ناخواستہ عراق کے سابق صدر احمد حسن البکر سے رابطہ کیا۔ صدر بکر نے نائب صدر صدام حسین کے مشورے سے آیت اللہ خمینی کو سونے کی چڑیا سمجھ کر دبوچ لیا اور انہیں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے روضہ مبارک سے ملحق حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں اعلیٰ ترین علمی منصب پر فائز کر کے عراق میں چودہ سال کے لیے پناہ دے دی۔

ایران میں مذہبی قیادت واقتدار کے دو بڑے مظہر تھے۔ پہلا مشہد میں امام علی الرضا علیہ السلام کے مزار سے وابستہ تھا اور دوسرا تہران سے تقریباً ایک سو کلومیٹر جنوب میں قم کے شہر میں تھا۔ مشہد پر تو شہنشاہ کا قبضہ تھا اور ''آستانِ قدس'' کے خود ساختہ متولی بھی تھے۔ امام رضا سے عقیدت کے اظہار کے طور پر وہ ہر ماہ کم از کم ایک بار اپنا ذاتی جہاز ''شہباز'' خود اڑا کر مشہد جاتے اور حرم امام رضا پر حاضری دیتے۔ اس حوالے سے مشہد میں کوئی اہم شاہ مخالف مذہبی ''پاکٹ'' قائم نہ ہو سکی۔ آیت اللہ شیرازی وہاں کے مقتدر اور معتبر عالم دین تھے' مگر شاہ نے کبھی ان کی چلنے نہیں دی۔ قم

میں معاملہ ذرا مختلف تھا۔ آیت اللہ خمینی کیونکہ جلاوطنی سے پہلے حوزہ علمیہ قم میں فقہ اور شریعہ کی قندیلیں جلا رہے تھے' اس لیے قم پر شاہ کا تسلط پوری کوشش کے باوجود قائم نہیں ہوسکا۔ اس علمی ادارے میں آیت اللہ حسین نوری صحیح معنوں میں علمی' روحانی اور سیاسی اعتبار سے آیت اللہ خمینی کے جانشین تھے۔ قم میں ہی دوسرا مرکز علمی آیت اللہ کاظم شریعت مدار کے زیر نگرانی چل رہا تھا۔ وہ قدرے معتدل مزاج تھے' اس لیے شاہ سے کبھی ان کے مقلدین کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔

جب 1963ء میں شاہ نے آیت اللہ خمینی کو بغداد اور پھر وہاں سے نجف اشرف روانہ کیا تو پورا قم ہنگاموں کی لپیٹ میں تھا۔ ان ہنگاموں کی صدائے بازگشت اور ہنگاموں کی گرمی وتپش دوسرے شہروں اور خاص طور سے تہران' اصفہان اور مشہد میں بھی محسوس کی جارہی تھی۔ اتمام حجت کے طور پر شاہ نے اپنے فوجی معتمد یا ملٹری سیکرٹری عباس قرہ باغی کو رات کی تنہائی میں اپنا خاص ایلچی بنا کر قم بھیجا۔ اس وقت عباس قرہ باغی کرنل کے عہدے پر فائز تھے۔ ایران کے ایک مقتدر اخبار کے غیر ملکی ڈیسک کے سربراہ کی حیثیت سے میری جنرل عباس قرہ باغی سے خاصی یاداللہ تھی۔ انہوں نے آیت اللہ خمینی سے اپنی ملاقات کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا' اس کا خلاصہ یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے آیت اللہ خمینی سے کہا کہ دیکھیں نجف اشرف میں آیت اللہ محمد خوئی روحانی درجے میں آپ سے بڑے اور آیت اللہ کے منصب پر آپ سے سینئر ہیں۔ وہ شاہ کے اقتدار کو جائز مانتے ہیں۔ آپ ان کی پیروی میں شاہ کی مخالفت ترک کر دیجیے۔ یہ سنتے ہی آیت اللہ خمینی بولے' جاؤ رضا سے کہہ دو کہ آیت اللہ خوئی حسنی ہیں اور میں حسینی ہوں۔ یہ جملہ کہتے وقت آیت اللہ خمینی کے چہرے پر بے حد اطمینان تھا اور وہ شاہ کو صرف رضا کہہ رہے تھے۔ جنرل قرہ باغی نے مجھے بتایا کہ جب میں نے آیت اللہ خمینی کا جواب شاہ کو سنایا تو وہ سناٹے میں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ شخص اب جلاوطن کر ہی دینا چاہیے اور یوں شاہ نے اپنے فیصلے پر عملدرآمد کر دیا۔

ساواک نے علمائے کرام کو شدید مالی دباؤ میں رکھا۔ تہران میں میری رہائش گاہ قاسم آباد نامی پوش علاقے میں تھی۔ میرے گھر کے پاس ایک مسجد تھی' جس کے پیش نماز کو میں ماہانہ کچھ رقم خاموشی سے دے آتا تھا' مگر بے حد رازداری کے باوجود ساواک کو اس کا علم ہوگیا۔ ساواک کے ایک پولیس کرنل کا نام احمد عالم زادہ تھا' جن سے میری خاصی شناسائی تھی۔ ایک روز وہ میرے پاس آئے اور بولے کہ آپ فلاں عالم دین کو اتنے عرصے سے اتنی رقم باقاعدگی سے دے رہے ہیں' میں آپ کو آپ کے مفاد میں خبردار کر رہا ہوں کہ آپ یہ رقم دینا بند کر دیں۔ میں نے وضاحت کی کہ میں یہ رقم محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیتا ہوں' مجھے ان کی مدد کرنے سے نہ روکیے۔ میرے جواب پر کرنل احمد عالم زادہ نے کہا کہ ٹھیک ہے' مگر آپ امداد میں ذرا احتیاط سے کام لیجیے۔

اسلامی انقلاب کے بعد ایرانی صدور

ایران میں صدر ملکی سیاسی نظام میں ایک اہم عہدہ ہے گو وہ تمام تر اختیارات نہیں رکھتا کیونکہ رہبر (خامنہ ای) اس سے بالاتر عہدہ ہے۔ ایران میں صدر کا عہدہ 1979ء میں تخلیق کیا گیا اور اس نے 1989ء کے بعد اہمیت اختیار کر لی۔ صدر کا انتخاب ایرانی عوام کرتے ہیں تاہم لڑنے والوں کا انتخاب شورائے نگہبان کرتی ہے۔ امیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان اور 25 تا 75 سال عمر رکھتا ہو۔ ذیل میں پانچ ایرانی صدور کے مختصر حالات زندگی پیش ہیں۔

ابوالحسن بنی صدر

22 مارچ 1933ء کو پیدا ہوئے۔ 1960ء کے عشرے میں بطور طالب علم شاہ ایران کے خلاف مظاہروں میں حصہ لیا۔ دو بار جیل میں رہے اور 1963ء میں زخمی بھی ہوئے۔ بعدازاں فرانس چلے گئے اور امام خمینی کے ساتھ مل کر تحریک چلانے لگے۔ فروری 1979ء میں اسلامی انقلاب شروع ہوا تو امام موصوف کے ہمراہ ایران آ گئے۔ وزیر خارجہ اور وزیر خزانہ رہے۔

1980ء کے اوائل میں اسلامی حکومت کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ مذہبی رہنما نہیں تھے اسی لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ تب امام خمینی چاہتے تھے کہ کوئی مذہبی رہنما صدر یا وزیر نہ بنے۔ جلد ہی امام صاحب اور بنی صدر کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے۔ امام خمینی حزب اختلاف کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اور بنی صدر اس کے حق میں نہ تھے۔ امام صاحب نے پھر بنی صدر کو الٹی میٹم دے دیا کہ یا خاموش رہو یا پھر صدارت کے عہدے سے استعفیٰ دے دو۔

بنی صدر نے امام خمینی کو کئی خطوط لکھے اور انہیں متنبہ کیا کہ آمر نہ بنیں۔ اسی دوران ان پر انکشاب ہوا کہ امریکی صدارتی امیدوار رونالڈ ریگن اور اسلامی ری پبلک پارٹی کے ناظم محمد بہشتی کے مابین خفیہ تعلقات قائم ہیں۔ اس پر انہوں نے سرکاری طور پر تحقیقات کرنے کا حکم دے دیا۔ اس اثناء میں عراق نے ایران پر حملہ کر دیا۔ بنی صدر کی کوششوں سے صدام حسین لڑائی ختم کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ بنی صدر کے حامی حلقوں کا کہنا ہے کہ امام خمینی سمیت تمام مذہبی رہنماؤں کو احساس ہوا کہ بنی صدر جنگ ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے' تو وہ ٹینک پر بیٹھ کر تہران جا پہنچیں گے اور انہیں عوام میں اتنی مقبولیت ملے گی کہ وہ امام خمینی بھی بنی صدر کو کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔

ان تمام وجوہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی پارلیمنٹ نے 21 جون 1981ء کو انہیں صدر کے عہدے سے ہٹا دیا۔ اس سے پہلے ہی پاسداران صدارتی علاقے میں قبضہ کر کے بنی صدر کے حامیوں کو گرفتار کر چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر کو بعدزاں پھانسی دے دی گئی۔ بنی صدر فرانس فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اب وہ وہیں مقیم رہ کر ایران کی سیاسی صورت حال پر مضامین لکھتے ہیں۔ انہیں اعتدال پسند ایرانی رہنما تصور کیا جاتا

ہے۔

محمد علی رجائی

1933ء کو پیدا ہوئے۔ بنی صدر کے دور حکومت میں ایران کے وزیر اعظم تھے۔ مارچ تا اگست 1981ء ایرانی وزیر خارجہ بھی رہے۔ اسلامی انقلاب کے اہم قائدین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اس تحریک کے سربراہ تھے جس کے ذریعے ایرانی یونیورسٹیوں کو امریکی اور یورپی اثرات سے پاک کرنا تھا۔ اس تحریک کو بعدازاں ''ثقافتی انقلاب'' کا نام دیا گیا۔

بنی صدر کے بعد محمد علی رجائی ایران کے دوسرے صدر منتخب ہوئے لیکن بدقسمتی سے انہیں زیادہ عرصہ حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ صرف 14 دن بعد وہ اپنے وزیر اعظم محمد جاوید باہنر کے ساتھ ایک بم دھماکے میں ہلاک ہوگئے۔ یہ بم ایرانی حکومت کے مخالفین نے نصب کر دیا تھا۔ قزوین میں پیدا ہونے والے رجائی اپنی شہادت سے قبل ایرانی بوڑھوں کے لیے ایک امدادی منصوبہ شروع کر گئے جو تا حال جاری ہے۔ رجائی بنیادی طور پر قدامت پسندوں کے انتہا پسند گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

سیّد علی حسنی خامنہ ای

15 جولائی 1939ء کو پیدا ہوئے۔ اسلامی فلسفہ میں تعلیم حاصل کی اور بعدازاں اسے پڑھانے لگے۔ اسلامی انقلاب کے اہم قائد اور امام خمینی کے بااعتماد ساتھی تھے۔ جون 1981ء میں اس بم سے مرتے مرتے بچے جو پریس کانفرنس کے دوران ایک ٹیپ ریکارڈ میں پھٹ پڑا۔ 1981ء میں محمد علی رجائی کی موت کے بعد اکتوبر 1981ء میں تیسرے صدر منتخب ہوئے۔ اس عہدے پر پہنچنے والے پہلے مذہبی رہنما تھے۔ ان کے انتخاب سے ماہرین نے یہ اندازہ لگایا کہ ایرانی حکومت اب زیادہ مذہبی ہوتی جا رہی ہے۔

1985ء کے صدارتی انتخابات میں دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ چونکہ امام خمینی کے قریبی ساتھی تھے اس لیے دونوں کا ٹکراؤ بہت کم ہوا۔ 1989ء میں جب امام خمینی فوت ہوئے تو مجلس خبرگان رہبری (Assembly of Experts) نے انہیں نیا رہبر چن لیا۔ خامنہ ای کو آیت اللہ ہیں لیکن انہیں عارضی طور پر عہدہ حاصل ہے۔ کیونکہ مجلس خبرگان کے حساب سے ان کا تعلیمی یا مذہبی درجہ اس عہدے کے معیار جتنا نہیں۔

آیت اللہ خامنہ ای کا جھکاؤ قدامت پسندوں کی طرف ہے اسی لیے جب ایران میں اصلاح پسند صدر نے حکومت سنبھالی تو ان کا آپس میں ٹکراؤ شروع ہوگیا۔ خامنہ ای نے کئی بار وہ تبدیلیاں رد کر دیں جو اصلاح پسند حکومت عمل میں لانا چاہتی تھی۔

علی اکبر ہاشمی رفسنجانی

25 اگست 1934ء کو پیدا ہوئے۔ ایران کے بااثر سیاست دانوں میں سے ایک ہیں۔ مجمع تشخص مصلحت نظام کے سربراہ ہیں یہ ایرانی آئین سے متعلق ایک ادارہ ہے جس کا کام مجلس (پارلیمان) اور شوریٰ نگہبان کے درمیان تنازع طے کرنا اور رہبر کو مشورے دینا ہے۔

ہاشمی رفسنجانی 1989ء تا 1997ء ایران کے صدر رہے۔ 2005ء میں دوبارہ یہ عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوگئے۔ اسلامی انقلاب جب تشکیل پایا تو اس کے ایک اہم رہنما تھے۔ نئی ایرانی پارلیمنٹ کے پہلے سپیکر منتخب ہوئے اور 1989ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

موصوف کا تعلق قدامت پسندوں کے اعتدال پسند گروہ سے ہے اس لیے ان کے دور حکومت میں مغربی ممالک کے ساتھ ایران کے تعلقات زیادہ خراب نہیں ہوئے بلکہ ان میں بہتری آئی۔ اسرائیل کے بارے میں ان کا نقطہ نظر کچھ یوں ہے۔ 14 دسمبر 2001ء کو یوم القدس کے موقع پر ہاشمی رفسنجانی نے کہا:

''اگر کسی دن اسلامی دنیا بھی اسرائیل کی طرح ایٹم بم بنالے تو سرمایہ دار (ممالک) کی حکمت عملی منجمد ہو کر رہ جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ صرف ایک ایٹم بم صفحہ ہستی سے اسرائیل کا صفایا کر دے گا جبکہ عالم اسلام کے ایک ہی حصے کو نقصان پہنچے گا۔ اسی لیے ایسے واقعہ کو رونما نہ ہونے دینا بے عقلی ہوگی۔''

سیّد محمد خاتمی

14 اکتوبر 1943ء کو اردبیل کے شہر اردکان میں پیدا ہوئے۔ اصفہان یونیورسٹی سے مغربی فلسفے میں بیچلر ڈگری لی۔ بعد ازاں قم میں رہتے ہوئے اسلامی علوم پڑھے۔ تعلیم مکمل کر کے جرمنی چلے گئے۔ ہمبرگ اسلامی مرکز کے ناظم رہے۔ اسلامی انقلاب کے بعد ایران چلے آئے۔ صدر بننے سے پہلے کئی سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

صدر خاتمی کو اقتدار دلوانے میں ایرانی خواتین اور نوجوانوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے خواتین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی معاشرتی حیثیت بلند تر کریں گے جب کہ نوجوانوں کو روزگار مہیا کرنے کی نوید سنائی گئی۔ محمد خاتمی کو ایران کا پہلا اصلاح پسند صدر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اپنے دور حکومت میں ان کا زور اس امر پر رہا کہ قانون کی حکمرانی یقینی بنائی جائے اور جمہوریت کے اصول ایرانی معاشرے میں رچ بس جائیں۔

تاہم ایرانی حکومت میں موجود قدامت پسندوں اور انتہا پسندوں نے ان کی زبردست مخالفت کی اور صدر خاتمی کا اصلاحی منصوبہ خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ کئی محاذوں پر انہیں شکست ہوئی کیونکہ ایرانی حکومت کے ڈھانچے میں زیادہ تر بااثر عہدے قدامت پسندوں کے پاس ہیں۔ شکستیں کھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر میں صدر خاتمی کے حمایتی بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔

صدر خاتمی اپنے پورے دور حکومت میں تشدد کی سیاست سے دور رہے اور انہوں نے ایران میں جمہوری اقدار پھیلانے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے کوشش کی کہ ایران اور اس کے باشندوں کا مثبت چہرہ دنیا والوں کو دکھایا جائے جو ماضی کے بعض واقعات کی وجہ سے منفی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ امریکہ کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا چاہتے تھے۔

موجودہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد

وہ ایرانی صوبے سمنان کے شہر گرمار کا رہائشی تھا۔ بڑے بڑوں کو سیدھا کرنے کا فن جانتا تھا کیونکہ لوہار ہونے کے باعث اس کے سامنے لوہا بھی موم ہو جاتا۔ اس سخت اور عملی انسان کے گھر 28 اکتوبر 1956ء کو ایک بیٹے محمود احمدی نے جنم لیا۔

محمود احمدی نژاد کو گرمار میں پلنے بڑھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ جب وہ ایک برس کے تھے تو ان کے والدین تہران چلے آئے۔ انہوں نے بھی یہ روایتی خواب دیکھ رکھا تھا کہ ان کا بیٹا بھی پڑھ لکھ کر ''بابو'' بن جائے۔ ان بیچاروں کو کیا علم کہ نژاد کو تو اپنے ملک کی باگ ڈور سنبھالنی تھی۔ بہرحال انہوں نے شروع سے بیٹے کی پڑھائی پر توجہ مرکوز کیے رکھی اور وہ بلند درجے حاصل کر کے اگلی جماعتوں میں جاتا رہا۔

1976ء میں نژاد نے ایران یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں سول انجینئرنگ کے طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لے لیا۔ اسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پاتے ہوئے انہوں نے سول انجینئرنگ میں ایم ایس سی کیا۔ بعدازاں پی ایچ ڈی کے پروگرام میں داخلہ لیا اور ٹریفک و ٹرانسپورٹیشن انجینئرنگ اور پلاننگ میں پی ایچ ڈی کر لیا۔ تعلیم کے دوران ہی نژاد نے حکومت کی مسلم تنظیم' پاسداران انقلاب اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی۔ ڈاکٹر بننے کے بعد وہ اپنی مادر علمی ہی میں پروفیسر بن گئے اور طالبان علم کی پیاس بجھانے لگے۔

1979ء میں احمد نژاد یونیورسٹی کے نمائندے بن گئے۔ اس حیثیت سے ان کی اکثر امام خمینی سے ملاقات ہوئی جو طلبا سے ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔ ان ہی ملاقاتوں میں ایک طلباء تنظیم' دفتر تحکیم و وحدت کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی تنظیم کے بیشتر رکن ان طلبا میں شامل تھے' جنہوں نے 1979ء میں تہران میں امریکی سفارت خانے پر قبضہ کر لیا تھا۔ نژاد بھی اس تنظیم کے رکن تھے۔ شنید ہے کہ امریکی سفارت خانے پر حملے سے قبل نژاد نے تجویز دی تھی کہ روسی سفارت خانے کو بھی قبضے میں لے لیا جائے تاہم یہ تجویز رد ہو گئی۔

احمدی نژاد ایران' عراق جنگ کے دوران پاسداران میں شامل ہوئے تھے' یہ 1986ء کی بات ہے۔ فوجی تربیت پانے کے بعد انہوں نے اس حملے میں حصہ لیا جو کرک (عراق) پر ہوا تھا۔ بعدازاں وہ پاسداران کی کارپس کی چھٹی (Sixth) فوج میں ہیڈ انجینئر بن گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو وہ مغربی ایران کے علاقہ ماکو اور خوئی کے گورنر رہے۔ بعد میں وزارت ثقافت کے مشیر بنے۔ 1993ء تا 1997ء نئے تشکیل شدہ صوبے اردبیل کے گورنر رہے۔

سیاست میں آمد:

تہران کا میئر بننے سے قبل احمدی نژاد ایرانی سیاست میں تقریباً اجنبی تھے۔ 3 مئی 2003ء کو شورائی اسلامی شہر تہران (اسلامک سٹی کونسل آف تہران) نے انہیں میئر منتخب کر لیا۔ انہوں نے ایک سیاسی تنظیم' آبادگران کی طرف سے یہ انتخاب لڑا۔ آبادگران قدامت پسند سیاسی جماعتوں اور گروپوں کا اتحاد ہے جو زیادہ تر تہران ہی میں سرگرم ہے۔ نژاد اس کے اہم رہنما ہیں۔

میئر بنتے ہی نژاد نے وہ تمام تبدیلیاں ختم کر دیں جو پہلے معتدل یا اصلاح پسند میئر عمل میں لائے تھے۔ انہوں نے تمام مخلوط سرگرمیاں اور محفلیں ختم کروا دیں حتیٰ کہ سرکاری دفاتر میں مرد و خواتین کے لیے علیٰحدہ سیڑھیاں مخصوص کر دی گئیں۔ مزید برآں انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایران عراق جنگ کے ہیروز کے مزار تہران کے مرکزی چوکوں میں بنائے جائیں۔ نژاد حکومت نے چونکہ غریب غربا میں مفت کھانا تقسیم کیا' اس لیے وہ نچلے اور متوسط طبقوں میں مقبول ہو گئے۔

بلدیہ تہران اپنا ایک اخبار ہمشری بھی نکالتی ہے جو شہریوں میں بڑا مقبول ہے۔ احمدی نژاد نے اس کے اصلاح پسند مدیر' محمد اسفندیار کو نکال کر علی رضا شیخ عطار کو اخبار کی ادارت سونپ دی۔ 13 جون 2005ء موصوف کو بھی گھر کا راستہ دکھا دیا گیا کیونکہ اس نے صدارتی انتخابات میں نژاد کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مزید برآں نژاد نے ہمشری کی ایک صحافی' نفیسہ خونوارد کو بھی نکال دیا۔ اس نے صدر خاتمی سے سوال کیا تھا کہ ایرانی حکومت کی ''سرخ حدود'' کہاں واقع ہیں۔ نیز کیا خفیہ ایرانی ایجنسیاں بھی موجود ہیں؟ نژاد نے ان سوالات کو غیر ضروری قرار دیا اور الزام لگایا کہ نفیسہ ترکی کی ایجنٹ ہے۔

میئر بنتے ہی نژاد کی صدر خاتمی سے منہ ماری ہو گئی' اسی لیے صدر نے انہیں وزرائے اجلاس میں شریک ہونے سے روک دیا۔ تہران کے میئر کو ان اجلاسوں میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔ بعد ازاں احمدی نژاد نے سرعام صدر خاتمی پر تنقید کی کیونکہ وہ عوام کے مسائل حل نہیں کر پا رہے تھے۔

احمدی نژاد نے دو سال میں بحیثیت سیاست دان اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا۔ 2005ء کا بہترین عالمی میئر منتخب کرنے کے لیے مقابلے میں دنیا بھر سے پانچ سو چنیدہ میئروں کا انتخاب کیا گیا۔ بعد ازاں یہ فہرست 65 میئروں تک رہ گئی اور اس میں نژاد کا نام شامل تھا۔ اس فہرست میں صرف نو میئروں کا تعلق ایشیا سے تھا۔ جب وہ ایرانی صدر بن گئے' تو انہوں نے میئر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ ستمبر 2005ء میں بلدیہ تہران کے نئے میئر ڈاکٹر محمد باقر کا انتخاب عمل میں آیا۔ انہیں پندرہ میں سے آٹھ ارکان بلدیہ نے ووٹ دیا۔

ایرانی صدر انجینئروں کی تنظیم' جامع اسلامی مہندسین کے بھی رکن ہیں۔ وہ مذہبی طور پر قدامت پسند اور اپنے مذہب کے زیادہ قریب ہیں۔

صدارتی مہم:

فروری 2004ء کے صدارتی انتخابات سے قبل ایران کے سب سے بڑے قانونی اور آئینی ادارے شورائے نگہبان قانون اساسی نے ایک ہزار سے زائد امیدواروں کو متفرق وجوہ کی بنیاد پر مقابلے میں شرکت کرنے سے روک دیا۔ آخر میں صرف سات امیدواروں کو صدارتی انتخاب

لڑنے کی اجازت دی گئی اوران میں احمدی نژاد کا نام شامل تھا۔شروع میں نژاد کا نام بھی مسترد ہوا تاہم اپیل پر انہیں قبول کرلیا گیا۔

احمدی نژاد نے اپنی صدارتی مہم چلاتے ہوئے مختلف قومی اور عالمی امور پر ملے جلے اشارے دیئے۔ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ قدامت پسند طبقہ اور نچلے ومتوسط طبقے ان کی حمایت کریں۔وہ اپنی حکمت عملی میں کامیاب رہے۔ان کا نعرہ (موٹو) یہ تھا:

''می شودوی توازی می'' (یہ ممکن ہے اور ہم ایسا کرسکتے ہیں)

صدارتی مہم چلاتے ہوئے احمدی نژاد نے عوامی رہنما ہونے کا تاثر پیش کیا اور لوگوں میں گھل مل گئے۔انہوں نے اپنی سادہ زندگی کو بھی نمایاں کیا اور خود کو دوسرے ایرانی صدر' محمد علی رجائی کے مماثل قرار دیا۔نژاد نے دعویٰ کیا کہ وہ ایک ''مثالی حکومت'' تشکیل دے کر عالمی طور پر سب کو متاثر کرنا چاہتے ہیں۔وہ خود کو ''اصول پسند'' کہتے ہیں یعنی ان کے سیاسی نظریات اسلامی اور انقلابی اصولوں پر استوار ہیں۔نژاد کا ایک مطمع نظر یہ ہے ''تیل کی آمدنی عوام کی جیب تک پہنچائی جائے۔''

صدارتی مہم کے دوران احمدی نژاد واحد امیدوار تھے جنہوں نے مستقبل میں امریکہ سے تعلقات قائم کرنے کے سلسلے میں مخالفت کی۔نیز صدارتی انتخاب سے چند دن قبل انہوں نے ایرانی ٹی وی پر ایک انٹرویو کے دوران الزام لگایا کہ اقوام متحدہ جانب دار اور عالم اسلام کے خلاف مصروف عمل ہے۔ان کا خیال ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ ارکان کو ویٹو پاور حاصل نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ دوسروں کا استحصال کرتے ہیں۔اسی ٹی وی انٹرویو میں نژاد نے مزید کہا:

''چند ممالک کو یہ حق حاصل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ان فیصلوں کو ویٹو کردیں جن کی حمایت دنیا کے بیشتر ممالک کرتے ہیں۔''

احمد نژاد نے ایران کے ایٹمی منصوبے کا دفاع بھی کیا اور الزام لگایا کہ چند ''ہٹ دھرم طاقتیں'' ایران کی صنعتی اور تکنیکی ترقی کو روکنا چاہتی ہیں تاکہ ایرانی آگے نہ بڑھ سکیں۔انتخابی مہم کے دوران ایک اخبار نویس نے ان سے سوال کیا کہ اگر آپ صدر بن گئے تو کیا تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کردیں گے؟ نژاد نے جواب دیا:

''کون سے سیاسی قیدی..... یہ جنس صرف امریکہ میں پائی جاتی ہے۔''

انتخابی معرکہ:

17 جون 2005ء کو جدید ایرانی تاریخ کے نویں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے۔اس کے دو دور ہوئے' پہلا 17 جون اور دوسرا 24 جون کو۔ انتخابات میں 60 فی صد ایرانیوں نے ووٹ ڈالے' یوں امریکہ کی یہ پیشین گوئی درست ثابت نہ ہوئی کہ بیشتر ایرانی ووٹ نہیں ڈالیں گے۔

انتخابات کے پہلے دور میں امیدواروں کے درمیان کیل کانٹے کا مقابلہ ہوا۔اس امر کا اندازہ یوں لگایئے کہ اکبر ہاشمی رفسنجانی نے ساڑھے اکسٹھ لاکھ' احمد نژاد نے ستاون لاکھ' مہدی کروبی نے ساڑھے اکیاون لاکھ اور ڈاکٹر محمد باقر نے پونے اکتالیس لاکھ ووٹ حاصل کیے۔(انتخابات میں تیسرے نمبر پر آنے والے مہدی کروبی ایران کے ممتاز سیاست دان ہیں۔پارلیمنٹ کے سپیکر رہ چکے ہیں۔شورائے نگہبان پر تنقید کرتے رہتے ہیں لیکن رہبر' خامنہ ای کے مشیر اور دوست رہے)۔

چونکہ پہلے دور میں کوئی بھی امیدوار واضح اکثریت حاصل نہیں کر سکا' اس لیے پہلے دو امیدواروں کے درمیان اگلا رن پڑا۔ اس بار احمدی نژاد بازی لے گئے۔ رفسنجانی نے ایک کروڑ ووٹ حاصل کیے جبکہ نژاد کو ایک کروڑ بہتر لاکھ ووٹ پڑے۔ ماہرین کے نزدیک نژاد کو عوام نے جتوایا کیونکہ وہ ان کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ دوسری طرف رفسنجانی اپنے نظریات کے سلسلے میں مطلوبہ حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

تاہم صدارتی انتخابات کے بعد ایک تنازع ضرور سامنے آیا۔ حجۃ السلام مہدی کروبی نے الزام لگایا کہ مساجد کے نیٹ ورک' پاسداران انقلاب اسلامی اور دیگر مسلح تنظیموں نے خفیہ طور پر احمدی نژاد کی حمایت کی اور انہیں کامیاب کروانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ نژاد نے انتخابی مہم میں ایک پائی خرچ نہیں کی بلکہ سارا خرچ درج بالا تنظیموں نے برداشت کیا ہے۔ مہدی کروبی نے مزید کہا کہ انتہا پسندوں نے انتخابات میں دھاندلی کی ہے اور ان میں خامنہ ای کا بیٹا' مجتبیٰ خامنہ ای بھی شامل ہے۔

اس کے بعد آیت اللہ خامنہ ای نے مہدی کروبی کو خط لکھا کہ انہوں نے جو الزامات لگائے وہ ان کے وقار کے منافی ہیں اور ان کی وجہ سے ایران میں بحران پیدا ہو جائے گا جس کی وہ کبھی اجازت نہیں دیں گے۔ جواب میں مہدی کروبی نے تمام سیاسی عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔

صدارتی انتخابات میں دوسرے نمبر پر آنے والے امیدوار اور ایران کے ممتاز سیاست دان' اکبر ہاشمی رفسنجانی نے بھی الزام لگایا ''کسی کے اشاروں پر منظم طریقے سے ان کے حریف کو ووٹ ڈلوائے گئے ہیں۔'' بہرحال احمدی نژاد کی جیت کے بعد ایران کے تمام سرکاری عہدوں پر قدامت پسندوں کا قبضہ ہو گیا۔ جیت کے بعد نژاد نے کہا ''شکر ہے کہ شہداء کا خون رنگ لایا' اب ایک اور اسلامی انقلاب کا احیا ہو چکا' یہ اسلامی انقلاب دنیا میں ناانصافی کی تمام جڑیں کاٹ ڈالے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس اسلامی انقلاب کی لہریں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔''

نژاد نے مزید کہا:

''ہم غیر ممالک سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے دہشت گردی مٹا کر رہیں گے۔ نیز ہماری کوشش ہوگی کہ پڑوسی ممالک کے ساتھ ویزہ پابندیاں ختم کر دی جائیں۔ ان ملکوں کی عوام کو آزادی ہونی چاہیے کہ وہ جہاں مرضی جا سکیں۔ لوگوں کو مقدس مقامات تک جانے اور سیر و سیاحت کرنے کا حق حاصل ہے۔''

ایوان صدر میں:

آیت اللہ خامنہ ای سے اجازت ملنے کے بعد 3 اگست 2005ء کو احمدی نژاد ایران کے نئے صدر بن گئے۔ جب وہ خامنہ ای سے ملنے گئے تو انہوں نے موصوف کا ہاتھ تھاما اور اسے بوسہ دیا۔ یوں وہ خامنہ ای کا ہاتھ چومنے والے پہلے صدر جبکہ ''رہبر'' کا ہاتھ چومنے والے دوسرے صدر بن گئے۔ سب سے پہلے محمد علی رجائی نے امام خمینی کے ہاتھ کو بوسہ دیا تھا۔ یاد رہے کہ انتخابات سے قبل ہی ایرانیوں میں مشہور تھا کہ احمد نژاد آیت اللہ خامنہ ای کے پیروکار ہیں۔

صدر بنتے ہی نژاد نے سب سے پہلا یہ حکم جاری کیا کہ سرکاری ملازم' دفاتر میں ان کی تصاویر نہ لٹکائیں۔ اب امام خمینی اور خامنہ ای کی تصویریں ٹانگی جائیں۔ 6 اگست کو نژاد نے رسمی طور پر مجلس (پارلیمنٹ) کے سامنے صدارتی حلف اٹھایا اور قسم کھائی کہ وہ ایران کے سرکاری مذہب'

شیعہ اسلام' ایرانی حکومت اور آئین کی حفاظت کریں گے۔

کابینہ کی تشکیل:

صدر احمدی نژاد نے اب پارلیمان کے سامنے اگلے پندرہ روز میں ان امیدواروں کی فہرست رکھنی تھی جنہیں وزیر بننا تھا۔ 14 اگست کو وزراء کی فہرست پارلیمنٹ کو مل گئی۔ طے ہوا کہ 21 اگست کو وہ ان وزراء کی منظوری دے گی۔

5 اگست کو نجی طور پر پارلیمنٹ کا ایک اجلاس ہوا تھا۔ اس میں صدر نژاد نے ہر وزارت کے سلسلے میں تین چار نام پیش کیے تا کہ پارلیمنٹ کے ارکان کے بارے میں اپنی آراء دے سکیں۔ ان آراء کی روشنی میں صدر نژاد نے اپنی کابینہ تشکیل دی اور نام پارلیمنٹ کو بھجوا دیئے۔

21 اگست کو پارلیمنٹ میں وزراء کے ناموں پر زبردست بحث ہوئی جو اگلے دو دن بھی جاری رہی۔ 24 اگست کو ارکان نے صدر نژاد کے وزراء کو منظور یا نامنظور کرنے کے سلسلے میں ووٹ ڈالے۔ بدقسمتی سے اسلامی انقلاب کے بعد صدر نژاد کی کابینہ وہ پہلی کابینہ بن گئی جس کے تمام وزراء پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کر سکے۔ پارلیمنٹ نے علی رضا علی احمد (محکمہ امداد باہمی) علی اکبر اشعری (تعلیم)' مہدی ہاشمی (ویلفیئر اور سوشل سکیورٹی) اور محسن تسلوتی (محکمہ پٹرولیم) کو مسترد کر دیا۔ یہ تمام وزراء احمدی نژاد کے ذاتی دوست تھے۔ باقی امیدوار وزیر بن گئے۔

امام رضاؒ کا فنڈ:

صدر احمدی نژاد نے کابینہ کی تشکیل کے بعد پہلا یہ قدم اُٹھایا کہ حضرت امام علی رضاؑ کے نام پر بارہ کھرب ریال (1.3 ارب ڈالر) کے سرمایے سے ایک فنڈ قائم کر دیا۔ اس فنڈ میں اس آمدنی سے حصہ ڈالا جائے گا جو ایرانی تیل کی فروخت سے حاصل کرتے ہیں۔ نژاد حکومت چاہتی ہے کہ اس فنڈ کے ذریعے نوجوانوں کی مدد کی جائے تا کہ وہ تعلیم پائیں' روزگار حاصل کریں اور شادی کر کے اپنا گھر بسا سکیں۔

اس فنڈ میں خیرات بھی دی جا سکتی ہے۔ فنڈ کا انتظام بورڈ آف ٹرسٹیز کے پاس ہے جس میں ایران کے تیس صوبوں کے نمائندے شامل ہیں۔ ابھی پارلیمنٹ نے اس فنڈ کی منظوری دینی ہے تاہم امید ہے کہ وہ اسے منظور کر لے گی کیونکہ ارکان پارلیمنٹ بھی چاہتے ہیں کہ ایرانیوں کے معاشی و معاشرتی مسائل حل ہو سکیں۔ نژاد حکومت کے مطابق فنڈ کا اجراء اس لیے کیا گیا ہے تا کہ بڑھتی مہنگائی کے خلاف عوام کو مدد دی جا سکے۔ مہنگائی کے باعث اب ایران میں شادی کرنے کی عمر بڑھ گئی ہے یعنی لڑکے اور لڑکی کے لیے بالترتیب 28 اور 25 سال۔ یہ وہ پہلا عملی قدم ہے جس سے صدر نژاد تیل کی آمدنی عوام کی جیب تک لے جانا چاہتے ہیں۔

صدر کے خلاف الزامات:

جون 2005ء میں جب احمد نژاد صدارتی انتخابات جیت گئے تو مغربی ذرائع ابلاغ میں یہ خبر پھیل گئی (یا پھیلائی گئی) کہ انہوں نے 1979ء تا 1981ء ''ایران یرغمالی بحران'' (Iran Hostage Crises) میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ مزید برآں آسٹریا میں مقیم کرد رہنماؤں کو قتل کروایا اور تہران کے ایک قید خانے' زندان اوکن میں بند قیدیوں کو پھانسی دلوائی۔ صدر نژاد اور ان کی حکومت نے الزامات کی تردید کی ہے۔

جولائی 2005ء میں امریکہ کے صدر بش نے دعویٰ کیا کہ یہ الزام سنجیدہ ہے اس لیے ان کی چھان بین کی جائے گی ادھر ایرانی حکومت نے کہا کہ یہ احمدی نژاد کے خلاف چلائی جانے والی خبیث مہم کا حصہ ہے جو امریکہ اور اس کے حواریوں نے شروع کر رکھی ہے۔ اس میں صیہونی ذرائع ابلاغ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

ایران یرغمالی بحران:

1979ء میں ایران میں اسلامی حکومت بنتے ہی اس کے امریکہ سے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ حکومت کے روح رواں امام خمینی کے مطابق امریکہ ''عظیم شیطان'' اور ''اسلام کے دشمن'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ 4 نومبر کو تین سو مسلح ایرانی طلبا نے امریکی سفارت خانے میں چھیاسٹھ امریکیوں کو یرغمال بنالیا۔ انہیں 20 جنوری 1981ء میں رہائی ملی۔

صدر نژاد کے جیتتے ہی ان یرغمالیوں میں شامل ڈاکٹر ولیم ڈوگہرٹی' کیون ہرینگ' ڈیوڈ روڈر' چارلس سکاٹ' ڈونالڈ شاریر وغیرہ نے الزام لگایا کہ ایرانی طباء میں احمدی نژاد بھی شامل تھے۔ ایک یرغمالی' کرنل (ر) چارلس سکاٹ نے ''واشنگٹن ٹائمز'' کو بتایا ''وہ ایرانی طلبا کے دو تین قائدین میں سے ایک تھا۔ ایران کا نیا صدر دہشت گرد ہے۔''

تاہم دیگر کئی یرغمالیوں کے مطابق نژاد ایرانی طلباء میں شامل نہیں تھے۔ خود سی آئی اے نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔ اسی لیے امریکی حکومت نے معاملے کو نہیں اچھالا اور شروع میں گرمی دکھا کر خاموش ہو گئی۔

بین الاقوامی معاملات پر نقطہ نظر:

انتخابی مہم کے دوران اور صدر بننے کے بعد احمدی نژاد نے بعض بین الاقوامی معاملات پر انتہا پسندرویہ اپنائے رکھا مثلاً انہوں نے اسرائیل کو نیست و نابود کر دینے کی دھمکی دی۔ اکتوبر 2005ء میں ایرانی طلباء نے ایک کانفرنس منعقد کی جس کا عنوان تھا: صیہونیت کے بغیر دنیا۔ اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر نژاد نے مرحوم امام خمینی کے الفاظ کا حوالہ دیا:

''القدس پر قابض حکومت دنیا کے نقشے پر کلنک کا ٹیکہ ہے اور اسے ہر حالت میں دھل جانا چاہیے۔''

یاد رہے کہ جب اسرائیل کا ذکر آئے' تو ایرانی رہنما ہمیشہ اسے ''القدس شریف پر قابض حکومت'' کہتے ہیں اور اسے قانونی ریاست نہیں سمجھتے..... نژاد نے تقریر کرتے ہوئے مزید کہا ''فلسطین کا مسئلہ تب حل ہو گا جب تمام فلسطینی مہاجرین اپنے وطن چلے جائیں گے اور وہاں عوام کی منتخب کردہ جمہوری حکومت برسر اقتدار آ جائے گی۔''

دوران تقریر صدر نژاد نے ان تمام اسلامی ممالک پر تنقید کی جو اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ صدر موصوف کے مطابق ''اس پالیسی کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی دنیا نے شکست تسلیم کر لی۔'' یاد رہے کہ عالم اسلام کے کئی ممالک مثلاً قطر' بحرین' پاکستان' ترکی' مراکش وغیرہ کی حکومتوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے سلسلے میں کئی اقدامات کیے ہیں۔

صدر نژاد کی تقریر سے اسرائیلیوں کو اتنی ''تپ'' چڑھی کہ اگلے ہی دن اسرائیلی صدر' ایریل شیرون نے مطالبہ کیا کہ ایران کو اقوام متحدہ سے نکال

دیا جائے۔ اسرائیلی وزیر خزانہ' سلوان شالم نے سلامتی کونسل کی ہنگامی میٹنگ طلب کر لی۔ اس میٹنگ میں کونسل کے تمام پندرہ ارکان نے صدر نژاد کی تقریر کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اقوام متحدہ کے سربراہ' کوفی عنان نے کہا کہ انہیں اس تقریر سے بڑا صدمہ پہنچا اور یہ کہ اسرائیل کو یو این او میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ یورپی یونین اور امریکہ نے بھی صدر نژاد پر مخالفانہ الفاظ کے تیر برسائے۔

8 دسمبر 2005ء کو مکہ میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے دوران صدر نژاد نے عربی چینل' العالم کو ایک اور دلچسپ انٹرویو دیا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ چند یورپی ممالک اصرار کرتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران نظر بندی کیمپوں میں لاکھوں یہودی مارے گئے تھے۔ جو کوئی دانش وریا محقق اس نظریے سے اختلاف کرے' اُسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

''ہمارے خیال میں ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا' اگر ہوا بھی تو یہودیوں کے حامی یورپی ممالک کو چاہیے کہ وہ یورپ میں یہودی ریاست تشکیل دیں' مثلاً جرمنی یا آسٹریا اس غرض سے اپنی زمین دے سکتے ہیں۔ یہودی اور صیہونی وہاں اپنی مملکت قائم کریں۔ یورپی ممالک زمین کا ٹکڑا دیں' ہم یہودیوں کو وہاں بسانے کے سلسلے میں ہر ممکن مدد کریں گے۔''

حسب روایت اسرائیل' امریکہ' یورپی یونین اور ان کے حواریوں نے صدر نژاد کو آڑے ہاتھوں لیا۔ امریکہ نے کہا کہ موصوف کے بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ایرانی ایٹمی منصوبہ کیوں ختم کروانا چاہتا ہے۔

ایران میں مجموعی طور پر صدر نژاد کے حالیہ بیانات کا خیر مقدم کیا گیا۔ ایرانیوں کا کہنا ہے کہ مغربی ممالک ایرانی صدر کے بیانوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے ہیں اور انہوں نے رائی کا پہاڑ بنا لیا ہے..... صرف اس لئے کہ صیہونیوں کے ان جرائم کی پردہ پوشی کی جا سکے جو وہ عرصہ دراز سے معصوم فلسطینیوں کے خلاف کر رہے ہیں۔ تاہم صدر نژاد پر مقامی سطح پر تنقید بھی ہوئی۔ مثلاً سابق صدر محمد خاتمی نے کہا:

''(صدر نژاد) کے الفاظ نے دنیا میں ہمارے لیے کئی سیاسی اور معاشی مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔''

مغربی ممالک میں سے صرف روس وہ ملک ہے جس کے ساتھ احمدی نژاد تعلقات بہتر بنا رہے ہیں۔ اکتوبر 2005ء میں انہوں نے ایک خصوصی ادارہ صرف اسی مقصد کے لیے قائم کیا۔ صدر نژاد روسی صدر کے ساتھ مل کر ایرانی ایٹمی مسئلہ اور بحیرہ کیسپین میں تیل کے کنوؤں کا مسئلہ دوستانہ انداز میں حل کرنا چاہتے ہیں۔

امام خمینیؒ اور محمود احمدی نژاد میں.....قدر مشترک

انقلاب اسلامی ایران کے چند برس بعد رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ اس وقت کی سپر طاقت روس کے صدر میخائل گورباچوف کو ایک خط کی شکل میں تاریخی دعوت فکر دی تھی۔ امام خمینیؒ کا مذکورہ خط تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکا ہے کیونکہ اس کے مندرجات میں شامل اکثر پیشین گوئیاں' تجزیات اور کہی گئی باتیں وقت گزرنے کے ساتھ سچ ثابت ہو چکی ہیں اس خط کی سب سے معروف اور مصدقہ بات کمیونزم کے حوالے سے امام خمینیؒ کی پیش گوئی تھی جو تھوڑے ہی عرصے بعد پوری ہوگئی اور روس اس طرح ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا کہ آج دنیا میں کمیونزم دیکھنے کو نہیں ملتا۔

امام خمینیؒ کی ذات کا تجزیہ کرتے وقت اکثر اوقات ان کی شخصیت کے مذہبی پہلوؤں پر زیادہ بحث کی جاتی ہے اور ان کی سربراہی میں برپا ہونے والے انقلاب کو خالصتاً مذہبی اور بعض اوقات مسلکی انقلاب کی حیثیت دینے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ امام خمینیؒ کو اسلام' انسانیت' سیاست یا وحدت کی علامت قرار دینے کے بجائے ''تھیوکریسی'' کے سرخیل کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے تاکہ ان کی خدمات' ان کی کامیابیوں اور ان کے اہداف کو ادنیٰ حیثیت دے کر انقلاب کی وسعت کو محدود اور امام خمینیؒ کی شخصیت کو عمومی قرار دیا جاسکے۔ لیکن گورباچوف کو لکھے گئے خط سے لے کر امریکہ و اسرائیل کے مستقبل کی نشاندہی تک اور ایرانی عوام کی وحدت سے لے کر عالم اسلام کے اتحاد کی فکر تک ہر مرحلے پر ثابت ہو چکا ہے کہ امام خمینیؒ کے نظریات اور اہداف آفاقی' الٰہی اور انسانیت سے مماثل تھے۔ یہ امام خمینیؒ کی ہی شخصیت کا اثر اور ان کی فکر کی پختگی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ان کا برپا کیا ہوا انقلاب اتنے زور اور طاقت کے ساتھ قائم و دائم ہے جیسے اپنے اوائل میں تھا بلکہ امام خمینیؒ کے وفادار ساتھیوں کی شبانہ روز کاوشوں سے نہ صرف انقلاب اسلامی مستحکم و مضبوط ہے بلکہ فکر خمینیؒ بھی عالم اسلام سے بڑھ کر عالم انسانیت میں اپنی صداقت منوا رہی ہے۔

روسی صدر کو لکھے گئے خط کے متن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام خمینیؒ کی ذات دنیا بھر کے مسلمانوں اور انسانوں کے مسائل سے کس گہرائی کے ساتھ آگاہ تھی اور اس کی نظر فقط خطہ ایران یا اس کے قرب و جوار پر نہیں تھی بلکہ پورے کرہ ارض کے انسانوں کو وہ ایک ہی نظر سے دیکھ رہے تھے' مذکورہ تاریخی خط میں اگرچہ آپ کا براہ راست مخاطب گورباچوف تھا لیکن دراصل وہ دنیا بھر کے استعماری اور استکباری سربراہوں سے مخاطب تھے۔ دنیا پر قبضے اور تسلط کا خواب دیکھنے والے جارح سربراہان آپ کا ہدف تھے اور سپر طاقت کے نشے میں بدمست حکمران آپ کا نشانہ

تھے۔امام خمینیؒ نے واضح کیا تھا کہ وقت کے استعمار کس طرح ظلم کے ذریعے انسانوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں؟ کس طرح تجاوز کر کے چھوٹے ممالک اور غریب ومحروم خطوں اور اقوام میں اپنے پنجے گاڑ رہے ہیں؟

اس تجزیے کے ساتھ امام خمینیؒ نے استعماری طاقتوں کو خبردار کیا تھا کہ ان کے دن گنے جا چکے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ جب ظلم کا حساب لیا جائے گا اور ان کی نام نہاد عارضی طاقت ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور ان کے قائم کیے ہوئے ظالمانہ نظام پاش پاش ہو جائیں گے۔ مظلوم اور محروم طبقات کو ان کے حقوق ملیں گے اور سپر طاقتوں کا گھمنڈ خاک میں مل جائے گا جبکہ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی نظام کے طور پر متعارف وممتاز ہوگا اور بالآخر دنیا کو اسلام کی سچائی اور حقیقت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ آج بھی جب کبھی کسی استعماری طاقت یا سپر پاور کو للکارنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ہر شخص امام خمینی: کے اس تاریخی خط سے استفادہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ایران کے موجودہ صدر محمود احمدی نژاد نے گزشتہ دنوں امام خمینیؒ کی پیروی کرتے ہوئے وقت کی سپر پاور امریکہ کے طاقتور صدر جارج بش کو ایک تاریخی خط لکھا ہے جس کے متن کے مطالعے سے متعدد مواقع پر امام خمینیؒ کے انداز تخاطب کی جھلک نظر آتی ہے۔ احمدی نژاد نے بھی انہی حالات میں امریکی صدر بش کو مخاطب کیا ہے جن حالات میں امام خمینیؒ نے روسی صدر گورباچوف کو خط لکھا تھا اسی طرح حالات کا تجزیہ کر کے امریکی صدر کو ان کے کارناموں سے آگاہ کیا ہے اور لوگوں کی تشویش اور سوالات سے آگاہ کرتے ہوئے مستقبل کا نقشہ واضح کیا ہے تاکہ مستقبل کی تاریخ بش کے کردار اور احمدی نژاد کے افکار کی تصدیق کر دے۔ احمدی نژاد نے جہاں صدر بش کے ذاتی کردار اور افکار کو ہدف گفتگو بنایا ہے وہاں امریکہ کی اجتماعی پالیسیوں اور انسانیت سوز اقدامات پر بھی مدلل انداز میں بات کی ہے۔ صدر بش کو اس کے اپنے مذہبی یعنی عیسائیت کی تعلیمات اور حضرت عیسیٰؑ کی سیرت وکردار کی طرف متوجہ کیا ہے اور متعدد بار عیسائیت کے دینی وانسانی پہلوؤں کا حوالہ دیتے ہوئے صدر بش اور امریکہ کے لادینی اور غیر انسانی سلوک کا ذکر کیا ہے۔

احمدی نژاد کا خط بلاشبہ دنیا بھر میں نمودار ہونے والے حالات اور تبدیلیوں کا کامل آئینہ دار ہے۔ ایرانی صدر نے بھی امام خمینیؒ کی طرح فقط ایران کی بات نہیں کی بلکہ عالم اسلام اور عالم انسانیت کے حقوق کی ترجمانی کی ہے جہاں انہوں نے فلسطین اور عراق پر اسرائیلی اور امریکی جارحیت کا ذکر کیا ہے وہاں افغانستان اور گوانتاناموبے کی صورت حال پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ جہاں انہوں نے اسرائیل کی تاریخی حیثیت غلط پیدائش اور جارحیت کا موضوع شامل تحریر کیا ہے وہاں ہولوکاسٹ کے نتیجے میں لاکھوں یہودیوں کے قتل عام کی بات کا بھی ذکر ہے۔ احمدی نژاد نے انصاف کے ضامن عالمی اداروں کے جانبدارانہ کردار اور ان اداروں میں امریکی تسلط اور نام نہاد ویٹو پاور کے استعمال پر بھی واضح انداز میں بات کی ہے۔ ایرانی صدر کی وسعت فکری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے ہٹ کر دنیا کے مختلف خطوں مثلاً لاطینی امریکہ' کیوبا اور وینزویلا کے محروموں اور مظلوموں کے حق میں آواز احتجاج بلند کی ہے اس کے علاوہ افریقی اقوام کے وسائل پر امریکی قبضے کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ اعلیٰ اخلاقی نمونہ قائم کرتے ہوئے ایرانی صدر نے سب سے آخر میں اپنے ملک ایران کی بات کی ہے اس سے ان کی عالم اسلام اور بلاتفریق رنگ ونسل اور مذہب ودین دنیا کے تمام محروموں اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی واضح اور عیاں ہو جاتی ہے اور یہ ہی امام خمینیؒ کی

تعلیمات اور انداز ہے۔ دلچسپ اور باعث تقلید بات یہ ہے کہ احمدی نژاد نے ہر مرحلے پر انجیل مقدس اور قرآن کریم کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اور مثال بنا کر صدر بش کو باور کرانے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کی تحریر کو کسی مسلم حکمران یا جانبدار شخص کی تحریر سمجھ کر یکطرفہ طور پر نہ لیا جائے۔ امام خمینیؒ کا انداز مخاطب اور انداز تحریر بھی یہی ہوتا تھا کہ وہ جب عالمی اور انسانی مسائل پر بات کرتے تھے تو ایک مذہب یا مخصوص فکر سے استفادہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی بات کا وزن دنیا کے ادیان' نظریات اور نظاموں پر مشتمل مواد اور دلائل کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ جاتا تھا اور پڑھنے اور سننے والا واضح طور پر محسوس کرتا تھا کہ یہ کسی عالمی رہبری کے حامل شخص کا کلام ہے۔

صدر احمدی نژاد نے امریکی صدر کو جارحیت سے باز رہنے' مظلوموں اور محروموں پر چڑھ دوڑنے کے خلاف' دنیا پر اپنا تسلط جمانے' مختلف ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنے اور ظلم کے ذریعے حکومت کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی ہے اور مشورہ دیا ہے کہ وہ دنیا میں انسانی اقدار کے فروغ کے لیے کام کریں' دنیا سے فقر' غربت' افلاس' محرومیت دور کرنے کے لیے خدمات انجام دیں' اپنی توانائیاں دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے خرچ کریں' اپنا ہر اقدام عقل' منطق اور شعور کی بنیاد پر اٹھائیں' غاصبوں اور ستمگروں کی بجائے مظلوموں کی حمایت کریں' انجیل اور قرآن کی تعلیمات پر حقیقی معنوں میں عمل کریں' اپنی پالیسیاں انسانیت کے حق میں تشکیل دیں نہ کہ انسانیت کو کچلنے کے لیے بنائیں' اپنے وسائل عوام کی صحت' تعلیم' غذا اور دیگر بنیادی انسانی مسائل پر خرچ کریں' اپنی رقوم جنگوں' اسلحے' بارود' ہتھیاروں' افواج اور ظلم پر صرف کرنے کے بجائے زلزلوں' سیلابوں' بیماریوں اور دوسری مصیبتوں پر خرچ کریں۔

صدر احمدی نژاد نے خط کے آخر میں قرآن کریم اور انجیل مقدس کی تعلیمات کی روشنی میں توحید کے تصور کو اجاگر کیا ہے اور ایک خدا کی اطاعت کرنے' ایک خدا کی حاکمیت تسلیم کرنے اور قیامت کے لیے تیار رہنے کی طرف صدر بش کی توجہ مبذول کرائی ہے اور کہا ہے کہ اگر ہم سب مل کر انبیاء کی تعلیمات یعنی توحید و اطاعت و رسالت و قیامت پر عمل کریں تو یہی دنیا ہمارے لیے جنت بن جائے گی کیونکہ بشریت کی مشکلات کا حل اسی میں ہے۔ خط کے آخر میں جس طرح امام خمینیؒ نے کیمونزم کے مستقبل کے بارے میں رائے دی تھی اسی طرح احمدی نژاد نے لبرل ازم اور مغربی ڈیموکریسی کے عنقریب خاتمے کی پیش گوئی کی ہے اور بالآخر اسلام کو غلبہ عطا ہونے کی نوید سنائی ہے۔

اگرچہ امام خمینیؒ کی آفاقی شخصیت' عالمی حیثیت اور مذہبی و سیاسی صلاحیت کا مقابلہ احمدی نژاد سے نہیں کیا جا سکتا لیکن احمدی نژاد کی حالیہ تحریر سے ہم اس رائے کا واضح اور برملا اظہار کر سکتے ہیں کہ احمدی نژاد کا عزم وہی ہے جو امام خمینیؒ کا تھا' احمدی نژاد کے افکار بھی افکار خمینیؒ سے ہم آہنگ ہیں احمدی نژاد کا جرات مندانہ لہجہ اور تجزیہ و تحلیل کا بے باکانہ انداز بھی امام خمینیؒ سے مشابہ ہے اور وہ ہر لمحے' ہر مشکل میں' ہر پالیسی میں' ہر اقدام میں امام خمینیؒ کے افکار' نظریات' تعلیمات' سیرت اور کردار سے الہام لیتے اور استفادہ کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ امریکی صدر بش روسی صدر گوبا چوف کے انجام سے سبق لیتے ہوئے وہی طریقہ نہیں دہرائیں گے بلکہ احمدی نژاد کے خط کو اپنے لیے ہدایت نامہ قرار دیتے ہوئے استفادہ کریں گے اور اپنی' امریکی عوام اور دنیا بھر کے انسانوں کی بھلائی پر مبنی فیصلے کریں گے اور دنیا کو ظلم و جبر اور تشدد و تسلط کی آماجگاہ بنانے کے بجائے امن و آشتی اور صلح و اخوت کا مرکز بنائیں گے۔

ایرانی صدر کا امریکی صدر کے نام کھلا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

مسٹر جارج بش صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ ان دنوں کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کوئی شخص ان ناقابل تردید تضادات کو کس طرح انصاف پر مبنی قرار دے سکتا ہے۔ جو عالمی منظر نامہ پر موجود ہیں جن پر مسلسل اور متواتر بحث ہو رہی ہے اور بالخصوص جن تضادات پر سیاسی فورموں اور یونیورسٹیوں کے طلبا میں مباحثہ ہو رہا ہے۔ میرے سوالات ہمیشہ جوابات کے لیے تشنہ رہتے ہیں۔ انہی میں سے بعض تضادات اور سوالات نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا ہے کہ میں یہ امید لے کر انہیں زیر بحث لاؤں کہ شاید ان سوالات اور تضادات کے حل کا موقع میسر آئے۔ کیا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہو سکتا ہے اور کیا کوئی انسانی حقوق کے احترام کو اپنی ذمہ داری سمجھ سکتا ہے اور لبرل ازم کو تہذیب کے ماڈل کے طور پر پیش کر سکتا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی بنیاد پر کسی کی مخالفت کر سکتا ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنا نعرہ قرار دے سکتا ہے اور بالآخر بین الاقوامی برادری میں اتحاد قائم کر سکتا ہے اور اسے مسیح کی ملت قرار دے سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ ملکوں پر حملہ بھی کر سکتا ہے۔ وہ انسانوں کی زندگیوں کو ان کی عزت کو ان کی جائیداد اور مال و متاع کو تباہ کرتا ہے اور یہ سب کچھ ایک ایسے موہوم امکان کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ کسی گاؤں یا کسی شہر میں چند جرائم پیشہ لوگ موجود ہو سکتے ہیں اور وہ پورے گاؤں پورے شہر یا پورے کاروان کو شعلوں کی نذر کر دیتا ہے یا پھر محض اس امکان کی بنیاد پر ایک ملک پر قبضہ کر لیتا ہے کہ اس ملک میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہو سکتے ہیں اور اس مرہوم امکان پر ایک لاکھ لوگوں کو قتل کر دیتا ہے اس کے پانی کے وسائل اس کی زراعت اور صنعت کو تباہ کر دیتا ہے ایک لاکھ 80 ہزار غیر ملکی فوجیوں کو وہاں پر مسلط کر دیتا ہے۔ شہریوں کی چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال کرتا ہے اور اس ملک کو لگ بھگ 50 سال پیچھے دھکیل دیتا ہے اور اس عمل کی قیمت کیا ادا کی جاتی ہے کسی ایک ملک یا یقیناً دوسرے ملکوں کے خزانوں سے کھربوں ڈالر خرچ کر ڈالتا ہے۔ قابض دستوں کے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو کٹھن حالات کا شکار کرتا ہے انہیں اپنے خاندانوں اور اپنے پیاروں سے جدا کرتا ہے اور انہیں اپنے ہاتھ دوسروں کے خون سے رنگنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور ان عوامل سے جو نفسیاتی دباؤ پیدا ہوتا ہے اس کے نتیجے میں آئے روز کوئی نہ کوئی فوجی خودکشی کر رہا ہے۔ گھروں کو واپس آتا ہے تو ذہنی اذیت کا شکار ہوتا ہے مختلف نوعیت کی بیماریوں کا شکار ہو چکا ہے اور جو فوجی قتل ہو جاتے ہیں

ان کی لاشیں ان کے خاندانوں کے حوالے کردی جاتی ہیں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی کے حیلے فرضی بہانے اور عذر لنگ کی بنیاد پر قابض اور مقبوضہ ممالک کے عوام کے مابین عظیم المیہ کی خلیج حائل کردیتا ہے اور یہ بات تو بعد میں کھلتی ہے کہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار سرے سے موجود ہی نہیں تھے۔ بلاشبہ صدام ایک خونی اور قاتل آدمی تھا جنگ اس کا تختہ الٹنے کے لیے نہیں کی گئی جنگ کا اعلانیہ مقصد وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کو ختم کرنا تھا صدام کا تختہ تو ایک اور مقصد کے لیے الٹایا گیا۔ اس کے باوجود خطے کے لوگوں کو اس کا تختہ الٹے جانے سے خوشی ہوئی مگر میں اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہوں کہ جب صدام نے ایران پر جنگ مسلط کی تھی تو مغرب اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔

جناب صدر! ہوسکتا ہے کہ یہ آپ کے علم میں ہو کہ میں ایک استاد ہوں۔ میرے شاگرد مجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہ سارے اقدامات ان اقدار کے ساتھ کیسے مربوط ہوسکیں گے جن کا میں نے اس خط کے آغاز میں ذکر کیا اور جن اقدار کی روایات امن عفو و درگزر کی تعلیم دینے والے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنیادی فریضہ کے طور پر قائم کیں۔ گوانتاناموبے میں قیدی موجود ہیں جن پر مقدمہ نہیں چلایا گیا جن کو کوئی وکیل میسر نہیں جن کی کوئی قانونی نمائندگی کرنے والا نہیں ان کے خاندان یقیناً اس لئے ان سے نہیں مل سکتے کہ وہ ان کے ملک سے دور اجنبی سرزمین پر رکھے گئے ہیں۔ ان پر گزرنے والے حالات اور ان کے صدمات کی بین الاقوامی مانیٹرنگ کا کوئی ذریعہ موجود نہیں کوئی بھی شخص یہ نہیں جانتا کہ یہ لوگ محض قیدی ہی جنگی قیدی ہیں ملزم ہیں یا پھر جرائم پیشہ ہیں۔ یورپی تفتیش کاروں نے تصدیق کی ہے کہ یورپ میں بھی خفیہ جیلیں موجود رہی ہیں جن میں کسی بھی عدالتی نظام کی کسی بھی شق کے مطابق کسی مرد یا عورت کے اغوا اور اسے خفیہ جیلوں میں قید رکھنے کے عمل کو باہم مربوط نہیں کرسکتا اور اسی طرح میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان اقدامات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات انسانی حقوق اور لبرل اقدامات کے مطابق کس طرح منصفانہ قرار دیا جاسکے گا۔ نوجوانوں، یونیورسٹی کی سطح کے طلبا اور عام لوگوں کے ذہنوں میں اسرائیل کے فریب نظر کے بارے میں متعدد سوالات موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان میں سے بعض سوالات کے بارے میں آگاہ ہوں گے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد ممالک پر قبضے کیے گئے۔ میرے خیال میں نئے لوگوں کے ساتھ ایک نیا ملک بسانا تاریخ کا انوکھا فریب نظر ہے جسے خاص طور پر ہمارے عہد نے دیکھا ہے۔ طالب علم کہتے ہیں کہ 60 سال پہلے اس نام کا کوئی ملک موجود نہ تھا۔ وہ پرانی دستاویزات اور قدیم نقشے رکھ کر ہم سے کہتے ہیں کہ دیکھو تلاش کرو انہوں نے دیکھا اور کوشش بھی کی مگر انہیں کوئی ایسا ملک نظر نہ آیا جس کا نام اسرائیل ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ تم جنگ عظیم اول اور دوئم کا مطالعہ کرو میرے ایک شاگرد نے مجھ سے کہا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران کروڑوں لوگ قتل ہوئے۔ متحارب فریقوں نے جنگ کے بارے میں خبروں کو تیز رفتاری سے پھیلایا ہر ایک نے اپنی فتوحات اور محاذ جنگ سے مخالفین کی پسپائی کی خبریں جاری کیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس میں 60 لاکھ یہودی قتل ہوئے۔ 60 لاکھ افراد یقیناً 20 لاکھ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ہم یہ فرض کرلیتے ہیں کہ یہ واقعات سچے ہیں کیا عقل و دلیل اور منطق اس بات کا جواز فراہم کرتی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل نام کی ایک ریاست قائم کی جائے۔ اس فریب نظر کو کس طرح حقیقت پر مبنی قرار دیا جائے گا اور اس کی وضاحت کس طرح کی جائے گی۔

جناب صدر! مجھے یقین ہے کہ آپ جانتے ہوں گے کہ اسرائیل کیسے اور کس قیمت پر قائم ہوا۔ اس عمل کے دوران لاکھوں لوگ قتل ہوئے۔ لاکھوں مقامی اہل وطن لوگوں کو اپنے ہی وطن میں پناہ گزین بن کر رہنا پڑا۔ لاکھوں ایکڑ زرعی اراضی' باغات' درختوں' پودوں اور بستیوں کو تاخت وتاراج کیا گیا۔ یہ المیہ محض اس وقت پیش نہیں آیا جب اسرائیل کا وجود عمل میں لایا جارہا تھا بدقسمتی سے یہ عمل پچھلے 60 برسوں سے جاری ہے۔ اس دھرتی پر ایک ایسی حکومت قائم کی گئی جو بچوں پر بھی رحم نہیں کرتی' وہ گھروں کو اس وقت مسمار کرتی ہے جب گھروں کے مکین ان کے اندر ہوتے ہیں۔ وہ حکومت فہرست ہاتھوں میں لے کر فلسطینی شخصیات کے قتل کا اعلان کرتی ہے وہ ہزاروں فلسطینیوں کو زندانوں میں قید رکھتی ہے.....! یہ فریب نظر بہت انوکھا ہے اور موجودہ دور کی یادداشت میں یہ فریب نظر نایاب ہے۔ لوگ ایک اور بڑا سوال پوچھتے ہیں کہ اس حکومت کی حمایت کیوں کی جارہی ہے۔ کیا اس حکومت کی حمایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق ہے یا لبرل اقدار کی بنیاد پر اس حکومت کی حمایت جاری ہے۔ یا پھر ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ کیا اس دھرتی کے اصل باشندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عیسائی ہوں' مسلمان ہوں یا یہودی وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں اور جمہوری اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ انسانی حقوق حاصل کریں اور پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کریں اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہاں پر ریفرنڈم کی مخالفت کیونکر کی جارہی ہے۔ حال ہی میں فلسطین کی نومنتخب انتظامیہ نے ذمہ داریاں سنبھال لیں تمام آزاد مبصروں نے تصدیق کی ہے کہ یہ حکومت عوام کی نمائندہ حکومت ہے ناقابل یقین طور پر اس منتخب حکومت پر دباؤ ڈالا گیا اور اس سے یہ کہا گیا کہ وہ اسرائیل کی حکومت کو تسلیم کرے۔ اپنی جدوجہد ترک کردے اور سابقہ حکومت کے پروگراموں پر عمل کرے اگر موجودہ فلسطینی حکومت مذکورہ دباؤ کو قبول کرلیتی ہے اور سب کچھ مان جاتی ہے تو پھر فلسطینی حکومت پر ڈالا جانے والا دباؤ ان تعلیمات کے مطابق ہے جن کا میں پہلے ذکر کرچکا ہوں۔ عوام یہ بھی پوچھ رہے ہیں کہ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں اسرائیل کی مذمت کے لیے جو قراردادیں پیش کی گئیں انہیں ویٹو کیوں کیا گیا۔

جناب صدر! جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں عوام کے درمیان رہتا ہوں اور ان سے ہمیشہ رابطہ رکھتا ہوں مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں سے بھی لوگ مجھ سے رابطہ کرتے ہیں وہ ان دہری پالیسیوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس بات کی شہادت یہ ہے کہ ایسی پالیسیوں کے خلاف کے لوگوں میں غصہ اور ناراضگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ میری یہ نیت نہیں ہے کہ میں آپ سے بہت سے سوالات کرتا چلا جاؤں مگر میں دوسرا نقطہ بھی بیان کروں گا ایسا کیوں ہے کہ جب بھی مشرق وسطیٰ کے خطے میں سائنس اور ٹیکنالوجی تک کوئی رسائی ہوتی ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ کیوں لیا جاتا ہے کہ اس سے صہیونی ریاست کو خطرہ درپیش ہے۔ کیا سائنسی تحقیق اور ترقی قوموں کے بنیادی حق نہیں ہے۔ آپ تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔ کیا قرون وسطیٰ میں تاریخی نقطہ نظر سے سائنسی اور فنی ترقی کبھی جرم رہی ہے کیا یہ ممکن رہا ہے کہ سائنسی ترقی کی حاصلات کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے کے امکان کے پیش نظر سائنس اور ٹیکنالوجی کی بھی مخالفت کی جائے۔ اگر یہ مفروضات درست ہیں تو پھر تمام سائنسی ضابطے بشمول فزکس' کیمسٹری' ریاضی' طب اور انجینئرنگ وغیرہ سمیت سب کی مخالفت کی جانی چاہیے۔ عراق کے معاملے میں جھوٹ بول گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا مجھے اس پر کوئی شک نہیں کہ کسی بھی ثقافت میں جھوٹ بولنا اچھا نہیں سمجھا جاتا اور یقیناً آپ بھی نہیں چاہتے ہوں گے کہ آپ سے جھوٹ بولا جائے۔

جناب صدر! کیا لاطینی امریکہ کے لوگوں کو یہ پوچھنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ ان کے ہاں منتخب حکومتوں کی مخالفت اور ان کا تختہ الٹنے والوں کی

حمایت کیوں کی جاتی رہی اور انہیں مستقل دھمکیاں کیوں دی جاتی رہیں اور ان کی زندگیاں خوف کے حصار میں کیوں رہیں۔ افریقہ کے عوام بہت محنتی ہیں وہ تخلیق کار ہیں۔ بہت ذہین ہیں وہ انسانی ضروریات کی فراہمی اور عوام کی مادی اور روحانی ترقی کے لیے قابل قدر کردار ادا کر سکتے ہیں اور انہیں ایسا کرنے سے غربت' افلاس' تنگدستی روکے ہوئے ہے۔ کیا انہیں یہ پوچھنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ ان کی قیمتی دولت بشمول معدنی وسائل کو کیوں لوٹا جا رہا ہے اور اس حقیقت کے باوجود یہ لوٹ مار ہو رہی ہے کہ افریقی دوسروں سے زیادہ خود ان کے مستحق ہیں۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ اقدامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور انسانی حقوق کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ ایران کے عظیم عوام بھی بہت سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی بھی بہت سی شکائتیں ہیں وہ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ 1953ء میں ایران میں فوجی بغاوت کیوں ہوئی تھی اور اس وقت کی قانونی حکومت (ڈاکٹر مصدق کی حکومت) کا تختہ کیوں الٹا گیا تھا۔ اسلامی انقلاب کی مخالفت کیوں کی گئی۔ (امریکی) سفارت خانے کو اسلامی جمہوریہ کی مخالفت کا ہیڈ کوارٹر کیوں بنایا گیا (اس دعویٰ کی صداقت کے لیے ہزاروں صفحات کی شہادتیں موجود ہیں) ایران کے خلاف جنگ میں صدام کی حمایت کیوں کی گئی۔ ایرانی مسافر بردار طیارہ کیوں مار گرایا گیا۔ ایرانی قوم کے اثاثے کیوں منجمد کیے گئے۔ ایرانی قوم کی سائنسی و جوہری ترقی پر بڑھتی ہوئی دھمکیاں غصہ اور ناراضگی کس لیے ہے۔ (اور ایک ایسے عالم میں جب ایرانی عوام اپنی کامیابیوں کا جشن منا رہے ہیں) ان کے علاوہ بھی ہماری دوسری بہت سی شکایات ہیں مگر میں ان کا ذکر نہیں کروں گا۔

11 ستمبر کا واقعہ ایک ہولناک واقعہ تھا دنیا کے کسی بھی خطے میں معصوم عوام کا قتل بدترین اور قابل مذمت عمل ہوتا ہے۔ ہماری حکومت نے اس سانحہ کی فوری طور پر مذمت کی اور متاثرہ لوگوں سے اظہار تعزیت کیا اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ تمام حکومتوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی جان' مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کریں۔ مبینہ طور پر آپ کے سرکاری ملازمین سخت حفاظتی حصار میں رہتے ہیں۔ آپ کے پاس خفیہ ادارے ہیں۔ 11 ستمبر کا واقعہ ایک سیدھا سادا آپریشن نہیں تھا' کیا خفیہ اداروں اور سیکرٹ سروس کے رابطوں یا ان میں گھس کر اثرات پیدا کیے بغیر ایسا کوئی منصوبہ بنایا جا سکتا ہے یا اس پر عمل کیا جا سکتا ہے' یقیناً یہ ایک طالب علمانہ انداز ہے' ان حملوں کے بہت سے معاملات اور مختلف پہلوؤں کو خفیہ کیوں رکھا گیا۔ ان ذمہ دار لوگوں اور مجرم فریقین کی نشاندہی کیوں نہیں کی گئی اور ان پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا۔ تمام حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو تحفظ اور ذہنی سکون مہیا کریں۔ گزشتہ کئی برسوں سے آپ کے ملک کے لوگ اور پڑوسی نفسیاتی الجھاؤ میں مبتلا ہیں اور ذہنی سکون سے محروم ہیں۔ 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد جذباتی گھاؤ مندمل کرنے کی بجائے انہیں اور گہرا کیا گیا اور یہ لوگ ان حملوں سے ناقابل بیان صدمات کا شکار ہوئے تھے۔ بعض مغربی ذرائع ابلاغ نے خوف اور عدم تحفظ کا ماحول پیدا کرنے کے لیے پروپیگنڈا کیا۔ بعض ذرائع ابلاغ مسلسل نئے حملوں کے امکانات ظاہر کرتے رہے اور لوگوں کو دہشت زدہ کیے رکھا' کیا یہ امریکی عوام کی خدمت ہے' کیا اس خوف و دہشت اور ذہنی صدمات سے ہونے والی نفسیاتی تباہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے.....؟

امریکی عوام تازہ حملوں کے خوف دہشت کا شکار ہیں جو کسی بھی مقام سے کسی بھی لمحے ان پر کیے جا سکتے ہیں۔ وہ گلیوں میں' اپنے کام کرنے کے مقامات پر اور گھروں میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں' اس صورتحال سے کون خوش ہوگا۔ میڈیا نے احساس تحفظ اور ذہنی سکون اجاگر کرنے کی

بجائے عدم تحفظ کا احساس کیوں پھیلا رکھا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میڈیا نے اس مبالغہ آرائی سے افغانستان پر حملے کو منصفانہ قرار دینے کی بنیاد فراہم کی۔ ذرائع ابلاغ کے چارٹرز میں اطلاعات تک درست رسائی اور واقعات کی ایماندارانہ رپورٹنگ طے شدہ امور ہیں' مجھے شدید افسوس ہے کہ بعض ذرائع ابلاغ نے ان اصولوں کی یکسر پاسداری نہیں کی۔ عراق پر حملے کی بنیادی وجہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی بتائی گئی اور اس دعوے پر لوگوں کا یقین مستحکم کرنے کے لیے اسے بار بار دہرایا گیا اور اس طرح عراق پر حملے کی بنیاد فراہم کی گئی' کیا اس طرح کے ماحول میں سچ کھو نہیں جائے گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر سچائی کو گم ہو جانے دیا جائے تو ان اقدار کا احیا اور تحفظ کیسے ہو سکے گا جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں' تو کیا اس طرح وہ سچائی جس سے خود اللہ تعالیٰ آگاہ ہے وہ بھی لاپتہ ہو جاتی ہے۔

جناب صدر صاحب! دنیا بھر کے ممالک میں لوگ اپنی اپنی حکومتوں کو اس امر کے لیے ادائیگیاں کرتے ہیں کہ اس کے بدلے حکومتیں اس قابل ہو سکیں کہ وہ عوام کی خدمت کریں۔ سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ ان کھربوں ڈالر کے مصرف سے شہریوں کو کیا فائدہ پہنچا جو عراقی مہم کے دوران خرچ کیے گئے۔ جیسا کہ جناب والا باخبر ہوں گے کہ آپ کے ملک امریکہ کی بعض ریاستیں (صوبے) ایسے ہیں جہاں ہزاروں لوگ بے گھر ہیں۔ جہاں بے روزگاری ہے اور جہاں بڑے بڑے مسائل موجود ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ مسائل کہیں بڑے پیمانے پر اور کہیں چھوٹے پیمانے پر دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہیں' ان ذہنی حالات کی موجودگی میں سرکاری خزانے سے عراقی مہم پر بھاری بھرکم اخراجات کی کوئی توجیہہ پیش کی جا سکتی ہے.....؟ اور انہیں ان اصولوں کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے' جن کا میں ذکر کر چکا ہوں اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا اس میں بعض شکایات ہمارے خطے میں' آپ کے ملک میں اور دنیا میں لوگوں کو درپیش ہیں۔ مگر میرا بنیادی مدعا (جس کے بارے میں مجھے اُمید ہے کہ آپ بعض خبروں پر اتفاق کریں گے) یہ ہے کہ جو لوگ آج اقتدار میں ہیں ان کے پاس محدود وقت ہے اور انہوں نے لامحدود مدت کے لیے برسر اقتدار نہیں رہنا ہے' مگر ان کے نام تاریخ کے صفحات میں رقم ہیں اور مستقبل بعید میں ان کا تجزیہ کیا جاتا رہے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ جب ہماری صدارتوں اور ہمارے صدارتی ایوانوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی' کیا ہم نے امن' سلامتی اور لوگوں کی فلاح کے لیے کام کیا یا پھر انہیں عدم تحفظ اور بے روزگاری میں مبتلا کیا۔ کیا ہماری یہ نیت تھی کہ ہم انصاف قائم کریں یا مخصوص مفادات کے حامل گروپوں کی حمایت کریں اور بعض لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ غربت' افلاس اور تنگ دستی کا شکار رہیں' بعض لوگوں کو امیر و کبیر اور طاقتور بنا دیں۔ کیا ہم نے ان لوگوں کا دفاع کیا جنہیں کوئی مراعت حاصل نہیں اور انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ کیا ہم نے دنیا بھر کے تمام لوگوں کی حفاظت کی یا پھر ہم نے ان پر جنگ مسلط کی' غیر قانونی طور پر ان کے معاملات میں مداخلت کی' خوفزدہ کر دینے والی جیلیں بنائیں اور ان میں لوگوں کو ڈال دیا۔ کیا ہم نے دنیا کو امن دیا یا پھر اسے خطرات سے دوچار کر دیا' کیا ہم نے اپنی قوم سے اور دوسری قوموں سے سچ بولا یا پھر ان کے سامنے سچ توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ کیا ہم نے لوگوں کا ساتھ دیا' عوام کے ساتھ کھڑے رہے یا پھر ظالموں یا قبضہ گروپوں کا ساتھ دیا' کیا ہماری حکومتوں نے قابل قبول منصفانہ منطق' اقدار امن' ذمہ داریوں کے احساس' انصاف' عوامی خدمت' تحفظ' سلامتی' خوشحالی اور انسانی وقار کے احترام کو فروغ دیا یا پھر ہم نے بندوق کی حکمرانی رائج کی۔ کیا ہم نے عدم تحفظ' عوام کی توہین' ترقی میں تاخیر' دوسری قوموں کی بے عزتی اور انسانی حقوق کی پامالی کی راہ اختیار کی اور آخر کار تاریخ دان اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم نے اپنے عہدوں کا جو

حلف اٹھایا تھا کہ عوام کی خدمت کریں گے' جو ہمارا بنیادی مقصد اور انبیائے کرام کی روایت ہے' اس پر قائم رہے یا نہیں رہے۔

جناب صدر! دنیا کب تک اس صورتحال سے صرف نظر کرتی رہے گی اور یہ رویہ دنیا کو کس مقام پر لے جائے گا۔ دنیا بھر کے چند حکمرانوں کے غلط فیصلوں کی قیمت کب تک ادا کرتے رہیں گے۔ کب تک عدم تحفظ مسلط رہے گا جو تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے پروپیگنڈے سے پیدا ہوا اور اس کی بنیاد پر دنیا بھر کے عوام کو کب تک شکار کیا جاتا رہے گا۔ معصوم مردوں' عورتوں' بچوں کا خون کب تک گلیوں میں بہتا رہے گا۔ لوگوں کے گھر کب تک منہدم کیے جاتے رہیں گے۔ ان کے سروں سے چھت کب تک چھینی جاتی رہے گی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ پالیسیاں جاری رہ سکیں گی۔ سکیورٹی' فوجی مہمات اور فوجوں کی نقل و حرکت پر خرچ ہونے والے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری' غریب ملکوں کی امداد' صحت' بیماریوں کے انسداد' تعلیم' روزگار اور پیداوار کے مواقع پیدا کرنے' پروجیکٹس کی تعمیر' غربت کے خاتمے' امن کے قیام' متنازع ممالک کے مابین ثالثی اور نسل پرستی اور فرقہ واریت کے شعلوں کو سرد کرنے پر خرچ کیے جاتے تو آج دنیا کی کیا حالت ہوتی۔ کیا اس طرح آپ کی حکومت اور عوام جائز طور پر اپنے آپ فخر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ کیا اس طرح آپ کی انتظامیہ سیاسی اور معاشی طور پر مستحکم نہ ہوتی اور وہ نفرت موجود ہوتی جو آج امریکی حکومت کے خلاف موجود ہے۔

جناب صدر! میری یہ نیت نہیں کہ میں کسی کو بے توقیر کروں۔ اگر آج حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے درمیان موجود ہوتے تو وہ ان رویوں کو کس نظر سے دیکھتے' انہوں نے جس دنیا کا وعدہ کیا تھا کیا اس دنیا میں ہمیں ادا کرنے کو کوئی کردار دیا جاتا۔ جہاں انصاف ایک عالمگیر صداقت ہوتی' جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود ہوتے کیا وہاں پر ہمیں محض قبول بھی کر لیا جاتا۔ میرا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا باقی دنیا سے رابطہ رکھنے کا کوئی بہتر راستہ موجود نہیں ہے۔ دنیا میں آج کروڑوں عیسائی' کروڑوں مسلمان اور لاکھوں وہ لوگ موجود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں' تمام آفاقی مذاہب ایک دنیا کے شراکت دار ہیں اور وہ اس میں رہتے ہیں اور ان سب کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور اس کا ہمسر کوئی دوسرا نہیں۔ قرآن مجید اس مشترکہ لفظ پر زور دیتا ہے اور تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔

''اے وہ لوگو جو کتاب کو مانتے ہو' اپنے ہمارے درمیان ایک منصفانہ چیز موجود ہے۔ وہ یہ کہ ہم کسی اور کی بندگی نہیں کریں گے مگر صرف اللہ تعالیٰ کی اور یہ ہے کہ ہم کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ مانے لیکن اگر انہوں نے انحراف کیا تو پھر تم کہو کہ گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں''۔ (سورہ عمران)

جناب صدر! ان آیات مقدسہ کے مطابق ہم سب وحدہ لاشریک رب کی عبادت اور خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تعلیمات کی پیروی کے لیے بلائے گئے ہیں۔ اس خدا کی عبادت کرو جو تمام اختیار و اقتدار سے بالاتر ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے' خدا ظاہر و باطن اور ماضی اور مستقبل کا جاننے والا ہے اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو اس کے بندوں کے دلوں میں ہیں اور وہ ان کے اعمال کا حساب و کتاب رکھتا ہے۔ ''وہ معبود جس نے جنت کو اور زمین اور تمام جہانوں کو اپنی قدرت سے قائم کیا'' کائنات کی منصوبہ بندی اس کے ہاتھوں سے ہوئی اور جو اس نے اپنے بندوں کو عطا

کی' وہ رحیم و کریم ہے' وہ گناہوں کو معاف کرتا ہے'' ''وہ مظلوموں کا مددگار ہے''۔ ''وہ رحمٰن اور رحیم ہے' وہ تاریکی سے روشنی کی طرف رہنمائی کرتا ہے''۔ ''وہ اپنے بندوں کے اعمال کا خوب جاننے والا ہے''۔ ''وہ اپنے بندوں پر زور دیتا ہے کہ وہ تذبذب اور غیر مستقل مزاجی کا شکار نہ ہوں'' وہ اپنے بندوں کو اپنے انبیاء کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے وہ ان لوگوں کو برے انجام کی خبر دیتا ہے جنہوں نے اس دنیا کو اختیار کیا اور اس کی حکم عدولی کی اور اس کے بندوں پر ظلم کیا اور وہ لوگ جو ایمان لائے' اس کی بندگی کی' اس سے ڈرتے رہے اور اپنی خواہشوں کے غلام نہیں بنے' انہیں جنت کی بشارت دیتا ہے۔ ہم اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ انبیاء کرام کی تعلیمات کی طرف مراجعت واحد راستہ ہے' جو ہمیں خدا کے قریب لے جاتا ہے' مجھے یہ بتایا گیا ہے جناب والا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور زمین پر خدائے بزرگ کی حکمرانی کے آفاقی حکم پر یقین رکھتے ہیں ہم اس امر پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ قرآن مجید ان کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا ہے اور قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی باتیں بھی موجود ہیں۔ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے' چنانچہ اس کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے' حضرت مریم علیہ السلام نے بھی معبود کی عبادت کی اور تمام انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی''۔ یورپ' ایشیا' افریقہ' امریکہ' بحرالکاہل اور پوری دنیا کا خدا ایک ہے' وہی اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا درجہ دیا۔ ہم پھر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو معجزات سے مبعوث فرمایا اور انہیں صاف صاف نشانیاں عطا کیں تاکہ وہ لوگوں کی رہنمائی کریں اور انہیں سیدھا راستہ دکھائیں اور انہیں گناہوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھیں اور اس نے کتاب نازل کی اور آخرت کے بارے میں بتایا تاکہ لوگ انصاف قائم کریں اور تفرقہ میں مبتلا نہ ہوں''۔

ان تمام آیات کو ایک یا دوسرے انداز میں بائبل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تمام انبیاء کرام نے وعدہ کیا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب ہم سب انسان اپنے پروردگار کی عدالت میں پیش ہوں گے جہاں ہمیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اچھے اعمال والے جنت میں بھیجے جائیں گے جبکہ برے اعمال کرنے والوں کو مکافات عمل سے گزرنا ہوگا' مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں اس ''روز'' پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن حکمرانوں کے اعمال کا حساب رکھنا آسان نہیں' ہمیں نہ صرف اپنی پوری قوم کو جواب دینا ہوتا ہے بلکہ ان تمام افراد کو بھی جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے احکامات سے متاثر ہوتے ہیں' تمام انبیاء کرام نے امن اور سلامتی کا درس دیا جس کی بنیاد توحید' انصاف اور احترام آدمیت پر مبنی ہے کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ہم توحید' خدا کی عبادت' انصاف' احترام آدمیت اور روز آخرت پر یقین جیسی اعلیٰ انسانی اقدار کو اپنا کر دنیا کے موجودہ مسائل کو حل کر سکتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی نافرمانی کے باعث آج ہمیں سامنا ہے' کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ہمیں اپنی پرفارمنس کو بہتر بنانا چاہیے۔ کیا آپ امن' دوستی اور انصاف پر مبنی اعلیٰ اقدار پر یقین نہیں رکھتے' کیا آپ نہیں سمجھتے کہ عالمی امن کے لیے یہ تحریری اور غیر تحریری اصول کس قدر ضروری ہیں.....؟ کیا آپ اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے جو انبیاء کی تعلیمات' توحید' انصاف' انسانی بھلائی اور خدائے بزرگ و برتر کی فرمانبرداری کے سب سے بہترین راستے پر مبنی ہے.....؟

جناب صدر! تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ظالم اور جابر حکومتیں ختم ہوگئیں' خدا نے سب کی تقدیریں ایک دوسرے سے وابستہ کی ہیں' خدا نے

کائنات اور انسانیت کو بے سہارا نہیں چھوڑا' حکومت میں بہت سے چیزوں' خواہشات اور منصوبوں پر اختلافات ہوتے ہیں' یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ان چیزوں کے لیے سب سے اعلیٰ ترین طاقت سے رجوع کیا جائے' کیا کوئی انکار کرسکتا ہے کہ آج دنیا تبدیل ہورہی ہے.....؟ کیا آج کی دنیا کا دس سال قبل کی دنیا سے موازنہ ہوسکتا ہے.....؟ بعض واقعات امن کو بگاڑنے کے لیے تیزی سے رونما ہورہے ہیں' دنیا کے بہت سارے لوگ ان حالات سے خوش نہیں ہیں' انہیں دنیا کے حکمرانوں' ان کے دعوؤں اور وعدوں کے حوالے سے گلے شکوے ہیں اکثر لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہے ہیں' وہ جنگ اور امن وامان کو متاثر کرنے والی پالیسیوں کی مخالفت کررہے ہیں۔ لوگ غریب اور امیر ملکوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج کے خلاف احتجاج کررہے ہیں' لوگ بڑھتی ہوئی کرپشن کے خلاف آواز اٹھارہے ہیں' بہت سے ممالک اپنی روایات واقدار کو متاثر کرنے والی غیر ملکی ثقافتی یلغار پر ناراض ہیں' لوگوں کو بین الاقوامی اداروں پر بھروسا نہیں رہا ہے کیونکہ وہ ان کے حقوق کا خیال نہیں رکھ سکے' لبرل ازم اور مغربی طرز جمہوریت انسانیت کو آئیڈیل صورتحال مہیا نہیں کرسکے' یہ دونوں طریقے ناکام ہوگئے ہیں' ان پر یقین رکھنے والے ساری دنیا میں لبرل ڈیموکریسی کے نظام کے خلاف احتجاج یقیناً نوٹ کررہے ہوں گے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بالآخر دنیا کے لوگ ایک مرکز پر جمع ہورہے ہیں۔ وہی خدا کا راستہ ہے' خدا پر غیر متزلزل ایمان اور انبیاء کرام کی تعلیمات کا راستہ اپنا کر ہی لوگ اپنے مسائل حل کرپائیں گے' میرا آپ سے سوال ہے کہ کیا آپ ساری دنیا کے لوگوں کو ملانا نہیں چاہتے.....؟ ہم بہرحال اسے مانیں یا نہ مانیں' دنیا خدائے بزرگ وبرتر کے دین اور انصاف کی طرف بڑھ رہی ہے اور بے شک خدا ہر چیز پر غالب رہے گا۔

(محمود احمدی نژاد) صدر اسلامی جمہوریہ ایران (8 مئی 2006ء)

ڈالر کے مقابلے میں ایران کا یورو پر اعتماد

ایک ریاست انتظامی امور چلانے کے لیے اپنے شہریوں سے ٹیکس وصول کرتی ہے جبکہ ایک سلطنت دوسری ریاستوں سے ٹیکس وصول کرتی ہے' تاریخ شاہد ہے کہ ہر سلطنت خواہ وہ یونانی تھی' رومن تھی' برطانوی یا کوئی اور ان کے معاشی نظام کی بنیاد دوسری قوموں سے ٹیکس وصولی پر تھی' دوسری ریاستوں سے ٹیکس وصول کرنے کی اہلیت کا سارا دارومدار بہتر اور مضبوط معیشت پر تو رہا ہی ہے لیکن اس بہتر اور مضبوط معیشت کے پیچھے بہتر اور مضبوط فوج کا ہاتھ رہا' دوسری ریاستوں اور رعایا سے وصول ہونے والے ٹیکس کا ایک حصہ تو سلطنت کے معیار زندگی کو بلند کرنے پر خرچ ہوتا جبکہ دوسرا حصہ ٹیکس وصولی کے لیے ضروری انتظامی فوج اور سپاہ کی مضبوطی پر خرچ کیا جاتا' محکوم ریاستوں اور ان کی عوام سے ٹیکس وصول کرنے کے مختلف ذرائع رہے ہیں عام طور پر یہ ٹیکس سونے اور چاندی کی شکل میں ہوتا کیونکہ یہ دونوں قیمتی دھاتیں ہمیشہ دولت کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہیں لیکن اس کے علاوہ اس ٹیکس کی مد میں بے گناہ اور محکوم عوام کو غلام بنالیا جاتا سپاہیوں کے تبادلہ ہوتے فصلوں مویشیوں زرعی زمینوں اور قدرتی وسائل پر قبضہ کرلیا جاتا' حتیٰ کہ ہر وہ چیز جو محکوم ریاست ادا کرسکتی یا ہر وہ چیز جس کی حاکم ریاست مطالبہ کرتی ٹیکس میں شمار ہوتی۔

تاریخی طور پر سلطنتیں ریاستوں سے براہ راست ٹیکس وصول کرتیں۔ اور محکوم ریاست ٹیکس کی رقم براہ راست سلطنت کو ادا کرتی' امریکہ دنیا کی واحد سلطنت ہے جس نے بیسویں صدی میں دنیا سے براہ راست ٹیکس وصول کرنے کی بجائے افراط زر کے ذریعے ٹیکس وصول کیا' امریکہ نے پرانی سلطنتوں کی طرح دوسری قوموں سے براہ راست ٹیکس کی رقم وصول نہیں کی' بلکہ دوسرے ممالک میں اپنی کرنسی یعنی ڈالر کو تقسیم کیا اور اس ڈالر کے بدلے میں ان سے اشیاء وصول کیں جن کی اسے ضرورت تھی' جبکہ اس کے بدلے میں جب دوسری قوموں نے امریکہ کے ہی ادا کردہ ڈالروں سے کوئی اور چیز خریدنا چاہی تو اس کی قیمت غیر محسوس انداز میں کم کردی گئی یہی قیمت کا فرق امریکہ کا سلطنتی ٹیکس کہلاتا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جب امریکہ نے عالمی سیاست پر اپنا قبضہ جمانا شروع کیا تو امریکی حکمرانوں نے ڈالر کو سونے کے ساتھ مشروط کردیا یعنی ڈالر کی قیمت سونے کی قیمت کے برابر قرار دے دی گئی جس کی قدر میں نہ تو اضافہ ہوتا اور نہ ہی کمی' 1921ء سے لے کر 1929ء تک معاشی بدحالی کا جو دور امریکہ میں دیکھنے کو ملا اس نے امریکی عوام میں پریشانی کی لہر تو دوڑا ہی دی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومتی خسارے میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا اور یوں امریکی حکومت کو مجبوراً زیر گردش نوٹوں کی تعداد بڑھانا پڑی اس افراطِ زر سے امریکہ کے لئے یہ ناممکن ہوگیا کہ وہ

امریکی ڈالروں کے بدلے دوسری قوموں کو سونے کی مقررہ مقدار ادا کر سکے 1932ء میں روز ویلٹ نے ایک دفعہ پھر ڈالر کو سونے کے ساتھ مشروط کر دیا اس وقت تک ہو سکتا ہے کہ امریکہ نے عالمی معیشت پر قبضہ جما لیا ہو لیکن معاشی نقطہ نگاہ سے امریکہ ایک سلطنت نہیں تھی' ڈالر کی مقررہ قدر سے امریکیوں کے ہاتھ بندھ جاتے اور وہ دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارتی لین دین میں سونے کی شرط کے ساتھ زائد منافع نہ کما سکتے لیکن معاشی طور پر امریکی سلطنت کا قیام 1945ء میں برٹین ووڈز کے ساتھ ہوا یہی وہ دور تھا جب ڈالر مکمل طور پر سونے کے ساتھ تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن دوسری حکومتیں ڈالر کے بدلے سونا ادا کرنے کی پابند تھیں' اس حکمت عملی نے ڈالر کو دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بنا دیا یہ اس وقت ممکن بھی تھا کیونکہ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے اپنے اتحادیوں کو اپنی خدمات کے بدلے میں سونے کو بطور رقم وصول کیا اور یوں دنیا کے سونے کے ذخائر امریکہ کی جھولی میں جا گرے' اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر برٹین ووڈز نہ ہوتے تو معنوی حوالوں سے امریکی سلطنت کا قیام ممکن نہ ہوتا' ڈالر کی سپلائی محدود کر دی گئی اور جتنا کسی کے پاس سونا ہوتا اسے اُتنے ہی ڈالر ادا کیے جاتے اور اسی طرح ڈالر کی برابر قدر میں سونا وصول کیا جا سکتا تھا' تاہم 1960ء بندوق اور مکھن والی امریکی پالیسی ایک طرح سے حاکمانہ سلطنت کا رویہ تھا ویت نام اور ایل بی جے کو معاشی حوالے سے مدد دینے کے لیے ڈالر کی سپلائی میں خطرناک حد تک اضافہ کر دیا گیا اس دور میں زیادہ تر ڈالر معاشی اشیاء کے بدلے ہی ادا کیے گئے لیکن اس معاملے میں یہ چالاکی کی گئی کہ ڈالر کی شرح فروخت میں تو اضافہ کر دیا جبکہ شرح خرید بتدریج کم ہوتی گئی اور یوں دوسرے ممالک امریکی خسارہ کم کرنے کے لیے ڈالر کو مہنگے داموں خریدتے رہے جبکہ امریکہ ہی ان سے یہی ڈالر سستے داموں واپس لیتا رہا درحقیقت یہ بھی دوسری ریاستوں سے ٹیکس وصول کرنے کا نیا اور جدید طریقہ تھا۔

1970-71ء میں جب دوسرے ممالک نے اپنے پاس موجود ڈالروں کے بدلے سونے کا تقاضا کیا تو 15 اگست 1971ء میں امریکی حکومت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا' یہ درحقیقت امریکی حکومت کا دیوالیہ ہونا تھا اور یوں اس میں تمام ممالک کو ٹکا سا جواب دے دیا اور غیر اعلانیہ طور پر اپنے آپ کو ایک سلطنت کے طور پر پیش کر دیا' امریکہ نے دنیا سے تمام قدرتی اور معدنی وسائل اکٹھے کیے لیکن انہیں واپس کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا یوں پوری دنیا امریکہ کے سامنے بے بس ہو گئی' امریکی سلطنت کو قائم رکھنے اور دوسری قوموں کے لیے ٹیکس کا کوڑا استعمال کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ دنیا امریکی بالادستی کو قبول کرے یا اسے مجبور کر دیا جائے وہ اپنی اشیاء کا لین دین صرف ڈالر میں ہی کرے' لیکن اس سلسلے میں امریکہ کی سب سے بڑی پیش رفت تیل کی تجارت کو ڈالر کے ساتھ مشروط کرنا تھا 1971ء میں جب یہ واضح ہو گیا کہ امریکی حکومت ڈالروں کے بدلے میں سونا ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو 73-1972ء میں سعودی حکومت کے ساتھ امریکہ نے یہ معاہدہ کیا کہ وہ اپنے تیل کی قیمت صرف ڈالر میں وصول کرے گا' جبکہ اوپیک کے دوسرے ارکان مجبور تھے کہ اس معاہدے کو تسلیم کیا جائے کیونکہ دوسرے ممالک عرب ممالک سے تیل خریدنے پر مجبور تھے' اس معاہدے کی اصل روح یہی تھی کہ ڈالر کو تیل کا سہارا مل گیا اور یوں دنیا کے پاس ڈالر کا ذخیرہ بڑھتا چلا گیا کیونکہ انہیں تیل خریدنے کے لیے ڈالر کی ضرورت تھی' جب تک تیل کی خریداری کے لئے ڈالر کی ہی کرنسی استعمال ہوتی ڈالر کی برتری پوری دنیا پر مسلط کر دی گئی اور یوں کبھی سونے کی شکل میں تو کبھی تیل کی شکل میں امریکہ نے دوسری ریاستوں سے ٹیکس وصولی جاری رکھی۔

معزول عراقی صدر صدام حسین وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے 2000ء میں عراقی تیل کے بدلے ڈالر کی بجائے یورو کا مطالبہ کیا' صدام حسین کے اس مطالبے کا پہلے مذاق اڑایا گیا بعد میں اسے نظر انداز کیا گیا لیکن پھر صدام حسین پر سیاسی دباؤ اور بعد میں عراق پر حملے اور گرفتاری کے ذریعے یہ آواز دبا دی گئی ایران تیل کے بدلے یورو یا جاپانی ین کا مطالبہ کر رہا ہے' اس بات نے بھی امریکی ڈالر کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے' امریکی صدر بش عراق میں جمہوریت کے قیام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں یا جوہری ہتھیاروں سے خوفزدہ نہیں تھے بلکہ صدام حسین کے اس مطالبے سے امریکی سلطنت کا رعب اور دبدبہ ڈالر کو بچانے کے لیے سزا کے طور پر عراق کو قبرستان بنا دیا گیا تا کہ پوری دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ جو بھی تیل کے بدلے ڈالر کی بجائے کسی اور کرنسی کا مطالبہ کرے گا اسے صدام حسین کی طرح سزا دی جائے گی' بہت سارے لوگ صدر بش پر تنقید کرتے ہیں کہ اس نے عراق پر حملہ کیوں کیا؟ اور عراقی تیل کے ذخائر کو منجمد کیوں کیا؟ لیکن یہ نقاد اس بات کی وضاحت کرنے سے قاصر ہیں کہ عراقی تیل کے ذخائر کو استعمال میں کیوں نہیں لایا جا سکتا اور انہیں کیوں بند کیا گیا' امریکی صدر صرف ڈالر چھاپ کر پوری دنیا کا تیل خرید سکتا ہے تو پھر اسے عراق پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

تاریخ بتاتی ہے کہ سلطنتیں ہمیشہ دوسرے ملکوں پر دو وجہ سے حملہ کرتی ہیں پہلی اپنی حفاظت اور دفاع کے لیے' دوسری جنگ سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے' عراق کے حوالے سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ امریکہ نے عراق پر حملہ صرف ڈالر کو بچانے کے لیے کیا ہے؟ کیونکہ عراق پر حملے کے صرف دو ماہ بعد امریکہ نے عراق کے لیے تیل برائے خوراک کا منصوبہ ختم کر دیا اور یوں عراق کے بیرون ملک اثاثہ جات یورو سے ایک دفعہ پھر ڈالر میں منتقل ہو گئے' عراقی تیل پھر امریکی ڈالر میں بیچا جانے لگا اور یوں بش نے امریکی سلطنت کو بچا لیا' اب امریکہ کو ایک اور چیلنج کا سامنا ہے ایرانی حکومت بالآخر ایٹمی ہتھیار بنا ہی چکی ہے اور یہ وہ ایٹمی ہتھیار ہے تیل کا' ایرانی حکومت نے 20 مارچ سے تیل کی تجارت ڈالر کی بجائے یورو میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا ہے' اور یوں فطرتی طور پر امریکی ڈالر اپنی موت خود ہی مر جائے گا۔

ایرانی حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ وہ عراق نہیں' ایران ایک مضبوط قوم کے طور پر سامنے آیا ہے دنیا کا خام تیل پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے' اس کی یومیہ پیداوار 2.5 بلین بیرل ہے' جبکہ باقی دنیا کی ٹوٹل پیداوار 3.5 بلین بیرل ہے' اور یوں پوری دنیا کا دو تہائی تیل پیدا کرنے والا ملک ایران امریکہ کے لیے پریشانی کا باعث بن چکا ہے' ایران جسے در پردہ چین اور روس کی حمایت حاصل ہے ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے یورینیم افزودگی کا اعلان بھی کر چکا ہے' ایران کا یہ فیصلہ سیاسی طور پر اتنا بڑا فیصلہ ہے کہ امریکہ اپنے اتحادیوں کے ہاتھوں رسوا ہونے کو ہے' کیونکہ یورپی ممالک اپنی کرنسی یورو کی بجائے تیل کی خریداری ڈالر میں نہیں کریں گے' اور یوں یورو میں خریداری یورپی کرنسی کو ڈالر کے مقابلہ میں لا کھڑا کرے گی اور فطرتاً حلیف بالآخر حریف بن جائیں گے۔

چین اور جاپان بھی بخوشی تیل کی تجارت کے اس نئے نظام کو قبول کریں گے' کیونکہ اس طرح وہ اپنے ڈالر کے وسیع ذخائر یورو اور ین میں تبدیل کر لیں گے اور یوں ڈالر شدید ترین بحران کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

ڈالر کے حوالے سے چین اور جاپان کی پالیسی بڑی دلچسپ اور اہمیت کی حامل ہے' وہ اپنے ڈالروں کا ایک حصہ بالکل اسی طرح رکھنا چاہتے

ہیں جس طرح اب ہے' دوسرے حصہ کو وہ ایک طرح سے دفن کرنا ہی سمجھتے ہیں' تیسرے حصہ سے وہ مستقبل میں خریداری کریں گے' جبکہ چوتھا حصہ بتدریج ان کے یورو کے اثاثہ جات بڑھاتا چلا جائے گا' روس فطری طور پر یورو کو تجارتی کرنسی کے طور پر اپنانے کی اہلیت رکھتا ہے' کیونکہ اس کی زیادہ تر تجارت یورپی ممالک' تیل برآمد کرنے والے ممالک' چین یا جاپان کے ساتھ ہے' یورو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آہستہ آہستہ چین اور جاپان کے ساتھ اپنی تجارت بڑھاتے چلے جائیں گے' روس جس نے اپنے بہت سی معاملات میں خارجہ پالیسی کو بدل لیا ہے' ڈالر کی جگہ خوشی کے ساتھ یورو کو قبول کرے گا کیونکہ وہ جانتا کہ روس کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ امریکہ اور اس کے ڈالر کا ہے' اب رہا سوال عرب تیل برآمد کرنے والا ممالک کا تو وہ بھی بخوشی یورو کو قبول کریں گے کیونکہ یہ تمام ممالک ڈالر کی کم ہوتی ہوئی قدر سے پریشان ہیں اور دن بدن کم ہوتی ہوئی قیمت ان ممالک کو یورو میں تجارت کے ذریعے فطری توازن پیدا کرنے کی کوشش پر مجبور کریگا' اس سارے پس منظر میں اب ایک ہی ملک ایسا ہے جو فیصلہ کن مرحلے میں سب سے زیادہ پریشان ہے اور وہ ہے برطانیہ کیونکہ برطانیہ امریکہ کا تاحیات سٹریٹجک پارٹنر ہے جبکہ جغرافیائی حوالے اسے اس کی ساری وابستگیاں یورپ کے ساتھ ہیں لیکن اس معاملے میں وہ صرف خاموش تماشائی کا کردار ادا کرے گا اور آخر میں جیتنے والے کی حمایت' جب وہ دیکھیں گے کہ ان کا صدیوں پرانا ساتھی ڈوب رہا ہے تو کیا وہ اس کو بچانے کیلئے اس کا ساتھ دینگے یا اسے مرنے کیلئے چھوڑ دینگے؟ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس وقت تیل کی دو ہی بڑی مارکیٹیں ہیں ایک نیویارک کی NYMEX اور دوسری لندن کی انٹرنیشنل پٹرولیم ایکسچینج IPE اور یہ دونوں ہی امریکیوں کی ملکیت ہیں' بظاہر ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ امریکہ کے ساتھ برطانیہ کا زوال بھی یقینی ہو جائے گا لیکن اگر برطانیہ امریکہ کا ساتھ چھوڑتا ہے تو یہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا یعنی IPE کی تمام سرگرمیاں ختم ہو جائینگی' ایک بات جو قابل ذکر اور قابل غور ہے وہ یہ کہ برطانیہ نے ابھی تک اپنے پاؤنڈ کی جگہ یورو کو قبول نہیں کیا اور ایسا نہ کرنے میں امریکیوں کی طرف سے پریشر بھی ہوگا ورنہ لندن IPE ڈالر کی بجائے اپنی تجارت یورو میں ضرور کرتا' تاہم کچھ بھی ہو اور برطانیہ کوئی بھی فیصلہ کرے ایران کے اس فیصلے سے یورپین' چینی' جاپانی' روسی اور عرب اپنی تجارت ڈالر کی بجائے یورو میں ضرور منتقل کر لینگے اور یوں ڈالر کی قسمت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے گا' لیکن کیا امریکی ایسا با آسانی ہونے دیں گے؟ نہیں.....!

امریکی تیل کی اس تجارت کو تباہ کر سکتے ہیں' کمپیوٹر وائرس کے ذریعے' نیٹ ورک کمیونیکیشن کے ذریعے' سرور اٹیک یا نائن الیون کے طرز کے کسی حملہ سے تاہم ڈالر کو بچانے کیلئے امریکہ کے پاس متعدد راستے ہیں جن میں سب سے مفید یہ کہ یورو کی تجارت کے حوالے سے قواعد وضوابط طے کر لئے جائیں اور کسی بھی طرح کی جنگ میں ملوث نہ ہوا جائے' دوسرا اقوام متحدہ کا مشترکہ جنگ کا قانون لیکن یہ بھی ممبر ممالک کیلئے سب سے سخت ترجیح ہوگا کیونکہ اس طرح سکیورٹی کونسل کے رکن ممالک کے ذاتی مفادات کو زد پہنچے گی۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے جاری امریکی بیانات کی گرمجوشی اس حوالے سے اہم پیش رفت دکھائی دیتی ہے اور یہ بھی دوسرے رکن ممالک کو ایران پر حملے کیلئے اُکسانے کی حکمت عملی ہے' امریکہ کے پاس ایک راستہ ایران پر ایٹمی حملے کا ہے اور یہ حکمت عملی اسی وقت اپنائی جائے گی۔ جب امریکہ کا ساتھ دینے کیلئے کوئی دوسرا ملک راضی نہ ہو' اس گھناؤنے مقصد کیلئے امریکہ اسرائیل کو استعمال کر سکتا ہے' لیکن ایران پر امریکی حملہ اس حوالے سے انتہائی نامعقول چوائس ہے کہ

امریکہ کے فوجی ذرائع دو جنگوں میں مصروف ہیں دوسرا امریکہ اس حملے سے اپنے آپ کو مزید تنہا کر لے گا تیسرا یہ کہ کھربوں ڈالر کے اثاثے رکھنے والے دوسرے ممالک امریکہ کو مزید کسی حملہ سے روکنے کیلئے اکٹھے ہو جائینگے اور سب سے اہم بات ایران کا مضبوط ممالک کے ساتھ جغرافیائی اور دفاعی اتحاد ہے اور یہ ممالک ایران کے خلاف جنگ میں اس کا مکمل ساتھ دے سکتے ہیں جن میں چین' بھارت اور روس شامل ہیں' اور یہ گروپ شنگھائی تعاون گروپ کے نام سے جانا جاتا ہے اور ان کا شام کے ساتھ دفاعی تعاون کا ایک معاہدہ بھی ہے۔ یوں امریکہ اس وقت اپنی تاریخ کے سب سے خطرناک دور میں ہے جہاں اس پر قرضہ کی رقم 7.58 ٹریلین ڈالرز سے بڑھ چکی ہے' امریکی انتظامیہ نے جس وقت حکومت سنبھالی تو اس کے پاس 127.3 بلین امریکی ڈالرز خزانے میں موجود تھے جبکہ افغانستان اور عراق جنگ کے بعد ان کا خسارہ 459 بلین ڈالر ہو چکا ہے۔

اگر ایران اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ امریکہ کو بغیر لڑے برباد کر سکتا ہے اور یہی فیصلہ امریکہ کے بے مثل عروج کے بعد زوال کا آغاز ہوگا۔

تیل کہانی

امریکی صحافی سونیا شاہ کی مشہور زمانہ کتاب

"THE STORY OF OIL"

امریکی صحافی سونیا شاہ کی کتاب ''کروڑ تیل کی کہانی'' ڈھائی سو صفحوں پر مشتمل معلومات کا خزانہ ہے جس میں سائنس' تاریخ' تہذیبی ارتقاء' ماحولیات اور عالمی سیاست کا گہرا تعلق سامنے آتا ہے۔ کتاب کے بارہ ابواب میں وہ بڑی تفصیل اور دلچسپ انداز میں یہ کہانی بیان کرتی ہے کہ کس طرح امریکہ میں تیل کی دریافت ہوئی اس کے کنٹرول کے لیے بڑے بڑے کاروباری ادارے وجود میں آئے' دنیا بھر میں تیل کے ذخائر پر قبضے کے لیے عالمی سیاست اور جنگیں ہوئیں' تیل پیدا کرنے والے خطوں کے لوگوں کو کیسے نقصانات برداشت کرنا پڑے اور اس تیل کے استعمال سے زمین کے ماحول پر کیا اثرات مرتب ہوئے' سونیا شاہ اپنی کہانی کی ابتداء مشہور مصنف رشارڈ کیبوش چنسکی کے اس اقتباس سے کرتی ہیں' تیل ایک بالکل تبدیل شدہ زندگی کا فریب نظر پیدا کرتا ہے' ایک ایسی زندگی جس میں کام نہیں کرنا پڑتا اور جو مفت ہے..... تیل کا تصور انسان کے اس دائمی خواب کا اظہار ہے جس میں دولت اچانک خوش قسمتی سے حاصل ہو جاتی ہے' ایک طرح سے تیل ایک پریوں کی کہانی ہے اور ہر پریوں کی کہانی کی طرح یہ کچھ جھوٹ بھی ہے۔ لاکھوں سال پہلے سے شروع کرتی ہے جب تیل سمندر میں رہنے والے خوردبینی اجسام کے ذریعے زمین میں بننا شروع ہوا ان خوردبینی اجسام نے لاکھوں سال تک ہوا سے کاربن جذب کی اور پھر انہی اجسام کی کاربن زیر زمین چٹانوں میں تیل کی شکل اختیار کر گئی' تیل کی ابتداء کوئلہ کے زوال سے شروع ہوتی ہے' سولہویں صدی کے وسط میں انگلستان میں جنگلات بہت کم ہونا شروع ہو گئے تھے اور کوئلہ ایندھن کے طور پر جگہ بنانے لگا' اٹھارہویں صدی کے وسط تک انگلستان کی زمین میں کم گہرائی میں پایا جانے والا کوئلہ بھی ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اٹھارہ سو پچاس میں امریکہ میں پینسیلونیا کے مقام پر لوگوں نے اپنی جھیلوں اور ندیوں پر ایک کالی گریس کی شکل میں تیل دریافت کیا جس کا ایک گیلن پانچ کلوگرام بہترین کوئلہ کے برابر توانائی مہیا کرتا تھا' اٹھارہ سو باسٹھ میں پینسیلونیا میں تیل کے لیے کنوئیں کھودکر تیس لاکھ بیرل تیل سالانہ نکالا جانے لگا۔ شروع میں تیل (پیٹرولیم) کا استعمال زیادہ تر کیروسین یا مٹی کے تیل کے لیے کیا جاتا تھا جس سے لالٹینیں جلا کر گھروں کو روشن رکھا جاتا تھا۔ پینسیلوینیا کے ذخائر ختم ہونے لگے تو بعض امریکی ریاستوں اوہایو اور انڈیانا میں تیل نکالا گیا امریکہ کے بڑے کاروباری شخص

راک فیلر نے تیل کے کاروبار پر اپنی اجارہ داری قائم کی اور دولت کے انبار لگائے' تیل کی کہانی ذرائع آمدورفت کے ارتقاء سے جڑی ہوئی ہے' جب تیل دریافت ہوا تو امریکہ میں ٹرانسپورٹ کے طور پر لوگ گھوڑے اور ٹرین استعمال کرتے تھے' ریل گاڑی کوئلہ سے چلتی تھی' جلد ہی بائیسکل دریافت ہوگئی تو لوگوں نے کم فاصلے کے سفر کے لیے ٹرین کا استعمال کم کرنا شروع کر دیا۔

1879 میں تھامس ایڈیسن نے بجلی کا بلب ایجاد کیا جس سے گھر روشن کرنے کے لیے کیروسین کا استعمال کم ہونے لگا' تاہم چار سال بعد جرمن انجینئر کارل بینز نے بائیسکل اور موٹر کو ملا کر تین پہیوں والی موٹر کار ایجاد کرالی جو مٹی کے تیل سے چلتی تھی۔ اٹھارہ سو ترانوے میں امریکہ میں بھی مٹی کے تیل سے چلنے والی تین پہیوں والی اور سن انیس سو میں چار پہیوں والی موٹر گاڑی بنالی گئی۔ یہاں سے ایک نئی تاریخ شروع ہوتی ہے' جلد ہی امریکہ میں کاروں کی پیداوار یورپ سے بھی زیادہ ہوگئی۔ انیس سو نو میں ہنری فورڈ نے عوام کے لیے بڑی تعداد میں کاریں بنانے کا اعلان کر دیا۔ ایک سال بعد ہی ان کی عوام کے لیے بنائی گئی ماڈل ٹی کار سڑکوں پر آ گئی۔ کاروں کی وجہ سے تیل کا استعمال بڑھتا گیا' انیس سو سات میں امریکی سڑکوں پر چالیس ہزار کاریں تھیں' انیس سو پچپن میں امریکہ میں پانچ کروڑ رجسٹرڈ کاریں تھیں جبکہ انیس سو پچھتر میں ان کی تعداد دس کروڑ سے زیادہ تھی۔ انیس سو نو میں ہی برطانیہ نے اپنے بحری جہازوں کو کوئلہ کی بجائے تیل سے چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ برطانیہ کے پاس اپنا تیل نہیں تھا' اس نے ایران سے تیل حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اینگلو پرشین آئل کمپنی کی بنیاد رکھی گئی اور برطانوی بادشاہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس کمپنی کی ایران کے تیل کے وسیع ذخائر تک رسائی ہو۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے بیس لاکھ فوجیوں کو مشرقی ساحل تک پہنچانے کے لیے موٹر گاڑیوں نے اہم کردار ادا کیا' امریکہ اور برطانیہ پر مشتمل اتحادی افواج نے اپنی تیل سے چلنے والی گاڑیوں سے کوئلہ سے گاڑیاں چلانے والے جرمنی کو شکست دی۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر برطانیہ کے لارڈ کرزن نے اعلان کیا کہ اتحادیوں کو اپنے مقاصد میں فتح تیل کی بدولت ملی ہے' اسی اثناء میں امریکہ میں ٹیکساس میں تیل کی دریافت ہوئی اور تیل سے بنی ہوئی پلاسٹک کی مصنوعات کا رواج شروع ہوا۔ پلاسٹک تیل سے بنتا ہے' پلاسٹک کے فروغ کے لیے امریکی حکومت نے پیٹرو کیمیکل صنعت میں تین ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی اور حکومت نے اپنے کروڑوں ڈالر مالیت کے پیٹرو کیمیکل پلانٹس بہت ہی کم قیمت پر ایکسون اور ڈیوپوں جیسے کاروباری اداروں کو دے دیئے۔

انیس سو چالیس کی دہائی تک امریکہ کے اندر (ٹیکساس' اوکلوہاما' کیلیفورنیا وغیرہ میں ہی تیل کی اتنی پیداوار تھی کہ اسے باہر سے تیل کی ضرورت نہیں تھی' لیکن دوسری جنگ عظیم میں اس کا اتنا زیادہ استعمال ہوا کہ تیل نکالنے کے لیے امریکہ کو اپنے کنوئیں بہت گہرے کھودنے پڑے۔ انیس سو 43 میں امریکہ کے سیکرٹری داخلہ ہیرالڈ آمکس نے کہا کہ اگر دنیا میں تیسری جنگ عظیم ہوئی تو امریکہ کو یہ جنگ کسی اور ملک کے تیل کے ساتھ لڑنا پڑے گی۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں تیل کی سلطنت کے طور پر امریکہ کی برتری کم ہوگئی ہے۔ سونیا شاہ اپنی کتاب ''کروڈ تیل کی کہانی'' میں کہتی ہیں کہ تیل کو کوئلہ کی جگہ لینے میں ایک صدی کا عرصہ لگا یہی وہ موت ہے جب دنیائے سیاست میں کوئلہ سے مالا مال برطانیہ کی جگہ تیل سے مالا مال امریکہ نے لی۔ وہ کہتی ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب امریکہ کو اس بات کا احساس ہوا کہ امریکہ کے اپنے تیل کے ذخائر کم ہوتے جا رہے ہیں تو انیس سو چوالیس میں امریکی صدر روزویلٹ نے مشرق وسطی کے تیل پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ امریکہ نے برطانیہ سے

مل کر مشرق وسطیٰ کا تیل حاصل کرنے کے لیے حکمت عملی ترتیب دی' وہ مورخ ڈینئل پرگن کا حوالہ دیتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ''روز ویلٹ نے برطانیہ کے سفیر سے ملاقات میں انہیں ایک خاکہ دکھایا جس میں انہیں کہا کہ ایران کا تیل آپ کا ہے' عراق' کویت کے تیل میں ہم دونوں حصہ دار ہیں اور سعودی عرب کا تیل ہمارا (امریکہ کا) ہوگا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ انیس سو چھپن میں تیل کے ذخائر کے بارے میں ایک اہم بات سامنے آئی جسے تیل کی کمپنیوں نے چھپانے کی خاصی کوشش کی۔ اس سال ماہر ارضیات کنگ ہیوبرٹ نے اعلان کیا کہ امریکہ میں ٹیکساس اور اوکلاہاما میں تیل کے ذخیرے انیس سو ستر میں اپنے عروج پر پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد وہاں سے نکلنے والے تیل کی مقدار کم ہو جائے گی۔ مصنف کا کہنا ہے کہ مغرب میں تو تیل کی دولت سے خوشحالی آئی اور متوسط طبقہ بھی فیض یاب ہوا لیکن مشرق وسطیٰ جہاں سے تیل نکالا جاتا تھا وہاں کے لوگ سیاسی خودمختاری سے محروم اور جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ مثلاً برٹش پیٹرولیم اور برطانیہ کی حکومت نے انیس سو پینتالیس اور انیس سو پچاس کے درمیان ایران کے تیل سے ڈھائی سو ملین پاؤنڈ منافع میں کمائے جبکہ ایران کو رائلٹی کی صورت میں صرف نوے ملین پاؤنڈ ملے' ان کا کہنا ہے کہ انیس سو اڑتالیس میں جب برطانیہ نے فلسطین پر اپنا قبضہ چھوڑا تو وہاں کے یہودی لوگوں کو چھپن فی صد علاقہ کا قبضہ دے دیا جبکہ ان کی آبادی میں شرح چھ فی صد تھی۔ گویا اسرائیل کا قیام اسی عرصہ میں آیا جب امریکہ اور برطانیہ مشرق وسطیٰ کے تیل کے حصول کے لیے اشتراک کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ تیل پیدا کرنے والے عرب ملکوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے انیس سو ساٹھ میں اوپیک کے نام سے اپنی تنظیم بنائی جس میں اب نائجیریا اور وینیزویلا بھی شامل ہیں۔ تیل میں بتدریج کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انیس سو پچاس تک امریکہ میں تیل کے تمام بڑے ذخائر میں کنوئیں کھودے جا چکے تھے اور مشرق وسطیٰ میں تیل کے تمام ذخائر کی نشاندہی کی جا چکی تھی' جوں جوں تیل کا حصول مشکل ہوتا گیا تو اس کے لیے جنگ میں استعمال کی جانے والی ٹیکنالوجی جیسے سسموگرافی استعمال کی جانے لگی۔

انیس سو ستر میں ان کوششوں کے نتیجہ میں برطانیہ میں شمالی سمندر (نارتھ سی) میں تیل دریافت ہوا اور امریکہ میں الاسکا میں' انیس سو تہتر میں زمین روزانہ ساڑھے پانچ کروڑ بیرل تیل اگل رہی تھی جس کا نصف مشرق وسطیٰ سے نکالا جا رہا تھا' عرب اسرائیل جنگ میں امریکہ نے اسرائیل کی مدد کی تو عرب ملکوں نے دنیا کو تیل کی فراہمی بند کر دی' تیل کے اس بحران کی وجہ سے امریکہ میں انیس سو ستر اور انیس سو اسی کے درمیان روزمرہ استعمال کی چیزوں کی قیمتیں دگنی ہوئیں اور بے روزگاری پھیل گئی۔ صدر رچرڈ نکسن نے اس وقت طاقت کے زور پر مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخیروں پر قبضہ کرنے پر غور کیا لیکن ان کے فوجی ویت نام میں پھنسے ہوئے تھے۔ انیس سو اسی میں تیل کا دوسرا بحران ایران کے اسلامی انقلاب کی صورت میں آیا۔ اس موقع پر صدر جمی کارٹر نے امریکی خارجہ پالیسی کا اصول ''کارٹر ڈاکٹرین'' پیش کیا' اس اصول میں کہا گیا کہ آئندہ امریکہ مشرق وسطیٰ کے تیل کی فراہمی کے راستے میں آنے والی کسی بھی معاندانہ کارروائی کو دور کرنے کے لیے کوئی بھی ذریعہ استعمال کرے گا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ انیس سو اکیانوے میں صدر بش سینئر کے زمانے میں امریکہ کا عراق میں حملہ اسی کارٹر اصول کے تحت کیا گیا کیونکہ عراق نے کویت کے تیل پر قبضہ کر لیا تھا۔ انیس سو ستر کا تیل کا بحران تیسری دنیا کے ملکوں کے لیے بھی بہت مہنگا ثابت ہوا۔ انہوں نے مہنگا تیل خریدنے کے لیے دنیا کے تجارتی بینکوں سے اربوں ڈالر کے قرضے لیے اور ان کے بیرونی قرضوں کا حجم دس کروڑ ڈالر سے بڑھ کر سوا کھرب ڈالر سے زیادہ ہو گیا۔ ان

قرضوں کا سود ادا کرنے پر ان غریب ملکوں کی دولت امیر ملکوں کے بینکوں میں منتقل ہونے لگی۔ انیس سو ستر میں عرب ملکوں کے تیل کی فراہمی بند کرنے پر مشرق وسطیٰ کے تیل پر انحصار کم کرنے کے لیے امریکہ نے اربوں ڈالر الاسکا کے برفانی خطہ میں تیل نکالنے پر خرچ کیے۔ لیکن یہ بہت مہنگا کام ثابت ہوا۔ تاہم امریکہ نے تیل کے استعمال میں کمی نہیں کی۔ ''کروڈ تیل کی کہانی'' کی مصنف سونیا شاہ کہتی ہیں کہ انیس سو اسی کی دہائی میں تیل کا دوسرا عروج شروع ہوا نئے راک فیلر جیسے ایسکون' موبل' شیورون وغیرہ وجود میں آئے۔ سن دو ہزار ایک میں تیل کی بڑی کمپنیاں دنیا کے اسی ملکوں میں چار ہزار ذخائر سے تیل نکال رہی تھیں۔ برطانیہ کے شمالی سمندر اور امریکہ کے الاسکا کے لیے کنوؤں کے تیل سے امریکہ کا اوپیک کے تیل پر انحصار کم ہونے لگا۔ تاہم امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے تیل پر کنٹرول کی حکمت عملی جاری رکھی' اسی دوران میں امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں اپنے زیر اثر ملکوں جیسے بحرین' کویت' عمان' قطر' سعودی عرب اور متحدہ عرب امارت کو عراق اور ایران کی کسی ممکنہ گڑبڑ کو روکنے کے لیے ہتھیاروں سے لیس کیا۔ ماہر مائیکل کلیئر کہتے ہیں کہ انیس سو نوے اور انیس سو ستانوے کے درمیان امریکہ نے ان ملکوں کو بیالیس ارب ڈالر کے ہتھیار فروخت کیے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ سن دو ہزار ایک میں دنیا بھر میں لوگوں نے پچیس ارب بیرل تیل جلایا' اس سال تیل کی صنعت کی مالیت کا اندازہ دو سے پانچ کھرب ڈالر کے درمیان لگایا گیا۔ یہ عالمی معیشت کے چھٹے حصہ کے برابر تھی' امریکہ میں فی کس تیل کا استعمال تین گیلن روزانہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں چین میں یہ مقدار اعشاریہ پندرہ گیلن فی کس ہے۔ آج امریکہ کے معاشرے میں تیل اتنا ناگزیر ہو گیا ہے کہ اس کی فراہمی میں ذرا سا خلل بھی سنگین ہو سکتا ہے۔ امریکہ ایک ہائیڈروکاربن تہذیب ہے اور یہاں کی زندگی پٹرو زندگی ہے۔ امریکہ کے لوگ جو کھانا کھاتے ہیں وہ اوسطاً پندرہ سو سے دو ہزار میل سفر طے کر کے ان تک پہنچتا ہے۔ امریکہ کی قابل کاشت زرعی زمین کے پانچویں حصہ پر مکئی کاشت کی جاتی ہے۔ ایک بشل مکئی کو پیدا کرنے کے لیے نائٹروجن کھاد کی صورت میں آدھا گیلن تیل یا پیٹرولیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورلڈ ریسورس انسٹی ٹیوٹ کے مطابق جدید ہائی ٹیک معیشت کی بنیاد بھی کاربن پر ہے اور تیل جلانا جدید صنعتی معیشت کی سب سے بڑی سرگرمی ہے۔ امریکی معاشرے کی رگوں میں رواں دواں چالیس فی صد سادہ تیل ہے۔ امریکی حکومت اور عالمی مالیاتی ادارے اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ تیل کی معیشت کو فروغ ملے۔ امریکہ کے قرض دینے والے اداروں نے انیس سو بانوے سے سن دو ہزار دو تک ترقی پذیر ملکوں کو تیل سے متعلق منصوبوں کے لیے تیس ارب ڈالر کے قرضے دیئے جبکہ عالمی بینک نے پچیس ارب ڈالر دیئے' اب تیل کے استعمال کی دوڑ میں بھارت اور چین بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اندازہ ہے کہ سن بیس ہزار بیس تک ان دونوں ملکوں کا تیل کے استعمال صنعتی ترقی یافتہ ملکوں کے کل استعمال کے نوے فی صد کے برابر ہو گا۔ دوسری طرف تیل کے ذخائر کم ہوتے جا رہے ہیں۔ انیس سو پچاسی میں برطانیہ کے شمالی سمندر کے تیل کے اپنے عروج پر پہنچ جانے کی خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ زیر زمین تیل کم ہونے پر تیل کی کمپنیوں نے جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے گہرے سمندروں کا رخ کیا۔ میکسیکو کے ساحل میں بھی تیل کی تلاش کی گئی' کینیڈا میں برفانی ہابسرنیا کے خطہ میں تیل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی جو بہت مہنگی ثابت ہوئی۔ انیس سو چھیانوے میں ٹوٹل کمپنی نے انگولا کے ساحل میں بہت گہرائی میں تیل کے اربوں بیرل کے ذخائر دریافت کیے اور سن دو ہزار ایک میں انہیں نکالنا شروع کیا۔ اسے تیل کی صنعت

میں بہت بڑی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ ماہرین کا تخمینہ ہے کہ تیل اور قدرتی گیس کی پیداوار میں ہر سال تین سے پانچ فی صد کمی جاری رہے گی۔ چند سال میں وہ وقت آنے والا ہے جب دنیا میں تیل کے نصف ذخائر ختم ہو جائیں گے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ تیل کی کمپنیاں اور امریکی حکومت دنیا میں تیل کے ذخائر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی رہی ہیں۔ تیل کی کمپنیوں کی بڑی امیدیں وسط ایشیا میں بحریہ کیپیئن میں تیل کے ذخائر سے تھیں۔ اندازہ تھا کہ وہاں دو سو ارب بیرل تیل کے ذخیرے ہیں تاہم سن دو ہزار دو میں واضح ہو گیا کہ اس خطہ میں نو سے تیرہ ارب بیرل سے زیادہ تیل نہیں' اس وقت بھی مشرق وسطیٰ کا تیل ہی سستا اور آسانی سے دستیاب ہونے والا تیل ہے۔ عراق میں تیل کے ایسے کنوئیں دریافت ہوئے جن میں سے اب تک صرف سترہ سے تیل نکالا جا رہا ہے۔ عراق کے تیل سے مالا مال مغربی صحرا سے تو ابھی تیل نکالا ہی نہیں گیا۔

صدام حسین نے سن دو ہزار تین میں عراق کی تیل کی پیداوار دگنی کرنے کا اعلان کیا تھا۔ امریکہ کے لیے مشکل یہ تھی کہ اگر صدام ایسا کرتے تو ایکسون اور شیورون ٹیکسا کو کی بجائے فرانسیسی' چینی اور روسی کمپنیاں تیل نکالتیں۔ امریکی فوجوں نے بیس لاکھ بیرل فی ہفتہ کے حساب سے تیل جلا کر چند ہفتوں میں صدام حسین کی حکومت ہی ختم کر دی۔ مصنف کا کہنا ہے کہ دنیا کے تین بڑے خطوں میں اگلے پچاس برسوں میں تیل کے استعمال سے جو ماحولیاتی تبدیلیاں آئیں گی ان کی وجہ سے زندہ اجسام کی ایک تہائی افواج معدوم ہو جائیں گی۔ سوال یہ ہے کہ توانائی پر چلنے والی اسی موجودہ انسانی تہذیب کو تیل کے کم استعمال سے کیسے قائم رکھا جائے۔ ترقی کے اس تصور کا مقصود مغرب کا اعلیٰ ٹیکنالوجی اور ہائڈروکاربن پر مبنی معاشرہ ہے۔ تاہم ایک متبادل نظریہ یہ ہے کہ پیٹرو زندگی معمول سے ہٹی ہوئی چیز ہے جس کی بنیاد ایک بہت کم یاب اور ختم ہو جانے والی چیز یعنی تیل پر ہے۔ تیل کا ملنا ایسا ہی تھا جیسے کسی کو لاٹری مل جائے۔ مصنف کہتی ہے کہ دنیا سے جب ایک یا دو سو سال بعد تیل بالکل ختم ہو جائے گا تو پھر کئی کروڑ سال تک دوبارہ نہیں ملے گا کیونکہ فضا کی کاربن کو زمین اور سمندر میں جا کر تیل بننے میں اتنا ہی عرصہ لگتا ہے۔ وہ کہتی ہیں ایک عرب مثل ہے میرا باپ اونٹ پر سواری کرتا تھا میں کار چلاتا ہوں' میرا بیٹا جیٹ جہاز چلائے گا اور اس کا بیٹا اونٹ۔

ایران کا ایٹمی پروگرام

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جب دنیا بھر میں ایٹمی منصوبوں سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے تو پھر ایران کی مخالفت کیوں؟ کیا وہ ایٹم بم بنانے والا پہلا ملک ہے؟ اگر وہ اپنے ایٹمی پروگرام کے ذریعے بجلی بنانا چاہتا ہے تو اسرائیل اور امریکہ کو کیوں آگ لگی ہوئی ہے''؟

ایرانی ایٹمی منصوبے کی تاریخ:

ایران کا ایٹمی منصوبہ چند سال نہیں بلکہ کئی عشرے پرانا ہے۔ اس کی بنیاد 1960ء کے عشرے میں رکھی گئی جب ایرانی اور امریکی دوستی کی پینگیں جھول رہے تھے۔ شاہ ایران نے امریکہ کی چاپلوسی کرتے ہوئے سب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا تاہم آقا نے اپنے اس غلام کو نوازا بھی۔ 1967ء میں ایرانیوں نے امریکی مدد کے سہارے تہران یونیورسٹی میں تہران ایٹمی تحقیقی مرکز کی بنیاد رکھی۔ اسے چلانے کا ذمے دار ایران کا ایٹمی توانائی ادارہ ہے۔

ایٹمی تحقیقی مرکز میں پانچ میگاواٹ کا ایٹمی تحقیقی ریکٹر نصب تھا۔ وہ اپنے استعمال شدہ ایندھن کے ذریعے سالانہ 600 گرام پلوٹونیم بنا سکتا تھا۔ جولائی 1968ء میں ایرانی حکومت نے معاہدہ برائے ایٹمی اسلحے کے عدم پھیلاؤ (نیوکلیئر نان پرولیفریشن ٹریٹی) پر دستخط کیے، جو این پی ٹی کہلاتا ہے۔ یہ اقدامات کر کے شاہ ایران نے فیصلہ کیا کہ امریکی امداد کے سہارے پورے ملک میں 2000ء تک بیسیوں ایٹمی بجلی گھر تعمیر کیے جائیں۔ یاد رہے کہ این پی ٹی کی شق چہارم کے مطابق ایران ایٹمی توانائی کے پرامن استعمال کی خاطر ہر قسم کی تحقیق کر سکتا ہے۔ نیز مطلوبہ آلات، مواد اور سائنسی معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

اس زمانے میں امریکی ایران سے بھاری مقدار میں تیل خرید رہے تھے۔ انہوں نے ایرانی حکومت کو پیشکش کی کہ امریکی کمپنیاں ایران میں ایٹمی ریکٹر بنانے کے لیے تیار ہیں۔ مزید برآں ایرانیوں کو وسیع تعداد میں اسلحہ بھی دیا گیا۔ اس طرح امریکی باہمی تجارت میں توازن چاہتے تھے۔

1975ء میں امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے ایک نیشنل سیکیورٹی کے فیصلے پر دستخط کیے جس کا عنوان تھا: ''امریکہ اور ایران کا ایٹمی تعاون''۔ اس فیصلے سے امریکی کمپنیوں کے لیے ممکن ہو گیا کہ ایرانی ایٹمی ریکٹروں کے آلات ایرانی حکومت کو فروخت کر سکیں۔ یوں انہیں چھ ارب ڈالر سے زیادہ رقم ملنی تھی۔ اس زمانے میں ایرانی باسٹھ لاکھ بیرل تیل روزانہ نکال رہے تھے جو موجودہ مقدار (چالیس لاکھ بیرل) سے زیادہ تھا۔ 1976ء میں امریکی صدر جیرالڈ فورڈ نے اس حکم نامے پر بھی دستخط کر دیئے جس کے ذریعے ایرانیوں کو ایک امریکی ری پروسیسنگ پلانٹ دینے کی پیشکش کی

گئی۔اس پلانٹ میں ایٹمی ریکٹر کے استعمال شدہ ایندھن سے پلوٹونیم بنایا جاسکتا تھا۔

بوشہر ایٹمی ریکٹر:

جنوبی ایران میں بوشہر خلیج فارس کے کنارے واقع ہے۔شاہ ایران نے فیصلہ کیا کہ اس شہر سے تیرہ میل دور پہلا ایٹمی بجلی گھر تعمیر کیا جائے۔وہ چاہتا تھا کہ اس کے ذریعے شیراز شہر کو بجلی فراہم کی جائے۔یہ ماننا پڑے گا کہ شاہ ایران دور اندیشن تھا،اس نے سوچا کہ جب ایران میں پٹرول کے کنوئیں سوکھ جائیں گے،تو توانائی کی ضروریات ایٹمی بجلی گھروں سے پوری ہوسکیں گی۔

1975ء میں ایرانی حکومت نے جرمنی کی مشہور کمپنی،سائمنز سے معاہدہ کیا تا کہ وہ بوشہر میں 1200 میگاواٹ کے ایٹمی ریکٹر تعمیر کرے۔اسی سال امریکی ادارے،میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی نے بھی ایرانیوں سے معاہدہ کیا تا کہ وہ ایرانی ایٹمی سائنسدانوں کو تربیت دے سکے۔اسی دوران اصفہان میں فرانس کے تعاون سے ایٹمی ٹیکنالوجی سنٹر بنایا گیا تا کہ وہاں بوشہر کے ایٹمی ریکٹروں میں کام کرنے والے عملے کو تربیت دی جاسکے۔فی الوقت اس مرکز میں چینی ساختہ چار چھوٹے ایٹمی تحقیقی ریکٹر نصب ہیں۔

فروری 1979ء میں جب ایران میں اسلامی انقلاب آیا تو بوشہر کے پہلے ایٹمی ریکٹر کی 90 فیصد تعمیر ہوچکی تھی جبکہ 60 فیصد آلات بھی نصب ہوچکے تھے۔بوشہر کا دوسرا ایٹمی ریکٹر 50 فیصد مکمل ہوا تھا۔اگر شاہ ایران کی حکومت رہتی تو یقیناً چند برس تک دونوں ایٹمی ریکٹر مکمل ہوجاتے۔ایرانی وزیراعظم مہدی بازرگان کی حکومت کا خیال تھا کہ ایران کو ایٹمی توانائی کی ضرورت نہیں لہٰذا ریکٹروں کی تعمیر روک دی گئی۔جرمن کمپنی عملے اور ساز وسامان سمیت واپس چلی گئی۔عراق سے جنگ کے دوران عراقیوں نے بوشہر پر پانچ چھ بار زبردست بمباری کی جس کے باعث دونوں ایٹمی ریکٹروں کا 90 فیصد تعمیر شدہ ڈھانچہ تباہ ہوگیا،ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر بمباری نہ ہوتی تو پہلا ریکٹر تین سال کے اندر چالو ہوجاتا۔

اسلامی انقلاب کے ہنگاموں اور عراق سے آٹھ سالہ جنگ کے باعث ایران میں بجلی کی مانگ عارضی طور پر کم ہوگئی کیونکہ اس کا انفراسٹرکچر تباہ ہوگیا۔جب جنگ ختم ہوئی تو 1990ء میں ایرانی قیادت دوبارہ اپنے ایٹمی منصوبے کی طرف متوجہ ہوئی۔یقیناً اس کے ذہن میں یہ بات بھی ہوگی کہ ایٹمی ہتھیار بنائے جائیں۔

ایرانی صدر ہاشمی رفسنجانی نے ایٹمی منصوبہ از سر نو تشکیل دیا۔بجلی کی بڑھتی مانگ اور انسانی آبادی میں اضافہ وہ دو بڑی وجوہ ہیں جن کی بناء پر ایرانی ایٹمی منصوبے نے نیا جنم لیا۔رفسنجانی حکومت نے شروع میں سائمنز ہی سے رجوع کیا کہ وہ بوشہر کے ایٹمی ریکٹر مکمل کردے مگر امریکی دباؤ پر اس نے انکار کردیا۔

ایران نے پھر جرمن حکومت سے کہا کہ وہ سائمنز کو ریکٹر کے آلات اور تکنیکی دستاویز بھجوانے کی اجازت دے جس کی ادائی ایرانیوں نے کر رکھی تھی۔اس ضمن میں ایرانی حکومت نے انٹرنیشنل کامرس کمیشن (آئی سی سی) کے فیصلے کا حوالہ دیا۔اس کی رو سے سائمنز کی ذمے داری تھی کہ وہ بیرون ملک موجود ریکٹروں کا سارا ساز وسامان ایران پہنچائے۔جرمن حکومت نے انکار کردیا۔جواب میں ایرانیوں نے جرمنی کے خلاف مقدمہ دائر کردیا اور 1982ء کا فیصلہ مسترد کرنے پر ساڑھے پانچ ارب ڈالر بطور ہرجانہ طلب کیے۔یہ معاملہ ابھی تک حل طلب ہے۔

1990ء میں ارجنٹائن، جرمنی اور سپین کی کمپنیوں کے ایک کنسورشیم نے ایرانی حکومت کو پیشکش کی کہ وہ بوشہر کے ایٹمی ریکٹر مکمل کر دیں گی تاہم امریکیوں کے زبردست دباؤ کی وجہ سے یہ معاملہ بھی دب گیا۔ جب مغرب میں شنوائی نہیں ہوئی تو ایرانی سویت یونین اور پھر روس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

1992ء میں روس اور ایران کے مابین ابتدائی معاہدہ ہوا جس کی رو سے طے پایا کہ روسی بوشہر کے ایٹمی ریکٹر مکمل کریں گے۔ کچھ مالیاتی مسائل کے باعث باقاعدہ معاہدہ ہونے میں دیر ہو گئی۔ بالآخر جنوری 1995ء میں ایرانی حکومت اور ایٹمی توانائی کی روسی وزارت میں بوشہر کے ایٹمی ریکٹر مکمل کرنے کے سلسلے میں معاہدہ ہو گیا۔

معاہدے مطابق یہ ریکٹر آئی اے ای اے کے سیف گارڈز کی زیر نگرانی کام کریں گے اور ان میں سالانہ 180 کلو استعمال دہ ایندھن (پلوٹونیم) پیدا ہو گا۔ روسیوں نے 1999ء تک پہلا ایٹمی ریکٹر تعمیر کر دینا تھا تاہم امریکہ و اسرائیل اور یورپی یونین کے زبردست دباؤ کی وجہ سے کام کی رفتار سست رہی اور وہ اب زیر تعمیر ہے۔ معاہدے کے مطابق روس ایران کو 30 تا 50 میگاواٹ ہلکے پانی کا تھرمل تحقیقی ریکٹر 2000 ٹن قدرتی یورینیم اور ہر سال پندرہ ایرانی ایٹمی سائنسدانوں کو تربیت فراہم کرے گا لیکن دباؤ کے باعث روسی اپنی پیش کشوں سے پھر گئے۔

یہ معاہدہ ہونے کے بعد امریکہ نے روس پر دباؤ ڈالا کہ وہ اسے مسترد کر دے مگر روسیوں کا کہنا تھا کہ ریکٹر بجلی بنانے کے لئے تعمیر کیے جا رہے ہیں اور یہ قدم این پی ٹی (معاہدے) کی رو سے قانونی ہے' پھر روس کی ایٹمی توانائی صنعت دم توڑ رہی تھی۔ یہ معاہدہ ہونے پر اس میں جان پڑ گئی اور اسے دیگر ممالک سے بھی ایٹمی ریکٹر بنانے کے آرڈر ملنے لگے۔ ناکامی پر امریکہ اور اسرائیل یہ واویلا مچانے لگے کہ ایرانی استعمال شدہ ایندھن یعنی پلوٹونیم سے ایٹم بم بنانے کی کوشش کریں گے۔

ایران کے خلاف مہم کا آغاز:

14 اگست 2002ء کو ایرانی حکومت کی مخالف تنظیم' مجاہدین خلق کے رہنما' علی رضا جعفری زادہ نے انکشاف کیا کہ ایرانیوں نے دو خفیہ ایٹمی مقامات بنا رکھے ہیں۔ ایک نانتر شہر میں جہاں یورینیم کو افزودہ (انرچ) کیا جاتا ہے اور دوسرا ارک (Arak) میں جہاں بھاری پانی (ہیوی واٹر) تیار کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ روسیوں نے گیس سینٹری فیوج پلانٹ دینے سے انکار کر دیا تھا' اس لئے ایرانیوں نے خود یورینیم افزودہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس انکشاف کے بعد امریکہ' اسرائیل اور یورپی یونین یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ ایران ایٹم بم اور ایٹمی میزائل بنانے میں مصروف ہے۔

عالمی دباؤ اور یورپی یونین کے تین بڑوں (جرمنی' برطانیہ اور فرانس) کی پرکشش ترغیبات کے باعث ایرانی حکومت نے 14 نومبر 2004ء کو اعلان کیا کہ وہ رضا کارانہ طور پر یورینیم کی افزودگی کا منصوبہ بند کر رہی ہے۔ اس اقدام کا مقصد آپس میں اعتماد بڑھانا تھا۔ تاہم جب ایک سال گزر گیا اور تین بڑوں نے ایران کو مالی' معاشی اور جنگی امداد کے سلسلے میں ٹھوس قدم نہ اٹھایا تو ایرانیوں کو احساس ہو گیا کہ انہیں خود انحصار کی راہ پر ہی چلنا پڑے گا۔ اسی دوران ایران میں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے اور احمدی نژاد نئے صدر بن گئے جو مغرب اور اسرائیل کے سلسلے میں سخت اور جارحانہ

نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

8 اگست 2005ء کو اصفہان میں واقع ایٹمی ادارے میں یورینیم کی افزودگی دوبارہ شروع کر دی گئی۔ اس کے بعد امریکہ اور یورپی یونین کے دباؤ پر آئی اے ای اے (انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی) ایرانی حکومت کے پیچھے پڑ گئی اور اسے مجبور کرنے لگی کہ اور اپنا ایٹمی منصوبہ ختم کر دے۔ انکار پر ایجنسی نے دھمکی دی کہ وہ معاملہ اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں لے جائے گی۔

4 فروری 2006ء کو آئی اے ای اے کے 35 رکنی بورڈ کا خصوصی اجلاس ہوا' اس میں 27 ارکان نے ایٹمی معاملہ سیکیورٹی کونسل بھجوانے کی حمایت کر دی۔ ان ارکان کے سرخیل امریکہ' برطانیہ' فرانس اور جرمنی تھے۔ روس اور چین نے اس بنیاد پر حمایت کی کہ ایران کے خلاف مارچ تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ پانچ ارکان 'الجزائر' بیلارس' انڈونیشیا' لیبیا' اور جنوبی افریقہ غیر حاضر رہے۔ تین ارکان وینزویلا' شام اور کیوبا نے مخالفت کی یاد رہے کہ حمایت کرنے والوں میں پاکستان بھی شامل تھا۔

پچھلے دنوں سیکورٹی کونسل نے ہفتوں جاری رہنے والے ''ڈیڈلاک'' کے بعد ایرانی حکومت کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ وہ ایک ماہ کے اندر اندر اپنا ایٹمی منصوبہ ترک کر دے ورنہ ادھر..... ایرانی حکومت نے یہ مطالبہ مسترد کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ ایٹمی منصوبہ کسی صورت ختم نہیں کیا جائے گا۔

سیکیورٹی کونسل نے اپنا اعلان کر دیا لیکن واضح طور پر اسے روس اور چین کی حمایت حاصل نہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ ایران پر معاشی یا فوجی پابندیاں لگانا مسئلے کا حل نہیں ہے' بس ایسے اقدامات کیے جائیں کہ ایرانی اپنے ایٹمی منصوبے سے بجلی ہی بنا سکیں' ایٹم بم نہ بنا سکیں۔ چونکہ ایران کے سلسلے میں عالمی طاقتوں میں اتفاق نہیں اس لئے جرمنی' فرانس اور برطانیہ کوئی سخت موقف اختیار کرنے سے کترا رہے ہیں۔ صرف امریکہ اور اسرائیل ایرانیوں پر برستے نظر آتے ہیں۔ صاف سی بات ہے کہ اگر ایران پر تجارتی پابندیاں لگیں تو ایرانی عوام متاثر ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ قدم انہیں اپنی حکومت کے قریب کر دے۔

ایرانی نقطہ نظر:

ایرانی حکومت کا کہنا ہے کہ بڑھتی آبادی اور صنعت و تجارت کی روز افزوں ترقی کے باعث انہیں ایٹمی توانائی درکار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے بیس برس میں ایران کی آبادی دوگنی بڑھی ہے اور اب اسے بجلی درآمد کرنا پڑتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر اس نے اپنے تیل و گیس کے ذخیرے کثیر تعداد میں استعمال کیے تو ملک کا ماحول تباہ ہو سکتا ہے۔ ایرانی پھر یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ جلد یا بدیر ان کے ہاں تیل ختم ہو جائے گا۔ پھر انہیں ایٹمی توانائی کے حصول سے کیوں روکا جا رہا ہے؟ ایرانیوں کی دلیل یہ ہے کہ تیل کو محض بجلی بنانے کی بجائے اہم مصنوعات پر خرچ کیا جائے۔ ایٹمی منصوبہ جاری رکھنے کے ضمن میں ان کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ تیل کے ذخائر سے مزید استفادہ کرنے کی خاطر انہیں 40 ارب ڈالر خرچہ برداشت کرنا پڑے گا جبکہ اس سے بہت کم رقم میں ایٹمی ریکٹر تیار ہو جائیں گے۔ پھر انہیں چلانا بھی آسان ہوگا کہ ایران میں خام یورینیم کی کمی نہیں۔

ایٹمی منصوبے کے سلسلے میں ایرانی حکومت کو اپنی عوام کی مکمل حمایت حاصل ہے' حتیٰ کہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ منصوبہ ایران کی ترقی کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عوام سے پوچھا جائے تو ان کا نقطہ نظر یہ ہے۔ ''امریکہ ہمیں دبانے کی کوشش کر رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہم پسماندہ اور جاہل رہیں اور دنیا ہمیں دوسرے درجے کی قوم کی نظر سے دیکھے۔ ہمارے اندر یہ صلاحیت ہے کہ اپنا ایٹمی منصوبہ تشکیل دے سکیں لیکن ہمیں یہ بتانے کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ ہم اسے مکمل نہیں کر سکتے''

ایران میں ایٹمی منصوبہ ایک جذباتی معاملے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور کسی ایرانی حکومت کی مجال نہیں کہ وہ اسے ختم کر دے۔ ویسے بھی ہر ایرانی کو علم ہے کہ ایٹمی منصوبہ ایران کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن کر دے گا

ایرانی حکومت نے بارہا بین الاقوامی برادری کو یقین دلایا ہے کہ اس کے ایٹمی منصوبے میں ایٹم بم بنانا شامل نہیں تاہم امریکی سمجھتے ہیں کہ وہ خفیہ طور پر ''وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں'' کی تیاری میں مصروف ہیں (یہی شوشہ امریکہ نے عراق کے خلاف بھی چھوڑا تھا مگر کھودا پہاڑ نکلا چوہا) اس ضمن میں امریکہ کی براؤن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ پروگرام کے پروفیسر ڈاکٹر اوبیان کا کہنا ہے:

''امریکی ایرانی ایٹمی منصوبے کی مخالفت کرتے ہوئے نہ جانے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ منصوبہ انہی کی زیر نگرانی شروع ہوا ہے' بوشہر میں ایٹمی ریکٹر امریکی اعانت سے تعمیر کیے گئے۔ امریکی حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ ان ریکٹروں سے حاصل ہونے والے استعمال شدہ ایندھن سے ایٹم بم نہیں بنایا جا سکتا۔

آئی اے ای اے کے انسپکٹر اور سربراہ محمد البرادی کئی بار اعتراف کر چکے ہیں کہ ایرانی این پی ٹی معاہدے کی کوششوں کے مطابق اپنا ایٹمی منصوبہ ترقی دے رہے ہیں اور وہاں ایسا کوئی مواد نہیں ملا جس سے کہ ایٹم بم بنایا جا سکے۔ حتیٰ کہ 1983ء میں جب ایرانیوں نے یورینیم افزودہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو آئی اے ای اے نے اسے پیشکش کی تھی کہ وہ ادارے کے سائنسدانوں سے مدد لے سکتا تھا۔ بعدازاں ایجنسی نے امریکی دباؤں پر یہ پیشکش واپس لے لی۔

مغربی (امریکی نقطہ نظر)

امریکہ اور اس کے حواریوں کا کہنا ہے کہ ایران میں چونکہ تیل و گیس کے وسیع ذخائر ہیں' اس لئے اسے ایٹمی توانائی کی ضرورت نہیں تاہم بالغ نظر اس دلیل کو بودی قرار دیتے ہیں۔ سائنس ثابت کر چکی ہے کہ اگلے پچاس برس میں کرہ ارض سے تیل و گیس کے ذخائر تقریباً ختم ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ہر ملک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ توانائی کے متبادل طریقے دریافت کرے اور ان سے فائدہ اُٹھائے۔

مشرق وسطیٰ کی سیاست کے باعث بھی امریکہ ایران کو ایٹمی طاقت نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر ایران نے بالفرض ایٹمی ہتھیار بنا لئے تو مشرق وسطیٰ میں قائم اس کے تمام بحری و بری فوجی اڈے براہِ راست ایرانی حملے کی زد میں آ جائیں گے۔ پھر اس صورت میں خطے میں طاقت کا توازن بھی امریکی نقطہ نظر سے بگڑ جائے گا۔ وہ چاہتا ہے کہ خطے میں اسرائیل ''چودھری'' رہے' ایران نے ایٹم بم بنا لیا تو اس کا یہ خواب پریشان ہو جائے گا' اسی لئے ایرانی ایٹم بم نے امریکیوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ امریکہ کو یہ بھی خطرہ ہے کہ ایرانی ایٹمی منصوبے کی کامیابی سے مصر' لیبیا' سعودی عرب'

شام وغیرہ کو بھی ہمت ملے گی کہ اپنے ایٹمی منصوبے شروع کر دیں۔

کیا ایران ایٹم بم بنالے گا؟

اس بات پر ماہرین متفق نہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ دو سے بیس سال میں ایرانی ایٹم بم بنانے کے لئے یورینیم افزودہ کرلیں گے۔ مگر دیگر ماہرین کا کہنا ہے کہ ایران اتنی تکنیکی صلاحیت حاصل ہی نہیں کر سکے کہ ایٹم بم بنالیں۔ بہر حال اگر ایران نے ایٹم بم بنالیا تو سب سے زیادہ نقصان اسرائیل کو پہنچے گا جو خود ایٹمی طاقت ہے اور اس نے اسی بل بوتے پر فلسطینیوں کے خلاف ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

امریکہ اور یورپی یونین کو ایران کے خلاف اقدامات کرنے کے سلسلے میں اس لئے بھی کامیابی ہو رہی ہے کہ عالم اسلام میں اتحاد نہیں۔

سعودی عرب اور ایران کے مخالف دیگر اسلامی ممالک یہ نہیں چاہتے کہ وہ ایٹمی طاقت بن جائے۔ حالانکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو ایران کے ایٹم بم بنانے سے مشرق وسطیٰ میں طاقت کا توازن برابر ہو جائے گا اور پھر اسرائیل وامریکہ کو مجبور کیا جاسکے گا کہ وہ فلسطینیوں کو ان کا حق، فلسطینی ریاست دیں۔ بصورت دیگر وہ ماضی وحال کی طرح لیت ولعل سے کام لیتے رہیں گے۔

ایران کی ایٹمی تنصیبات:

ایرانیوں نے یہ عقل مندی کی ہے کہ انہوں نے اپنے ایٹمی منصوبے سے متعلق سرگرمیوں کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا ہے۔ اس طرح ان پر حملہ کرنا اب آسان نہیں۔ ایران کی اہم ایٹمی تنصیبات کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

☆ نانتز انرچمنٹ سنٹر: نانتز شہر میں واقع اس مرکز میں یورینیم کو سینٹری فیوج مشینوں کے ذریعے افزودہ کیا جارہا ہے' مغربی ماہرین کے مطابق یہاں سالانہ اتنا یورینیم افزودہ کیا جاسکتا ہے کہ پانچ ایٹم بم بنائے جاسکیں۔

☆ ارک ایٹمی ریکٹر: ایرانی اس شہر میں بھاری پانی سے چلنے والے موڈریٹ ریکٹر تعمیر کر رہے ہیں جو 2014ء تک اپنا کام شروع کر دے گا۔ اس کے بعد استعمال شدہ ایندھن (پلوٹونیم) سے مغربی ماہرین کے مطابق سالانہ تین ایٹم بم بنائے جاسکیں گے۔

☆ زرقونیم پروڈکشن پلانٹ: یہ پلانٹ اصفہان میں واقع ہے۔ اس میں زرقونیم دھات کے ذریعے خصوصی مخلوط بھرتیں (Alloys) تیار کی جاتی ہیں جو ایٹمی ریکٹروں کی تیاری میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس پلانٹ میں صنعتی مقاصد کے لئے دیگر خصوصی مخلوط بھرتیں بھی بنائی جاتی ہیں۔

☆ ساگھند: اس جگہ خام یورینیم کی کانیں ہیں۔ ایرانی ان کانوں سے یہ قیمتی معدن نکالنے لگے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق 100 سے 150 مربع کلومیٹر کے رقبے پر تین سے پانچ ہزار ٹن خام یورینیم (یورینیم آکسائیڈ) موجود ہے۔

☆ ادارہ منتقلی یورینیم (Uraniam Conversion Facility): اس دارے میں یورینیم کے مختلف مرکبات تیار کیے جاتے ہیں جو بطور ایندھن ریکٹروں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس ادارے میں "زرد کیک" کو یورینیم ہیکسا فلورائیڈ میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

ایران دنیا کی آٹھویں ایٹمی طاقت

ایران، مغرب تنازعہ دن بدن نئی جہات اور امکانات کے حوالے سے انتہائی اہم صورتحال اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مغرب خصوصاً امریکہ مزید کسی بھی اسلامی ملک کو ایٹمی ٹیکنالوجی کا حامل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس مقصد کے لیے تا حال سفارتی ذرائع سے ایران پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ یورینیم افزودگی کا عمل ترک کر دے لیکن ایران ایسا کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو ایک بات بہت واضح ہوتی جا رہی ہے کہ مغرب اور امریکہ ایران کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ ویسے بھی جن حقائق کی بنیاد پر مسلمان ممالک کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے وہ خواہ کتنے ہی بے سروپا کیوں نہ ہوں ان کو حقیقت بنانا امریکہ یا مغرب کے لیے ناممکنات میں سے کبھی نہیں رہا۔ افغانستان پر حملے کے اسباب و واقعات کا تعلق جس طرح طالبان اور القاعدہ کے ساتھ جوڑا گیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور پھر عراق میں قتل و خونریزی کے لیے جن تباہ کن ہتھیاروں کو جواز بنایا گیا وہ تا حال کسی کو نہیں مل سکے اور بش انتظامیہ بھی اب اس حملے کو ناقص انٹیلی جنس کی کارروائی قرار دیتی ہے لیکن صدام حسین کے 28 سالہ دور حکومت میں جتنی ہلاکتیں ہوئیں وہ حالیہ جنگ کے تین سالوں میں ہونے والی ہلاکتوں کا عشر عشیر بھی نہیں اب ایران کو ہر طرف سے گھیر کر مشق ستم بنانے کی تیاریاں جاری ہیں لیکن واریگم اب ایران اور مغرب کے درمیان نہیں رہی۔ ذرا وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلے گا ایران جہاں شاہ کے دور میں سی آئی اے کا اثر رسوخ اپنے عروج پر تھا وہاں کے جی بی کے زیر تعاون انقلاب کی تحریک اس طرح کامیاب ہوئی کہ امریکہ آج تک زخم چاٹ رہا ہے۔ انقلاب ایران بھی درحقیقت دو عالمی ایجنسیوں کی محاذ آرائی اور ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا امتحان تھا جس میں سی آئی اے کو شکست کا سامنا ہوا اور کے جی بی فتح سے ہمکنار ہوئی یوں امریکہ اس خطے میں شاہ ایران جیسے وفادار دوست کو کھو بیٹھا جبکہ دوسری طرف روس کو اسلام نواز طبقے کی صورت میں مضبوط اتحادی میسر آئے۔ انقلاب ایران سے لے کر تا حال امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ہر محاذ پر ایران کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ ایران نے عراق کے ساتھ طویل جنگ اور عالمی اقتصادی پابندیوں کا سامنا کیا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ ایران کو اپنے اثاثہ جات کا انجماد بھی برداشت کرنا پڑا لیکن ہر محاذ پر ایران اپنے ٹھوس موقف پر نہ صرف قائم اور ثابت رہا بلکہ اس نے بہت حد تک اپنے آپ کو غیور اور انا پرست اقوام عالم کی صف میں کھڑا کر لیا ہے۔ اس سارے عرصے میں ایران نے اپنی خارجہ پالیسی میں ڈرامائی حد تک دلیرانہ اقدامات اٹھائے ہیں۔ روس کے ساتھ تعلقات کسی حد تک اسرائیل اور امریکہ پر کھل کر عیاں ہیں بلکہ ایران کا رہنما

ایٹمی پروگرام بڑی حد تک روسی تعاون سے ہی چل رہا ہے۔ روس جسے افغانستان میں پاکستان کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی اور بعد میں وسط ایشیائی ریاستوں میں انقلاب آزادی اور جمہوری اصلاحات کے نتیجے میں عظیم روس کو ایک دھچکا لگا تھا پندرہ سال کے طویل عرصے میں اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ روسی وزیر خارجہ کا یہ بیان کہ روس امریکہ کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا لیکن دوست بھی نہیں ہماری خارجہ پالیسی کیا ہے ہم کسی پر عیاں نہیں کریں گے۔ ان کی خارجہ پالیسی کا عکاس ہے۔ مغرب جب ایران پر اقتصادی پابندیوں کی بات کرتا ہے تو روس دوسری طرف ایران کو افزودہ یورینیم کی فراہمی پر بھی تیار نظر آتا ہے بلکہ ایران پر تازہ ترین الزامات میں سے ایک الزام اب یہ ہے کہ ایران نے ترقی دادہ پی۔ ٹو سنٹری فیوجز کی تین کھیپیں وصول کی ہیں۔ واضح رہے کہ P2 سنٹری فیوجز یورینیم افزودگی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اگر اس بات میں صداقت ہو تو پھر مغرب کے اس دعویٰ کو مزید تقویت ملے گی کہ تہران در پردہ حساس نوعیت کا ایٹمی پروگرام چلا رہا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف ہے۔ ایران ایٹمی تنازعہ میں سفارتکاری کے فرائض سرانجام دینے والے ڈپلومیٹس نے الزام لگایا ہے کہ ایران نے بلیک مارکیٹ سے نیٹ ورک P2 سنٹری فیوج خریدے۔ واضح رہے کہ ایران کے پاس P1 سنٹری فیوجز موجود ہیں اور وہ اس بات سے انکاری ہے کہ اس نے P2 سنٹری فیوج وصول کیے ہیں۔ تہران کا کہنا ہے کہ اس کا ایٹمی پروگرام پرامن مقصد کے لیے ہے۔ جبکہ امریکہ اس بات پر مصر ہے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام بجلی کی بجائے ہتھیاروں کی تیاری کے لیے ہے اور اب انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (آئی اے ای اے) P2 سنٹری فیوج کے معاملے پر تحقیقات کر رہی ہے جبکہ ایران نے تسلیم کیا ہے کہ اس نے صرف P2 سنٹری فیوج کے ڈیزائن وصول کیے ہیں اور 1995ء سے 2002ء تک ان ڈیزائنوں پر کوئی کام نہیں کیا۔

اب ایران ایٹمی تنازعہ اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں اس کی واپسی کے امکانات معدوم ہیں۔ ایران بہت سے حوالوں کے ساتھ اس پوزیشن میں ہے کہ وہ مغرب کے ساتھ ٹکر لے سکے۔ ایران کے پاس سب سے بڑا ہتھیار تیل کا ہے۔ اور وہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے جو روزانہ تقریباً 2.5 ملین بیرل تیل برآمد کرتا ہے۔ جو باقی دنیا کے برآمدی مقدار سے ایک ملین بیرل زیادہ ہے۔ ایران کی طرف سے تیل کی سپلائی روکنے کی صرف دھمکی پر 30 اگست 2005ء کو خام تیل کی قیمت 70.85 امریکی ڈالر فی بیرل تک بڑھ گئی ہیں۔ ایران نے جب سے اقوام متحدہ کی طرف سے سیل کیے گئے یورینیم کی افزودگی دوبارہ شروع کی ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک تیل کی قیمتوں میں 72 سینٹ فی بیرل تک اضافہ ہو چکا ہے۔ اب اگر ایران پر سلامتی کونسل اقتصادی پابندیاں عائد کرے تو ایران مغرب کو تیل کی سپلائی روک کر افراتفری مچا سکتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ پوری دنیا سے روزانہ ایک ملین بیرل زیادہ تیل برآمد کرنے والا ملک اگر تیل کی برآمد روک دے تو طلب میں اضافہ اور رسد میں کمی کے تناسب سے دنیا میں تیل کا کس قدر شدید بحران پیدا ہو۔

دوسری سب سے اہم وجہ ایران اور روس کے مضبوط تعلقات ہیں۔ روس نے ہر موقع پر کھل کر ایران کا ساتھ دیا ہے جو مغرب کے لیے کھٹک رہا ہے۔ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ کے علاوہ جرمنی، فرانس، برطانیہ کو ایران کے ایٹمی پروگرام سے زیادہ خدشات لاحق ہیں لیکن ان سب سے بڑھ کر اسرائیل ہے جس کو ایران کا ایٹمی پروگرام ایک آنکھ نہیں بھاتا بلکہ اسرائیلی وزیر دفاع نے ایرانی ایٹمی پروگرام کو تباہ کرنے کے

لیے تیاریوں کا عندیہ دے دیا جبکہ ایران اسے بچگانہ حرکت قرار دے رہا ہے۔ واضح رہے کہ اسرائیلی طیاروں نے عراقی ایٹمی ری ایکٹر کو جو فرانس کی مدد سے چل رہا تھا' تباہ کر دیا تھا۔ اب بھی اسرائیل اسی طرح کے جذبات کا اظہار کر چکا ہے جبکہ دوسری طرف ایرانی میزائلوں کی رینج بھی اسرائیل اور تل ابیب تک بڑھا دی گئی ہے۔ یوں ایران اسرائیل کے لیے کانٹا بن کر کھٹک رہا ہے۔ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد جو ایک سخت گیر شخصیت کا تاثر رکھتے ہیں' اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کو محفوظ کرنے کے لیے روسی صدر ولادی میر پیوٹن نے یہ تجویز دی تھی۔ ایران تمام ایٹمی مراکز کو روس منتقل کر دے اور اس حوالے سے وہ ہر طرح کی ضمانت دینے کو تیار ہیں لیکن ایران نے اس پیشکش کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں اور انہوں نے یورینیم کی افزودگی کو صنعتی سطح تک جاری رکھنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ تہران کے ایٹمی مذاکرات کار علی لاریجانی نے فنانشل ٹائمز کو اپنے ایک انٹرویو میں اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ اگر ایران ایٹمی تنازعہ کو سکیورٹی کونسل میں پیش کیا تو ایرانی حکومت کو مجلس (ایرانی پارلیمنٹ) کی طرف سے تمام رضا کارانہ اقدامات حتیٰ کہ اضافی پروٹوکول برائے این پی ٹی کے لیے حمایت حاصل ہے۔ اسرائیل حملے کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ہم نے اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام تر اقدامات کر لیے ہیں اور اسرائیل بخوبی جانتا ہے کہ اس غلطی کا اسے کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اسرائیلی وزیر دفاع شاول موفاذ کے بیان کے بعد ایران اور عراق کے شیعہ حلقوں میں شدید بے چینی کی لہر پیدا ہوئی اور تقریباً ایک ہزار نوجوانوں نے اسرائیل اور امریکہ کے خلاف اظہار یکجہتی کے لیے اصفہان کے ایٹمی فیول ریسرچ سنٹر کے باہر انسانی زنجیر بنائی۔ بعض تصاویر میں تو بچے بھی اس انسانی زنجیر کا حصہ بنے ہوئے نظر آئے۔ دوسری جانب عراق کے عالمی شہرت یافتہ شیعہ رہنما مقتدیٰ الصدر نے بھی ایران پر حملے کی صورت میں ایران مکمل حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ مقتدیٰ الصدر کی حمایت دراصل عراقی شیعہ کمیونٹی کی ایران کے ساتھ فطری و جذباتی وابستگی کی عکاس ہیں۔

دوسری جانب 22 جنوری 2006ء کو جاری کردہ ایک سیٹلائٹ تصویر میں ایک ایسی بلڈنگ دکھائی گئی ہے جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس کی 7 کمپاؤنڈز میں P2 سنٹری فیوجز کی مدد سے ایٹمی ہتھیاروں کے لیے یورینیم افزودگی جاری ہے۔ جس جگہ کی تصویر جاری کی گئی ہے وہ تہران سے 200 میل دور جنوبی میں واقع اس مرکز کی نشاندہی 2002ء میں ایران کے ایک باغی گروپ کی طرف سے کی گئی برطانوی ہاؤس آف کامن میں ایرانی نیشنل کونسل برائے مزاحمت کی ترجمان دولت نوروڈی نے پریس کانفرنس کے دوران انکشاف کیا کہ ایران دو طرح کے ایٹمی آلات بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

1- ہاٹ آئسوسٹیٹک پریس

2- ہاٹ پریس

دونوں آلات افزودہ یورینیم ایٹمی ہتھیاروں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان کو میٹریل اینڈ انرجی ریسرچ سنٹر میں تیار کیا گیا ہے جبکہ آئی اے ای اے نے ان دونوں آلات کو ممنوعہ قرار دیا ہے وہ مقام جہاں یہ آلات تیار کیے ہیں وہ کرج کے قریب مشکین دشت کنارے پر واقع ہے اور اسے ڈاکٹر فتح اللہ موزتر ازادہ وزارت سائنس کے زیر سایہ چلا رہے ہیں۔ دونوں آلات کی مدد سے دباؤ اور حرارت دے کر ایٹم بم

کے لیے یورینیم کے کرے تیار کیے جاسکتے ہیں۔ دباؤ اور حرارت کے مجموعے سے یورینیم کو کم درجہ حرارت پر بھی پگھلایا جاسکتا ہے۔ دولت نوروزی نے مزید بتایا کہ ایران نے ان آلات کے حصول کے لیے مغربی ممالک سے رابطے بھی کیے تھے اور ان میں قابل ذکر بلجیم ہے جبکہ تیس سال پہلے امریکہ کی طرف سے فراہم کردہ مشین کو تبدیلیوں کے بعد قابل استعمال بنالیا گیا ہے۔

گلوبل سکیورٹی آرگنائزیشن واشنگٹن کے ڈائریکٹر جان پائیک کے مطابق ایران پاکستانی ایٹمی پروگرام کی مکمل نقل کر رہا ہے۔ امریکی انٹیلی جنس افسران بھی عرق سنٹر جہاں ایران میڈیکل آئسوٹوپ پروگرام کے لیے بھاری پانی تیار کر رہا ہے کو خوشاب کے مقام پر قائم ایٹمی ریسرچ سنٹر جیسا قرار دے رہے ہیں۔ بھاری پانی کے ری ایکٹرز یورینیم کو مزید افزودہ کیے بغیر وپین گریڈ پلوٹونیم میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

انڈیا' اسرائیل' شمالی کوریا' روس اور امریکہ بھاری پانی کے ری ایکٹر کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ امریکی ماہرین کے مطابق ایران اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ عرق ریسرچ سنٹر میں سالانہ تین ایٹم بموں کے لیے پلوٹونیم تیار کر سکے۔

اس ساری صورتحال کے تناظر میں ایک بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایران در پردہ ایٹم بم بنانے کی اہلیت حاصل کر چکا ہے اور اس سلسلے میں اسے سی۔ آئی۔ اے کی طرف فراہم کردہ ایٹم بموں کے ناقص ڈیزائن جسے روسی اور ایرانی سائنسدانوں نے بہتر بنالیا ہے کا تعاون حاصل ہے۔ ایران بیلسٹک میزائل کی تیاری کے حوالے سے بھی سرگرم ہے اور شہاب ملی میزائل پروگرام بھی اس بات کا عکاس ہے کہ وہ ایٹمی وار ہیڈ لے جانے والے میزائل کی تیاری اور استعمال کی بھی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔ امریکی انٹیلی جنس رپورٹس کے مطابق ایران اس بات کا حامل نہیں کہ ایٹمی بجلی گھر اور دیگر مقاصد کے لیے ایٹمی پروگرام اس کامیابی کے ساتھ چلا سکے جن کا وہ دعویدار ہے لیکن ایٹم بم بنا سکتا ہے۔ برطانیہ' فرانس اور جرمنی کے سفارتکار جو EU3 مذاکراتی ٹیم کا حصہ ہیں۔ اگلے ماہ آئی اے ای اے کی ہنگامی میٹنگ سے قبل ایران کے خلاف مسودہ قانون پر روسی اور چینی رضا کاروں کے ساتھ مذاکرات کے لیے واشنگٹن پہنچ گئے۔ جبکہ روس اور چین ایران پر ممکنہ اقتصادی پابندیوں کے حامی دکھائی نہیں دے رہے۔

امریکہ اور اسرائیل میں صف ماتم

ایران نے ایٹمی صلاحیت کا حامل ملک ہونے کا تہلکہ خیز اعلان کر کے امریکہ، یورپ اور اسرائیلی حکومتوں اور دفاعی اداروں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ایرانی صدر کے اس باضابطہ اعلان کے ساتھ ہی جہاں عالم اسلام کے بیشتر ممالک میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے وہاں اسلام دشمن قوتوں کی صفوں میں ایک بار پھر اسی طرح صف ماتم بچھ گئی ہے جس طرح 1998ء میں 28 مئی کو بھارتی ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پاکستان نے چھ کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ اور ہنود کی نیندیں حرام کی تھیں۔ اگرچہ ایران نے باضابطہ طور پر ابھی ایٹمی دھماکہ تو نہیں کیا لیکن ایرانی صدر کی تقریر کے زیر بیان یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے کہ اگر امریکہ اور مغربی دنیا نے اس کے خلاف دباؤ میں اضافہ کیا یا اس کی سلامتی و بقا کے لیے چیلنج اور مشکلات پیدا کیں تو وہ کسی بھی وقت ایٹمی دھماکہ کر کے اس کا باضابطہ اعلان بھی کر سکتا ہے۔ ایران کا ایٹمی صلاحیت کا حامل ملک ہونے کے بارے میں اعلان ایرانی صدر احمدی نژاد نے مشہد میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ ان کا ملک نیوکلیئر پاور سٹیشنوں کے لیے یورینیم افزودہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر کے ایٹمی طاقت بن گیا ہے۔ اس لیے اب دنیا سے نئے لہجے میں بات ہوگی۔ دشمن ہمارا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ایران ایٹمی ٹیکنالوجی کے حامل ملکوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔ ایرانی صدر احمدی نژاد کی تقریر کے ساتھ ہی ہزاروں کے مجمع میں اللہ اکبر اور امریکہ مردہ باد کے فلک شگاف نعرے گونجنے لگے اور عوام کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ احمدی نژاد نے بتایا کہ ایرانی انجینئروں نے ایٹمی توانائی کی حد تک یورینیم افزودگی کی صلاحیت حاصل کی ہے، لیکن ابھی ایٹم بم بنانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تاہم سول مقاصد کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی کا استعمال ہمارا حق ہے۔ اُنہوں نے یورپی ملکوں پر زور دیا کہ وہ ایران کے اس حق کو تسلیم کر لیں۔ ایران کی ایٹمی کامیابیوں کے بارے میں ایرانی فوج کے جائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل حسن فیروز آبادی کا کہنا ہے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام اب رُکنے والا نہیں بلکہ مغربی ممالک کی دھمکیوں کے باوجود ہمارے سائنسدانوں نے اپنا کام جاری رکھا اور مطلوبہ معیار تک یورینیم افزودہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی اور جو قوم اس حد تک کبھی ایٹمی صلاحیت حاصل کر لے تو اس کے خلاف کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہماری اپنی ٹیکنالوجی ہے اور اب ہم یورینیم افزودہ کرنے کے لئے سینکڑوں فیکٹریاں اور ہزاروں سینٹری فیوجز بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اب مغرب کے لیے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

صدر ایران محمود احمدی نژاد نے یہ بھی کہا کہ ایران کے نیوکلیئر پروگرام پر شور مچانے اور اس میں کئی سال کی تاخیر کرنے والوں کو اس عظیم ملک سے معافی مانگنی چاہیے۔ دشمن اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ وہ نفسیاتی جنگ اور اشتعال انگیزی کے ذریعہ عوام کو خوفزدہ کر دیں گے لیکن انہیں اب ایرانی قوم کی عظمت کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ وہ اس بات کو جان لیں کہ اگر ایران کی توہین کا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے تو ان کے اس رویہ کے نتیجہ میں دشمنوں کو عوام کی طرف سے شدید نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ احمدی نژاد کی تقریر کے دوران حاضرین جلسہ نے امریکہ مردہ باد اور اسرائیل مردہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ صدر ایران نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر مخالفین بین الاقوامی برادری میں ایران کو ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں تو پھر انہیں دیگر تمام ممالک سے بھی ایسے ہی نعرے سننے پڑیں گے۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ طاقت کے نشہ میں سرشار ممالک کے قائدین دیگر ممالک میں تو کجا خود اپنی قوم میں مقبول نہیں ہیں۔ احمدی نژاد نے یہ بھی کہا کہ ''اگر تم خدائے واحد کی بندگی کی سمت مراجعت نہیں کرو گے اور ناانصافی کا سلسلہ جاری رکھو گے تو پھر ایرانی قوم کے غیظ و غضب کے شعلے تمہاری جڑوں تک کو جلا کر رکھ دیں گے۔ علاوہ ازیں شمال مشرقی صوبہ خراساں کے مقدس شہر مشہد میں علماء اور دانشوروں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ ایران کا نیوکلیئر پروگرام پرامن مقاصد کا حامل ہے۔ جو لوگ بڑے پیمانے پر تباہی کے حامل ہتھیاروں کی بات کر رہے ہیں' ان کی ذہنیت پچاس سال پرانی ہے۔ ایرانی قوم کو نیوکلیئر ہتھیاروں سے طاقت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قوم کی قوت اس کے گہرے مذہبی عقائد میں مضمر ہے۔ ایران اب جبکہ عالمی نیوکلیئر کلب میں شامل ہو چکا ہے' دنیا سے مختلف لب و لہجہ میں مخاطب ہوگا۔ ایرانی قوم کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے کبھی بھی کسی تنازعہ کو ہوا نہیں دی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ رب العزت کے فضل اور ایرانی نوجوانوں کی مدد سے ہم نے نیوکلیئر فیول کی تیاری کی ٹیکنالوجی پر مکمل دسترس حاصل کر لی ہے۔

دوسری طرف ایران کے ایٹمی پروگرام اور یورینیم افزودگی کے معاملہ پر روس نے کہا ہے کہ ایران کو یورینیم افزودگی ترک کر دینی چاہیے۔ ماسکو سے جاری ہونے والے ایک بیان میں روسی حکومت کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ایران نے غلط سمت میں قدم بڑھایا ہے تاہم روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروکا کہنا ہے کہ ان کے خیال میں ایران کا مسئلہ طاقت کے استعمال سے حل نہیں کیا جانا چاہیے۔ دریں اثناء روس کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ایرانی سینئر عہدیدار نے کہا ہے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام آبشار کی مانند ہے اسے اب روکا نہیں جا سکتا۔ اس حوالے سے ایران کے سابق صدر ہاشمی رفسنجانی نے کہا کہ یورینیم افزودہ کرنے کی صلاحیت ایران کے لیے بڑی کامیابی ہے اب ہم اس کام کے لیے اقوام متحدہ کا دباؤ قبول نہیں کریں گے۔ ہاشمی رفسنجانی جو ان دنوں شام کے دورے پر ہیں دمشق میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی قوم مشکلات کے باوجود ایٹمی راستے پر چلتی رہے گی۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا کی طرف سے ایران کے بارے میں ظاہر کی جانے والی تشویش اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی کو صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم کسی کے لیے خطرہ نہیں بلکہ ہماری پرامن ایٹمی ٹیکنالوجی اور صلاحیت باقی ملکوں کے لیے بھی معاون ثابت ہوگی۔ ایران کی طرف سے ایٹمی صلاحیت کا سرکاری اعلان ہونے کے بعد ملک بھی میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے اور پوری قوم میں زبردست جوش و جذبہ پایا جاتا ہے اور صدر احمدی نژاد نے تقریر میں جیسے ہی ایران کی ایٹمی صلاحیت کا اعلان کیا تو لوگوں نے اللہ اکبر کے

زبردست نعرے لگائے۔ علاوہ ازیں ایرانی اخبارات نے اس حوالے سے بڑے زوردار تبصرے شائع کیے ہیں اور اسے پوری ایرانی قوم کے لیے قابل فخر بات قرار دیا ہے۔

ایران کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے یہ بات اس وقت سب سے زیادہ موضوع بحث ہے کہ کیا ایران مستقبل قریب میں ایٹمی دھماکہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب تک ایران ایٹمی دھماکہ نہیں کرتا اس وقت تک اس کی ایٹمی صلاحیت کے بارے میں شک وشبہ اور گومگو کی کیفیت جاری رہے گی۔ تاہم اس بارے میں دفاعی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ 28 اپریل کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ایران کے ایٹمی معاملے کو حتمی غور وخوض کے لیے پیش کیا جائے گا اور اس موقع پر سلامتی کونسل کے پانچوں مستقل اراکین امریکہ، روس، برطانیہ، چین اور فرانس کی طرف سے اگر اتفاق رائے کے ساتھ کوئی قرارداد پیش کی گئی جس میں ایران کے خلاف اقتصادی پابندیوں کا اعلان بھی متوقع ہے تو عین ممکن ہے کہ ایرانی حکومت غصے اور اشتعال میں آ کر فوری طور پر ایٹمی دھماکہ کر ڈالے لیکن اس حوالے سے بھی ایٹمی و دفاعی ماہرین کی آراء متضاد ہیں۔ ایک رائے کے مطابق ایران میں یورینیم افزودگی کا جو عمل کیا جا رہا ہے وہ صرف کم درجے کی افزودگی ہے جبکہ جوہری ہتھیاروں میں استعمال ہونے والا نیوکلیئر فیول بنانے کے لئے انتہائی بڑے درجے کی افزودگی کی ضرورت ہوتی ہے جس میں ہزاروں سینٹری فیوجز درکار ہوں گے۔ لیکن فی الوقت ایران صرف 164 سینٹری فیوجز استعمال کر رہا ہے۔ اس لیے ماہرین کے مطابق ابھی ایران کو جوہری بم بنانے میں کئی سال لگیں گے۔ تاہم دوسرے طبقے کی رائے اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام دنیا کے سامنے تو اب ایک ایشو بن کر آیا ہے لیکن وہ گزشتہ کئی سالوں سے خفیہ طور پر ایٹمی تحقیق میں مصروف تھے اور جہاں تک یورینیم افزودہ کرنے کی بات ہے تو اس میں بھی ایران نے کئی سال قبل مہارت حاصل کر لی تھی اور اب وہ تیزی کے ساتھ اپنے ایٹمی پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ خاص طور پر گزشتہ چند سالوں کے دوران اس حوالے سے ایران نے بعض بڑی کامیابیاں حاصل کیں ہیں جن میں یورینیم کی ایٹمی دھماکے کے لیے مطلوبہ معیار تک افزودگی بھی شامل ہے۔ اسی وجہ سے ایران نے اپنے میزائل پروگرام کو بھی بڑی تیزی کے ساتھ ترقی دی ہے اور شہاب میزائلوں کے ذریعے ایٹمی ہتھیار لے جانے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی ہے تاہم اس کا باضابطہ اعلان علاقائی اور عالمی سطح پر ہونے والی پیش رفت کو مدنظر رکھ کر ہی کیا جائے گا۔ اس وقت چونکہ ایران کا ایٹمی معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیر بحث ہے اور 28 اپریل کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے کے سربراہ محمد البرادی جو ایران کے فیصلہ کن اور ہنگامی دورے پر ہیں۔ ان کی ایران آمد سے ایک روز قبل ایرانی صدر کی طرف سے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا اعلان بڑا معنی خیز ہے۔ تاہم اس دورے میں محمد البرادی کی رپورٹ کی روشنی میں ہی سلامتی کونسل اس پر بحث کرے گی اور آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرے گی۔ اس وقت تک ایران محتاط رہنا چاہتا ہے تاہم سلامتی کونسل کے اجلاس کے فیصلے کی روشنی میں نئے اقدام کا اعلان کرے گا۔ ایران کے جارحانہ رویے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اسے اپنے ایٹمی پروگرام کی نوعیت اور صلاحیت سے پوری آگاہی ہے جس کی روشنی میں احمدی نژاد جرات مندی، حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں جو امریکہ، مغرب اور بالخصوص اسرائیل کے لیے شدید تشویش اور پریشانی کا باعث بن چکی ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کا ردعمل:

امریکہ نے ایران کی طرف سے یورینیم افزودگی کی صلاحیت حاصل کرنے کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایران غلط سمت چل پڑا ہے۔ اب اس کے خلاف سخت اقدام کرنا پڑے گا۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچوں مستقل ارکان اور جرمنی کو اب غور کرنا چاہیے کہ اگر ایران اس راستے پر چلنا بند نہیں کرتا تو اس کے خلاف کیا کارروائی کرنی چاہیے۔ وائٹ ہاؤس کے ترجمان سکالٹ میکلیلن نے صحافیوں کو بتایا کہ ایرانی صدر کی طرف سے یورینیم افزودگی کی صلاحیت حاصل کرنے کے اعلان نے اس بات کو اجاگر کر دیا ہے کہ عالمی برادری اس کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں کیوں تشویش میں مبتلا ہے۔ اگر ایران اسی راہ پر چلتا رہا تو ہم سلامتی کونسل کے باقی مستقل ارکان سے اس بارے میں بات کریں گے کہ اب اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ اب پابندیاں تو یقینی طور پر لگانا ہی پڑیں گی۔ تاہم اپنے اتحادیوں اور دوستوں سے مل کر اس خطرے کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کریں گے۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے کہا ہے کہ ایران کے خلاف سخت اقدامات کی ضرورت ہے۔ اب اس معاملے پر غور کیا ہے کہ سلامتی کونسل کا اجلاس پھر بلانا چاہیے۔ عالمی برادری کی ساکھ کو بچانے کے لیے اب ہمیں سخت اقدامات کرنا پڑیں گے۔ سلامتی کونسل نے ایران کو ایٹمی سرگرمیاں بند کرنے کے لیے 28 اپریل تک کی مہلت دی تھی۔ امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان سین مک کارمک نے کہا ہے کہ ایران کا یہ اعلان عالمی برادری کی بات ماننے سے ایک اور انکار ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ عالمی برادری کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا۔ ایران کے اس اعلان سے عالمی برادری کی سوچ میں وزن پیدا ہو گیا ہے کہ ایران کے خلاف پوری توجہ سے اقدام کرنا پڑے گا۔

اسرائیل نے ایران کی جانب سے یورینیم افزودگی کی صلاحیت حاصل کر لینے کے اعلان پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے امریکہ پر زور دیا ہے کہ وہ تہران کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ اسرائیل ریڈیو سے گفتگو کرتے ہوئے شمعون پیریز نے کہا کہ ایران کا اعلان تشویشناک ہے تاہم اسرائیل کو متحمل رہنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران کا معاملہ امریکہ کے ٹاپ ایجنڈے پر ہے اور اس لیے اسرائیل کو اس میں ملوث نہیں ہونا چاہیے۔ امریکہ متوقع خطرے سے پوری طرح آگاہ ہے اور اب معاملہ اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اسرائیلی فوج کے چیف آف سٹاف ڈین بالوتز نے اسرائیلی ریڈیو کو بتایا کہ اگرچہ ایران کا یورینیم افزودگی کا اعلان اہم پیش رفت ہے مگر وہ ابھی تک جوہری ہتھیار تیار کرنے کی صلاحیت سے دور ہے اس لیے ابھی ہمارے پاس ایران کے ایٹمی پروگرام کو روکنے کی مہلت موجود ہے۔ بالوتز کا کہنا تھا کہ ابھی یہ واضح نہیں کہ اگر ایران جوہری ہتھیار بنانے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو اسرائیل ہی اس کا پہلا ہدف ہوگا۔ دوسری جانب اسرائیل ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ آموس یادلین نے ایران کے یورینیم افزودگی کے پروگرام کو روکنے کے لیے کوششوں کو تیز تر کرنے پر زور دیا۔

ایران کے جوہری پروگرام پر امریکی دباؤ

ایٹمی ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ ایک گھناؤنا عمل ہے جس کی وجہ سے آج دنیا کا امن خطرے میں پڑ چکا ہے۔ مغربی ممالک نے امریکہ سے مل کر منظم طور پر ایک پروپیگنڈا مہم چلائی جس کے تحت مسلم ملکوں کو ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث کر کے ان کے گرد گھیرا تنگ کیا جانے لگا یہاں تک کہ ان خطرناک ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر امریکہ عراق پر حملہ آور ہو گیا اور بش انتظامیہ نے اعلان کر دیا کہ اب کسی ملک کو پرامن مقاصد کی آڑ میں بھی یورینیم افزودہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ معاملہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گمبھیر ہوتا چلا گیا اور اب یہ تنازعہ محض پاکستان، لیبیا، ایران، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ بات اب چین تک جا پہنچی ہے۔ یورپی ممالک اور امریکہ ایٹمی پھیلاؤ کے خالق ہونے کے باوجود اس کا ذمہ دار مسلمان ملکوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل سے قطع نظر صرف مسلم ممالک کو اس جال میں پھنسا کر مذموم مقاصد حاصل کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ پاکستان، لیبیا اور عراق کے بعد امریکہ ایران کے ایٹمی پروگرام کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کو ''برائی کے محور'' کا خطاب دے کر دنیا کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ عالمی امن کو ایران کے توسیع پسندانہ عزائم سے خطرات لاحق ہیں اس لیے اس کا ایٹمی پروگرام ختم کیا جائے جس کے لیے امریکہ اقوام متحدہ کے جوہری توانائی کے عالمی ادارے آئی اے ای اے کو استعمال کر رہا ہے۔ دوسری طرف جنوبی کوریا نے بھی ایٹمی پروگرام کا اعلان کر کے عالمی سیاست میں ہلچل مچا دی ہے۔ امریکہ کا اتحادی اور مغربی ممالک کا منظور نظر جنوبی کوریا جو شمالی کوریا کے جوہری پروگرام پر خدشات کا اظہار کر رہا تھا اچانک ایٹمی اسلحے کی دوڑ میں شامل ہو گیا جس کے بعد متعدد سوالات جنم لے رہے ہیں۔ شمالی کوریا کی جانب سے مسلسل دھمکیاں مل رہی تھیں کہ اگر دباؤ بڑھایا گیا تو شمالی کوریا جنوبی کوریا میں موجود امریکی فوج پر حملہ کر دے گا جس کے بعد مقتدر عالمی حلقوں نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا شروع کیا اور اس کے لیے مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو گزشتہ کئی برسوں سے جاری ہے۔ شمالی کوریا نہ صرف ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس کے پاس دنیا کے جدید ترین میزائل بھی موجود ہیں جن کے وہ گاہے بگاہے تجربات بھی کرتا رہتا ہے مگر اب جنوبی کوریا نے بھی ایٹمی دھماکوں کا عندیہ دے دیا ہے جس کے بعد عالمی سطح پر حالات کی تبدیلی کا قوی امکان ہے کیونکہ جنوبی کوریا نہ صرف امریکہ کا قریبی دوست ملک ہے بلکہ اس کے ساتھ متعدد قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں اب اگر ایٹمی توانائی کا عالمی ادارہ اس پر ردعمل کا اظہار کرتا ہے تو امریکہ کا کیا موقف سامنے آئے گا اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ مختلف ملکوں کے جوہری پروگراموں پر امریکی تشویش

کے بعد یہ مسئلہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کرتا جارہا ہے۔ جنوبی کوریا کے اعلان کے بعد دنیا میں پھر دو ایٹمی ممالک آمنے سامنے آگئے ہیں۔ عالمی سطح پر ابھی اس کے متعلق کوئی شدید ردعمل بھی سامنے نہیں آیا کیونکہ اس کے محرکات کے پیچھے کسی کی آشیر باد بھی شامل ہوسکتی ہے۔ چین جو شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کے بحران حل کرانے میں پیش پیش ہے اس نئی صورت حال کے بعد کیا حکمت عملی اپناتا ہے اس کا جواب بھی سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ امریکہ' مغربی ممالک اور اقوام متحدہ جنوبی کوریا کے اعلان کے بعد کھل کر رائے دینے سے گریز کررہے ہیں۔ شمالی کورین حکام کا کہنا ہے کہ جنوبی کوریا کے ایٹمی اسلحہ کے بیان کے بعد ان کی پوزیشن پہلے سے بہتر ہوگئی ہے اور اب وہ اپنے جوہری پروگرام کا بہتر طریقے سے دفاع کرسکیں گے۔ عالمی ایجنسی نے ویانا میں ہونے والے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں ایران سے یورینیم کی افزودگی روکنے کے لیے کہا گیا اور اس کے لیے اسے 25 نومبر کی ڈیڈ لائن دی ہے' امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے بھی متنبہ کیا ہے کہ ایران کو ایٹمی طاقت نہیں بننا دیا جائے گا اور اگر معاملہ حل نہ ہوا تو اسے سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ برطانیہ' فرانس اور جرمنی بھی امریکہ کی اس مسئلے پر مکمل پشت پناہی کررہے ہیں کہ ایران کا جوہری پروگرام آگے نہ بڑھنے دیا جائے' ایرانی حکام کی ایٹمی اسلحہ نہ بنانے کی بار بار یقین دہانیوں کے باوجود اس پر عالمی دباؤ اس بات کا غماز ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری ایران کو مسلم ممالک کا اہم ستون سمجھتے ہوئے اس کو دفاعی لحاظ سے کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی تیرہ مرتبہ ایران کی ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرچکی ہے اسے ایسا کوئی ثبوت بھی نہیں ملا جس سے ثابت ہو کہ ایران ایٹمی اسلحہ بنا رہا ہے جس کے بعد ایجنسی کے سربراہ البرادی نے رپورٹ پیش کی کہ ایران خطرناک ہتھیار نہیں بنا رہا مگر اس کے باوجود اس معاملے کو متنازعہ بنایا جارہا ہے۔ ایران ابتداء سے ہی اعلان کررہا ہے کہ اس کا ایٹمی پروگرام خالصتاً پرامن مقاصد کے لیے ہے لیکن اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ ہم اسے ترک کردیں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امریکی ہٹ دھرمی اور مغربی ممالک کے دوہرے معیار پر تبصرہ کرتے ہوئے ایران کی قومی سلامتی کے ادارے کے سربراہ حسن روحانی نے عالمی ایجنسی کے فیصلے کو ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ اگر اس مسئلے پر مزید دباؤ ڈالا گیا تو ایران این پی ٹی کے اضافی پروٹوکول سے بھی باہر نکلنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے جبکہ سابق صدر ہاشمی رفسنجانی نے بھی اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آئی اے ای اے کو اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ صدر خاتمی نے بھی اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر یورینیم کی افزودگی روکنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا تو اس کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ ایران اپنے جوہری پروگرام کو پرامن مقاصد کے لیے جاری رکھے گا۔ ایران کے روحانی پیشوا علی محمد خامنہ ای نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ایران کی طرف سے اسرائیل پر پیشگی حملے کے بیان کے بعد امریکہ نے اس کو ایرانی جارحیت پسندی کہتے ہوئے اس کو سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کے لیے اس نے ابھی سے تیاری شروع کردی ہے۔ یورپی ممالک کے ساتھ مل کر امریکہ قرارداد کو سلامتی کونسل میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ ایران پر سخت قسم کی پابندیاں لگائی جاسکیں۔ سوال یہ ہے کہ ایران یورینیم کی افزودگی کس قانون کے تحت جاری رکھے گا تو ایرانی حکام کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قوانین (این پی ٹی) اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ کوئی بھی ملک پرامن مقاصد کے لیے یورینیم کی افزودگی ایک خاص حد تک کرسکتا ہے۔ ایران اسی عالمی قانون کا سہارا لے کر اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے مگر امریکہ ایران کو لیبیا کی طرح اپنے تمام ایٹمی پروگرام کو حوالے کرنے پر بضد ہے کرنل قذافی نے جوہری تنصیبات کو اکھاڑ کر امریکی حکام کے حوالے کرکے جس غلط

روایت کو قائم کیا ہے اس کے باعث دوسرے کمزور ممالک کی سلامتی بھی دفاعی لحاظ سے خطرے میں پڑ گئی ہے۔ اس کی تازہ مثالیں ایران اور شمالی کوریا ہیں جب کہ اب تو جنوبی کوریا بھی اس دوڑ میں شامل ہو گیا ہے۔ شمالی کوریا کا ایٹمی پروگرام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں مگر امریکہ پھر بھی اس مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہتا ہے جبکہ دوسری طرف اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کو تو بالکل ہی نہیں چھیڑا جا رہا کیونکہ وہ مشرق وسطیٰ میں امریکی عزائم کی کامیابی کے لیے ایک اہم مہرے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایران کو طاقت کے ذریعے پرامن ایٹمی پروگرام سے روکنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مسلم ممالک میں خاص اہداف حاصل کرنے کے لیے گھناؤنے منصوبوں پر عمل کیا جا رہا ہے اور یہ طے کر لیا گیا ہے کہ کسی بھی دوسرے اسلامی ملک کو ایٹمی طاقت نہ بننے دیا جائے جس کے لیے اسلامی ممالک کے گرد جال بنے جا رہے ہیں۔ جمہوریت اور غیر مسلح کرنے کی اصطلاحیں استعمال کر کے مسلم ممالک پر قبضے کرنے کا جو سلسلہ چل نکلا ہے وہ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ امریکہ عظیم تر مشرق وسطیٰ کے منصوبے پر عملدرآمد کر کے اس خطے کے وسائل پر تسلط چاہتا ہے امت مسلمہ نے اگر بروقت فیصلے نہ کیے اور مشترکہ حکمت عملی نہ اپنائی تو غلامیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لیبیا کی طرح وقتی فوائد حاصل کر کے ملکی سلامتی و وقار کو کسی صورت بھی داؤ پر نہ لگایا جائے اس کے لیے سب سے پہلے او آئی سی کو منظم و فعال بنایا جائے اور نیٹو کی طرز پر اسلامی دفاعی بلاک کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ امت مسلمہ آنے والے چیلنجوں کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کر سکے۔

ایٹم بم تباہی اور قیام امن کے لئے مفید ہے

ایران ہمارا ہمسایہ ملک ہے۔اس کے ساتھ ہمارے ثقافتی، تاریخی، مذہبی اور جغرافیائی رشتے ہیں۔ان میں اگرچہ اتار چڑھاؤ ہوتا رہا ہے، لیکن کبھی بھی نوبت انتہا کو نہیں پہنچی۔

جوہری بم دنیا کا خوفناک ترین اور مہلک ترین سنگل ہتھیار ہے جو آج تک بنی نوع انسان نے ایجاد کیا ہے۔اس کی بربادی کا عالم یہ ہے کہ اگر کرہ ارض پر 50,40 بم مختلف مقامات پر پھینک دیئے جائیں تو زمین پر دور جمادات ایک بار پھر لوٹ کے آ سکتا ہے۔

سب سے پہلا جوہری بم امریکہ نے ایجاد کیا۔اس کے بعد ایک زنجیری عمل شروع ہو گیا۔امریکہ کے سب سے بڑے حریف سوویت یونین نے امریکہ کے جواب میں اپنا بم بنالیا۔یہ بم اس طرح یورپ کی سرزمین پر آیا تو یورپی ممالک میں روس کے علاوہ جرمنی، برطانیہ اور فرانس ایسے ممالک تھے، جن کے درمیان آپس میں جنگیں ہوتی رہی تھیں۔ان میں سو سالہ جنگ اور تیس سالہ جنگ مشہور ہیں۔جب روس نے یہ بم بنالیا تو اس کے دیرینہ حریف بھی میدان میں آ گئے۔پہلے برطانیہ اور پھر فرانس نے اپنے اپنے بم بنائے۔جرمنی بھی کبھی پیچھے نہ رہتا اگر دوسری جنگ عظیم میں دنیا کی ذلت آمیز ترین شکست اس کی پشت پر نہ ہوتی۔

براعظم یورپ کے بعد اب براعظم ایشیا کی باری تھی۔چین، روس کا ہمسایہ تھا۔دونوں کی نظریاتی اساس اگرچہ ایک تھی، لیکن بعد میں اختلافات پیدا ہو گئے تو چین کو بھی روس کے جواب میں بم بنانا پڑا۔جاپان چین کا دیرینہ حریف تھا۔اگر دوسری عالمی جنگ میں جاپان پر دنیا کا پہلا جوہری حملہ نہ ہوا ہوتا، تو جاپان شاید چین سے بھی پہلے یہ بم بنالیتا..... جرمنی اور جاپان دونوں جنگ عظیم دوم کے ہارے ہوئے ممالک تھے۔لیکن آج دونوں عظیم اقتصادی طاقتیں ہیں۔اگر یہ چاہئیں تو شاید چند مہینوں میں جوہری بم بنالیں۔

زنجیری عمل ایک فطری سلسلہ تھا۔چین اور بھارت کے درمیان 1962ء میں ایک سرحدی جنگ ہوئی تھی۔جس میں ''چینی ہندی بھائی بھائی''

کا نعرہ نیفا (NEFA) اور لداخ کے سنگلاخ پہاڑوں میں گم ہو گیا تھا اور بھارت کو اپنا بم بنانا پڑا جو اس نے 1974ء میں بنالیا۔ لیکن اصل جوہری وار ہیڈ کا تجربہ اس نے مئی 1998ء میں کیا۔ پاکستان نے بھی جواباً اپنے دھماکے کیے اور اس طرح زنجیری عمل کا سلسلہ دراز تر ہو گیا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی دو قوتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں، انہوں نے اپنے اسلحہ خانے میں جوہری وار ہیڈز کو "سجانے" کا بندوبست ضرور کیا..... اب مشرق وسطیٰ کی باری تھی۔

مشرق وسطیٰ میں سارے عرب اور ایرانی ایک طرف تھے اور یہودی دوسری طرف۔ اسرائیل نے 1960ء کے عشرے ہی میں یہ بم بنالیا تھا۔ لیکن ان کے "صبر" کا عالم ملاحظہ کیجئے کہ آج تک اسرائیلی بم کھل کر سامنے نہیں آیا۔ اگر آ گیا ہوتا تو شاید آج عربوں کے پاس بھی بم ضرور ہوتا اور ایران کے پاس تو لازماً ہوتا۔ تاہم اسرائیل کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت نے مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ حفظ ماتقدم کا سامان کریں۔ پھر 2001ء میں افغانستان اور پھر اس کے بعد عراق پر امریکی حملے نے مسلمانان شرق اوسط کو گویا ایک خواب گراں سے بیدار کر دیا۔ ایران کا ہمسایہ ملک پاکستان اگر بم بنا سکتا تھا تو ایرانیوں نے سوچا کہ اگرچہ فی الحال پاکستان سے ایران کو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن اسرائیل کی تلوار تو سر پر لٹک رہی ہے۔ اس لیے ایرانی رہنماؤں نے جوہری بم کی تیاری کا ڈول ڈالا..... آج کل ایران کا بم ہر جگہ موضوع بحث ہے۔ آئی اے ای اے (IAEA) نے اپنی سفارشات سیکیورٹی کونسل کو بھیج دی ہیں۔ امریکہ اور اس کے بعض "دوامی اتحادی" بزور قوت ایران کو روکنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں..... ان میں اسرائیل پیش پیش ہے۔

ایران اور اسرائیل:

جس طرح پاکستان اور بھارت کے درمیان چار جنگیں ہوئیں اور ان کے نتیجے ہی میں دونوں نیوکلرائز ہوئے، اسی طرح عربوں اور اسرائیلیوں میں بھی چار جنگیں ہوئیں۔ اسرائیل خفیہ طور پر ایک جوہری قوت ہے۔ جبکہ عرب ایسا نہ کر سکے۔ ایران کو مسلمان ملک ہونے کے ناتے یہ خطرہ ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن یہودی جارحیت کا نشانہ بنے گا۔ اس لیے ایران بھی (خفیہ طور پر ہی سہی) جوہری بم بنا کر اسرائیل کے ساتھ مساوات قائم کرنا چاہتا ہے۔ دیکھا جائے تو منطقی اعتبار سے ایران کو اسرائیل کے خفیہ بم کے جواب میں اپنا خفیہ بم بنانے کا حق ضرور حاصل ہے اور یہ جو پرامن مقاصد کے لیے بم بنانے کا بہانہ ہے تو آپ لاکھ اس کا اعلان کرتے رہیں، یہ جھوٹ ہوگا۔ اور اس جھوٹ کی قلعی اول بھارت نے 1974ء میں کھول دی تھی۔ چنانچہ اگر کوئی ملک جوہری ٹیکنالوجی کو پرامن مقاصد کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے تو دنیا اس پر کبھی اعتبار نہیں کرتی۔

پرامن مقاصد کا مطلب صرف بجلی پیدا کرنا بھی لیا جائے تو بھی بجلی بعد میں پیدا کی جاتی ہے، بم پہلے بنایا جاتا ہے۔ بھارت کو دیکھ لیں کہ وہ امریکہ کے ساتھ سویلین جوہری ٹیکنالوجی کے معاہدے میں تب شریک ہوا، جب کئی جوہری دھماکے کر لیے۔

اسرائیلی لیڈر ایک عرصے سے ایران کے بم کی دہائی دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسا ملک جو خود سینکڑوں بم اپنی گود میں بھر کے بیٹھا ہو، وہ دوسرے ملک کو دو چار بم بنانے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے، تو یہ ایک نہایت غیر منطقی بلکہ احمقانہ بات تصور ہوگی۔ 1997ء میں ماردی چالاف (MORE DE CHA) اسرائیل کا وزیر دفاع تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہ شور مچایا تھا کہ اگر ایران نے یہ بم بنالیا تو اس علاقے میں

سیکیورٹی کا توازن درہم برہم ہو جائے گا۔ ماضی قریب میں اسرائیلی وزیراعظم جو آج کل بستر مرگ پر پڑا ہے۔ وہ ''جوہری ہولوکوست'' کا غل مچاتا رہا۔ اس کے دور میں ایک اور وزیر دفاع موفاز (MOFAZ) بھی یہی رٹ لگاتا رہا۔ اپریل شیرون اور موفاز دونوں کا استدلال تھا کہ ایرانی بم، اسرائیل کے وجود کے لیے سب سے بڑا رسک ہے۔ ان کا یہ استدلال بھی قابل غور ہے کہ ایران کو ہر قیمت پر روکنا ہوگا خواہ اس کے لیے پیشگی حملہ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔ آج جو مغربی لیڈر ایرانی صدر جناب احمدی نژاد پر الزام دھرتے نہیں تھکتے کہ وہ ایران کو جوہری ٹیکنالوجی سے لیس کرنے میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ان کی اسرائیلی جرنیلوں اور سیاسی لیڈروں کی وہ دھمکیاں شاید بھول گئی ہیں جو وہ ایک بار نہیں کئی بار ایران کو دے چکے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے اسرائیلی دھمکیاں اپنی لے اور اپنے حجم میں شدید تر ہوتی جاتی ہیں، ویسے ویسے ایران کا اپنے آپ کو نیوکلیرائز کرنے کا عزم پختہ تر ہوتا جاتا ہے۔

اسرائیل کے اصل تحفظات:

اسرائیل، ایران کے خلاف جن تحفظات کا اظہار کرتا رہا ہے، وہ ان خدشات و تحفظات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ بات اب کھلا راز ہے کہ اسرائیل میں ڈیمونا (DIMONA) میں جو جوہری تنصیبات ہیں، ان میں کم از کم 200 جوہری بم موجود ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ایران کے ایک بم کے جواب میں اسرائیل کئی بار ایران پر جوابی جوہری حملہ کر سکتا ہے۔ اس کا گزشتہ ریکارڈ اس بات کا شاہد ہے کہ اس نے مشرق وسطیٰ میں جنہیں کہیں کسی عرب ملک میں کوئی معمولی سی بھی جوہری ڈویلپمنٹ دیکھی، اس پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا۔ اپنی اس پالیسی کا آغاز اس نے 14 اکتوبر 1953ء کو قبایا (QIBAYA) پر حملہ کر کے کر دیا تھا۔ اس کے بعد بغداد پر حملہ کیا۔ اسرائیل اگر یہ سمجھتا ہے کہ ایران یہ بم بنا کر اسے کسی عرب ملک کے ہاتھ میں دے دے گا تو اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لیے یہ بات بہت آسان ہوگی کہ وہ اس قسم کی ''ایرانی حرکت'' کا مناسب اور فوری سدباب کر دیں۔

دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ اسرائیل اگر ایران کے بم سے خائف ہے تو اس کی وجوہات اور ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایرانی بم سے اسرائیل کے وجود کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اسے خطرہ یہ ہے کہ ایران کا بم ایک تو اس کے ان تعلقات کو بگاڑ دے گا جو امریکہ کے ساتھ آج تک قائم چلے آ رہے ہیں اور دوسرے فلسطینی عوام کے اندر بھی ایک ایسی نئی روح بیدار کر دے گا، جس کے نتائج دور رس اور اسرائیل کے لیے بہت خوفناک ہوں گے۔

اسرائیل کا خوف یہ ہے کہ اگر آج ایران کے ہاتھ کوئی جوہری بم آ جاتا ہے۔ تو ایرانی لیڈر ساری دنیا سے بالعموم اور امریکہ سے بالخصوص یہ مطالبہ کر دیں گے کہ ایران اپنا جوہری پروگرام ختم کرنا چاہتا ہے بشرطیکہ اسرائیل بھی ایسا کر دے۔ ہمیں خود معلوم ہے کہ پاکستان بھی اسی قسم کا استدلال کرتا رہا ہے۔ پاکستان کا مطالبہ بھی یہی رہا ہے کہ جنوبی ایشیاء کو جوہری ہتھیاروں سے پاک خطے میں تبدیل کر دیا جائے۔ ہم کہتے رہے ہیں کہ اگر بھارت اپنا جوہری پروگرام ترک کر دے تو ہم بھی فوراً اس کے جواب میں اپنا جوہری پروگرام ختم کر دیں گے..... لیکن کیا ایسا ہوا؟.....

اسرائیل کا استدلال یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے جوہری پروگرام کو ختم کر دے تو عرب ممالک کی مشترکہ روایتی فورسز مل کر کل کلاں یہودی ریاست کو

ختم کرنے میں دیر نہیں لگائیں گی۔ دوسرے اگر امریکہ غیر جوہری اسرائیل کی مدد کو آنے میں تامل کرے گا تو یہ امریکی اور اسرائیلی عوام کے درمیان ایک واضح اختلاف کی صورت میں رونما ہوگا جو امریکہ کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا۔

دوسرے ایک جوہری ایران، اپنے جوہری اسلحہ خانے کو سودے بازی کے لیے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح شمالی کوریا ہمیشہ یہ پیشکش کرتا آیا ہے کہ اگر امریکہ اسے فلاں فلاں مراعات دے دے تو وہ اپنا جوہری پروگرام ترک کر دے گا۔ لیکن نہ امریکہ نے ایسا کیا اور نہ شمالی کوریا پیچھے ہٹا۔ معاملات آج تک بیچ میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ایران بھی کل کلاں اسرائیل سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ فلسطینی اور عرب علاقوں کو خالی کر دیا جائے اور گولان کی پہاڑیاں اور بیت المقدس شام اور اردن کو واپس کر دیا جائے۔ اس طرح ایران، عرب دنیا کا بالخصوص اور مسلم دنیا کا بالعموم ایک عظیم محسن اور ہیرو بن جائے گا۔ کئی عرب لیڈر گزشتہ برسوں میں اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کی تگ ودو میں لگے رہے ہیں۔ جمال عبدالناصر سے لے کر صدام حسین تک اس فہرست میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ آج عراق میں جس طرح سے غیر ملکی قبضے کے خلاف ردعمل جاری ہے، تصور کیجئے کہ اگر عراق کے پاس دو چار درجن جوہری بم ہوتے تو امریکہ کتنے دن تک بغداد، کوفہ، موصل، کرکوک اور تکریت میں قیام کر سکتا!

ایران۔امریکہ مفاہمت:

ملکوں کے باہمی روابط بھی ایک عجیب وغریب سائنس ہے۔ کوئی مستقل دشمن نہیں، کوئی مستقل دوست نہیں، البتہ مفادات مستقل ہوتے ہیں۔ ان مفادات کی خاطر خارجہ پالیسیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ساری عالمی تاریخ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ ایران کا جوہری پروگرام جہاں اسرائیل کے لیے سیاسی اور عسکری خطرات کا باعث بن سکتا ہے۔ اور جہاں امریکہ کے ساتھ ایک تصادمی پالیسی پر منتج ہو سکتا ہے، وہاں امریکہ کے ساتھ مفاہمت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

سرد جنگ کے دور میں امریکہ نے سوویت یونین کے ساتھ دشمنی کر کے دیکھ لیا ہے کہ کسی جوہری قوت کے ساتھ تصادم کی پالیسی زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی۔ آج ذرا عالمی جوہری دنیا پر نگاہ ڈالیے، امریکہ کے تعلقات باقی تمام جوہری ملکوں کے ساتھ تصادم کے نہیں، مفاہمت کے ہیں۔ کل کلاں اگر ایران بھی ایٹم بم بنا لیتا ہے تو عین ممکن ہے، مستقبل کا ایران، امریکہ کے لیے بدی کا محور نہ رہے بلکہ ''نیکی کا مرکز'' بن جائے! رضا شاہ پہلوی کا ایران یاد کیجیے جو امریکہ کی آنکھ کا تارا تھا۔..... وہ دور دوبارہ لوٹ کے بھی تو آ سکتا ہے!

آج امریکہ کا موقف بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ ایران، فلسطینی حریت پسندوں کی حمائیت ترک کر دے۔ مشرق وسطی میں اسلامی جہاد اور حماس کی امداد سے ہاتھ کھینچ لے اور اسرائیل کا وجود تسلیم کر لے۔

لیکن اگر ایران کے پاس جوہری اسلحہ آ جاتا ہے تو یہ امریکی موقف اگر یکسر تبدیل نہ بھی ہو تو بھی اس میں نرماہٹ آ سکتی ہے۔ اسرائیل کے یہودی جرنیلوں اور سیاستدانوں کا مدعا یہ رہا ہے کہ فلسطین میں اسرائیل کے خلاف جو مزاحمت پائی جاتی ہے، وہ فلسطینیوں کے اندر سے نہیں پھوٹتی بلکہ باہر سے آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کی تحریک آزادی، خانہ ساز نہیں بلکہ ایران کی حمائیت یافتہ ہے۔ 1987ء میں جب انتفادہ تحریک کا آغاز ہوا تھا تو اسرائیل کے وزیر دفاع رابن (Rabin) نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ یہ دراصل ایرانی مداخلت کاری ہے۔

آج ایران کے دائیں اور بائیں طرف افغانستان اور عراق میں امریکی فوج آ کر بیٹھ گئی ہے۔ وہ اس لیے بیٹھی ہے کہ امریکی مفادات کی نگہبانی کرے۔ امریکی خواہش یہی ہے کہ ان دونوں مقبوضہ ممالک میں کسی نہ کسی طرح کا سیاسی استحکام قائم ہو جائے۔ لیکن جوہری ایران کے ہوتے ہوئے یہ استحکام محض ایک ڈراؤنا خواب بن کے رہ جائے گا۔ اس لیے امریکہ چاہے گا کہ جوہری ایران کے ساتھ اپنی تصادمی پالیسی کو ترک کر دے اور تعاون کی راہ پر گامزن ہو جائے۔..... ماضی میں وہ کئی بار ایسا ہی کر چکا ہے۔

سرد جنگ کے دور میں ''ہاٹ لائنیں'' قائم ہو گئی تھیں۔ پھر سالٹ (SALT) یعنی تخفیف اسلحہ کی کانفرنسیں وجود میں آ گئیں۔ جوہری ہتھیاروں کی تعداد میں کمی پر معاہدے ہونے لگے۔ اور میزائلوں کی تعداد کم کی جانے لگی۔

.....اس پس منظر میں دیکھا جائے تو امریکہ، جوہری ایران کے ساتھ سفارتی محبت کی پینگیں بڑھا سکتا ہے۔ گزرے ہوئے کل میں امریکہ نے عراق میں ''رژیم کی تبدیلی'' کا مطالبہ کیا تھا، آنے والے کل میں ایران میں ''رژیم کی تبدیلی'' کا مطالبہ نہیں بلکہ ''رژیم کا استحکام'' امریکیوں کا مطمع ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی جوہری ملک اگر کسی عدم استحکام کا شکار ہو جائے تو اس کے اثرات مقامی نہیں رہتے، بین الاقوامی بن جاتے ہیں۔

پاکستان۔ اسرائیل۔ ایران:

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا اسرائیل اور پاکستان کے درمیان تعلقات میں غیر سرکاری سطح پر کچھ ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ پھر یہ خبریں بھی آئیں کہ پاکستان کا ایک غیر سرکاری تجارتی وفد اسرائیل جائے گا۔ اس وفد کی روانگی کی شاید تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ایران کا جوہری تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ دریں اثناء ایران، پاکستان، انڈیا گیس پائپ لائن کی بات آگے بڑھنے لگی۔ بھارت کے وزیر تیل مانی شنکر آئر پاکستان آئے اور اس منصوبے پر بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن 18 جولائی 2005ء کو جب بھارتی وزیر اعظم اور امریکی صدر نے سویلین نیوکلیر ٹیکنالوجی کا باب شروع کیا تو امریکہ نے اس گیس پائپ لائن کی مخالفت کر دی۔ بھارت نے مانی شنکر آئر کو وزارت تیل سے سبکدوش کر کے انہیں ایک اور وزارت دے دی۔ امریکہ نے پاکستان پر زور دیا کہ یہ منصوبہ ترک کر دیا جائے۔ لیکن پاکستان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد امریکہ نے ایران کی جوہری صلاحیت ختم کرنے کے لیے ہر طرح کی دھمکیاں دینی شروع کیں..... یہاں آ کر امریکہ اور پاکستان کے مفادات ٹکرا گئے اور پاکستان نے امریکہ کو بتا دیا کہ وہ ایران کی مخالفت نہیں کرے گا۔ پاکستان کا موقف یہ ہے کہ ایران کو پرامن مقاصد کے لیے جوہری ٹیکنالوجی کے حصول کا حق ہے۔ تاہم امریکہ کو پاکستان کے اس موقف میں کئی خطرات پوشیدہ نظر آئے۔

پہلا خطرہ یہ تھا کہ اگر جوہری پاکستان نے ایران کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پاکستان در پردہ ایران کو نیوکلیئر فیلڈ میں آگے بڑھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ قبل ازیں یہ الزام پاکستان پر لگایا جاتا رہا ہے کہ ڈاکٹر قدیر خان نے ایران کو سنٹری فیوج فراہم کیے تھے۔ اگرچہ یہ بات بعد میں غلط ثابت ہوئی لیکن پاکستان نے آج تک کسی امریکی کو ڈاکٹر قدیر سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ امریکیوں کو شک ہے کہ ڈاکٹر قدیر خان کے پاس ایران کی جوہری اہلیت کے سلسلے میں بعض راز موجود ہیں۔ اگر ان کے اس شک کو آگے بڑھایا جائے تو اس کا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ پاکستان نے شاید پہلے ایران کی مدد نہ کی ہو لیکن اب ضرور کرے گا۔

دوسرا خطرہ یہ تھا کہ اگر امریکہ نے عراق اور افغانستان کی طرح ایران پر کوئی حملہ کیا تو پاکستان اس حملے کی مخالفت کرے گا۔ اس مخالفت کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں۔ مثلاً پاکستان، اپنی سرزمین یا فضائیں گراؤنڈ یا ائر اٹیک کے لیے کسی اتحادی کو نہیں دے گا۔ پاکستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ پہلے ہی امریکہ کے خلاف ہے۔ ایران پر حملے کی صورت میں تو کسی بھی پاکستانی حکومت کے لیے امریکہ کی حمایت ناممکن ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ پاکستان اس سلسلے میں شاید غیر جانبدار نہ رہے بلکہ اسے کسی نہ کسی سکیل کی مدد ایران کو دینی پڑی۔ روس اور چین اگر بے حسی کا مظاہرہ کریں تو شاید عرب دنیا ایسا نہ کر سکے۔ امریکہ کو سعودی عرب کے احساسات کا بھی بخوبی علم ہے۔ اگر کوئی عرب ریاست، امریکی حملے کی حمایت کی ''حماقت'' کر بھی لے تو اس کا مستقبل ایک بڑا سوالیہ نشان بن جائے گا۔ اس طرح شاید ہر عرب ریاست سے ایک نیا اسامہ بن لادن نکل آئے اور یوں یہ خطہ شدید عدم استحکام کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کو بھی پاکستان کے موقف کے مضمرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ بایں ہمہ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ اس کی اپنی سرزمین مشرق وسطیٰ سے بہت دور ہے اور فی الحال ایران کے پاس کوئی ایسا میزائل بھی نہیں جو امریکی سرزمین کے خلاف براہ راست استعمال کیا جا سکے۔ اس لیے یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ امریکہ، ایران پر ناگہانی حملہ کرنے کی آپشن کی طرف جائے گا، یا نہیں جائے گا۔

اسرائیلی قوت کا بھرم:

اسرائیل آج مشرق وسطیٰ کا طاقت ور ترین ملک ہے۔ ایرل شیرون نے ایک بار کہا تھا۔ ''عرب ہم سے ڈرتے ہیں۔..... اور یہی ڈر ہمارا سب سے بڑا ڈیٹرنس ہے''۔ اسرائیل کو معلوم ہے کہ اگر اس کا یہ بھرم ٹوٹ گیا تو اس کا امیج نہ صرف یہ کہ فلسطینیوں کے سامنے پاش پاش ہو جائے گا بلکہ ساری دنیا میں یہودی ساکھ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ اگر اسرائیل سینکڑوں جوہری بم رکھنے کے باجود کسی اسلامی ملک سے (بذریعہ جوہری بم) خائف ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کا مستقبل، اس کے ماضی کے مقابلے میں کمزور ہوگا۔

اسرائیل کو یہ بھی ڈر ہوگا کہ ایران کے پاس جوہری صلاحیت آ جانے سے فلسطینیوں کے عزم کو ایک نئی زندگی ملے گی اور وہ اسرائیل مخالف کارروائیوں میں پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ حصہ لے سکیں گے۔

کسی بھی ملک کے ہاتھ اگر کوئی جوہری ہتھیار آ جائے تو نہ صرف اس ملک کی عسکری قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا عالمی رنگ و روپ بدل جاتا ہے بلکہ اس کی سیاسی قوت کا بھی ایک تاثر اس کے داخلی اور خارجی محاذوں پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ مثلاً 11 مئی 1998ء کو جب بھارت نے ایٹمی دھماکے کیے تھے تو اس وقت بھارتی قیادت نے برملا اعلان کیا تھا کہ یہ دھماکے چین کے خلاف کیے گئے ہیں۔

ہندوستان کی آنکھیں ایک دم ماتھے پر جا لگی تھیں۔ وہ پاکستان سے اٹھ کر چین کو دیکھنے لگا تھا۔ بعد میں بھارت نے یہ موقف اپنایا کہ 1947ء کے بعد دو سو سالوں کی غلامی میں رہنے کی وجہ سے ہندوستانی عوام میں ایک نوع کا احساس محرومی پیدا ہو گیا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ جوہری ٹیکنالوجی صرف سفید فام اقوام کی جاگیر ہے لیکن ان دھماکوں نے ثابت کر دیا کہ یہ تاثر غلط تھا۔

لیکن اس کے بعد جب پاکستان نے ان دھماکوں کا جواب دیا تو پاکستان کا موقف یہ تھا کہ اس نے یہ دھماکے اپنی بقا کے لیے کیے ہیں۔ آج بھی ہمارا استدلال یہی ہے کہ ہمارا جوہری پروگرام ''خاص برائے بھارت'' ہے۔

آج مسلم امہ کے لیے جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس حقیقت کا ادراک کرے کہ امریکہ کو شمالی کوریا کا جوہری پروگرام اتنا خطرناک کیوں نظر نہیں آتا جتنا خطرناک عراق کے ہمہ گیر تباہی والے ہتھیاروں کا تھا۔ امریکہ، عراق پر تو فوراً حملے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن شمالی کوریا سے اب تک چشم پوشی کی جا رہی ہے تو کیوں کی جا رہی ہے۔ اسی طرح برازیل کا جوہری پروگرام بھی ایران سے کہیں آگے ہے لیکن امریکہ، برازیل کے نہیں بلکہ ایران کے پروگرام کو زیادہ خطرناک سمجھتا ہے اور اس کو ختم کرنے کے درپے ہے۔.....

امریکی دانشوروں کا تجزیہ ہے کہ یہ ''جوہری ہتھیار اتنے برے نہیں ہوتے.....لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوں، وہ اگر برے ہوں تو پھر یہ ہتھیار کبھی بھی اچھے نہیں ہوتے!''۔

یورینیم کی افزودگی مگر کیسے؟

1789ء میں جرمن کیمیادان، مارٹن کلا پروتھ نے یورینیم معدن دریافت کیا۔ اس کا نام 1789ء میں دریافت ہونے والے سیارے، یورانس کے نام پر رکھا گیا، یورینیم کے دو ہم جا (آکسوٹوپ) ہیں..... U-238، اور U-235۔ قدرتی یورینیم میں اول الذکر کی مقدار 99 فیصد ہے تاہم ایٹم بم کی تیاری اور ایٹمی ریکٹر میں بطور ایندھن صرف U-235 ہی استعمال ہوسکتا ہے۔ اس لیے سائنسدان مختلف پیچیدہ طریقوں سے یورینیم کے دونوں ہم جاؤں کو علیحدہ کرتے ہیں۔ یہی طریقہ افزودگی (انرچمنٹ) کہلاتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے U-235 کی اتنی مقدار حاصل کرلی جاتی ہے کہ اسے بطور ایندھن استعمال کیا جائے یا پھر ایٹم بم بنایا جاسکے۔

تاہم U-238 بھی بے فائدہ نہیں، اس سے مصنوعی طریقے کے ذریعے ایک اور معدن، پلوٹونیم بنایا جاتا ہے۔ یہ مصنوعی معدن بھی بطور ایٹمی ایندھن یا ایٹم بم استعمال ہوسکتا ہے۔ دنیا بھر میں جتنے بھی ایٹمی ریکٹر ہیں وہ یورینیم U-235 یا پلوٹونیم کے ذریعے بجلی بنا رہے ہیں۔ پلوٹونیم کو بطور ایٹم بم عموماً اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے جب ایٹمی ریکٹر میں اس سے بجلی بنالی جائے یعنی وہ صرف شدہ ایندھن کی حیثیت اختیار کرلے۔

ایرانی اس وقت یورینیم U-235 اور پوٹونیم دونوں کو بطور ایندھن استعمال کرنے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ نانتز میں یورینیم کی افزودگی کا کام جاری ہے تو آرک کا ایٹمی ریکٹر پلوٹونیم استعمال کرے گا۔ جہاں تک ایٹم بم بنانے کا تعلق ہے ایرانی پلوٹونیم کے ذریعے ایٹم بم نہیں بنا سکتے کیونکہ ابھی وہ ایسا کوئی ایٹمی ریکٹر نہیں بنا پائے جس میں پلوٹونیم استعمال ہوتا ہو۔ تاہم انہوں نے یورینیم U-235 کی افزودگی شروع کر رکھی ہے اور اس لیے امریکہ وغیرہ آستینیں چڑھائے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہے ہیں۔

لیکن فطری یورینیم میں سے U-235 علیحدہ کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ انتہائی پیچیدہ عمل ہے۔ پھر ایٹم بم بنانے کے لیے ضروری ہے کہ افزودہ یورینیم میں U-235 ہم جا کی تعداد کم از کم پچاسی (85) فیصد سے زیادہ ہونی چاہیے۔ تب ہی ایٹم بم پھاڑنے کے لیے اس میں وہ عمل پیدا ہوگا جو سائنسی زبان میں ''زنجیری ردعمل'' (Chain Reaction) کہلاتا ہے۔ اگر افزودہ یورینیم کو بطور ایندھن ایٹمی ریکٹر میں استعمال کرنا ہے، تو اس میں U-235 کی مقدار 3 تا 5 فیصد ہونا کافی ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا یورینیم کے دونوں ہم جاؤں کو علیحدہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، اس سلسلے میں کئی طریقے استعمال ہوتے ہیں مثلاً تھرمل ڈیفیوژن، گیسی ڈیفیوژن، گیس سینٹری فیوج، زپی سینٹریسپریشن، لیزر پروسیز اور کیمیائی طریقے وغیرہ۔ آج بھی مغربی سائنس دان نت نئے طریقے ایجاد کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں تاکہ سہل اور کم خرچ انداز میں افزودگی ہو سکے۔

ایرانیوں نے درج بالا طریقوں میں سے گیس سینٹری فیوج طریقہ کار کو یورینیم کی افزودگی کے لیے منتخب کیا ہے، یہ طریقہ کار دراصل کئی مرحلوں پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے کچ دھاتوں میں سے فطری یورینیم حاصل کیا جاتا ہے، پھر اسے پیس کر باریک سفوف کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے جو اصطلاح میں ''زرد کیک'' کہلاتا ہے۔ پھر اسے گیس (یورینیم ہیکسا فلورائڈ) کی شکل دی جاتی ہے۔ اس گیس کو پھر ایک خاص قسم کی مشین..... سنٹری فیوج میں بھرا جاتا ہے۔

اردو میں سینٹری فیوج مشین کو مرکز گریزہ آلہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ آلہ دراصل انتہائی تیز رفتاری سے گھومتا ہے۔ جب اس میں یورینیم کو بشکل گیس تیزی سے گھمایا جائے، تو اس کے بھاری سالمات یعنی مالیکیول (U-238) سلنڈر کے باہر جمع ہو جاتے ہیں جبکہ ہلکے سالمات (U-235) اندر رہ جاتے ہیں، ہلکے سالمات لے کر انہیں پھر مشین میں گھمایا جاتا ہے۔ یوں آخر کار مطلوبہ افزودہ یورینیم حاصل کر لیا جاتا ہے۔

ایٹمی ریکٹر میں بطور ایندھن استعمال کے لیے اس طریقہ کار سے افزودہ یورینیم بنانا نسبتاً آسان ہے مگر ایٹم بم بنانے کے واسطے کئی ہزار سینٹری فیوج مشینوں کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے درجوں کا پورا ایک نظام ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے ''کاسکیڈ'' کہتے ہیں۔ کئی مغربی ماہرین کا دعویٰ ہے کہ ایرانیوں کے پاس اتنی سینٹری فیوج مشینیں نہیں کہ وہ بم بنانے کے قابل افزودہ یورینیم تیار کر سکیں۔

یاد رہے کہ پاکستان نے بھی سینٹری فیوج طریقہ کار کے ذریعے ایٹم بم بنایا ہے۔ شاید اسی لیے امریکیوں کا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اس ٹیکنالوجی سے متعلق اہم معلومات ایرانیوں کو فراہم کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس طریقہ کار کے ماہر ہیں۔ انہی کی زیر نگرانی کہوٹہ میں یورینیم کو اتنا افزودہ کیا گیا کہ ایٹم بم بنانے کے قابل مواد ظہور پذیر ہو گیا۔

U-238 کو ایک مشین، عاجل (Accelerator) کے ذریعے پلوٹونیم میں بدلا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مشین بنانا بڑا پیچیدہ اور مہنگا عمل ہے اس لیے پاکستان جیسا غریب ملک اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، تاہم ایرانی عاجل بنانے کی طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ یوں وہ اپنے ہاں دستیاب فطری یورینیم کو پلوٹونیم میں ڈھال سکیں گے۔ فی الحال دہ روس سے یہ مصنوعی معدن حاصل کر رہے ہیں۔

کرہ ارض میں دو معدن، یورینیم اور تھوریم زہریلے اثرات بھی رکھتے ہیں۔ ان میں یورینیم کا بغل بچہ پلوٹونیم بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام ایٹمی تنصیبات اور ریکٹروں میں حفاظت کے زبردست اقدامات کیے جاتے ہیں۔ ایک معمولی سا حادثہ بھی وسیع پیمانے پر انسانی جانوں کے

ضیاع کا سبب بن سکتا ہے۔

ایران کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ این پی ٹی معاہدے کی رو سے یورینیم افزودہ کر سکے۔ چونکہ وہ اس معاہدے پر دستخط کر چکا ہے اس لیے ایرانی حکومت اپنے ایٹمی منصوبے کی مخالفت کرنے پر ان تین ممالک، اسرائیل، بھارت اور پاکستان کی طرف اشارہ کرتی ہے جنہوں نے اس غلامی معاہدے پر دستخط نہیں کیے تاہم تسلیم شدہ ایٹمی طاقت بن چکے ہیں۔ ایرانیوں نے اپنے ایٹمی منصوبے کے سلسلے میں تمام متعلقہ عالمی اداروں سے تعاون کیا ہے اور یہ نکتہ اس کا کیس مضبوط کر دیتا ہے۔

ایران کے ایٹمی ہتھیار محفوظ پناہ گاہوں میں

شمالی کوریا نے امریکہ کو کھلا چیلنج دے دیا ہے۔ آؤ اور ہم سے لڑو ہمت ہے تو میدان میں اترو۔ کم جونگ کی اس وارننگ سے صدر بش تلملا چکے ہیں۔ شمالی کوریا میں ایٹمی ہتھیار کی موجودگی سے امریکہ اس کے پاس پھٹکنے کا نام نہیں لے رہا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ صدر بش کم جونگ سے خائف ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ابھی شمالی کوریا پر لگام کسنے کی ہر ممکن کوشش جاری ہے کہ اخبار ''لے مونڈے'' کو انٹرویو دیتے ہوئے تہران کے چیف ایٹمی مذاکرات کار حسن روحانی نے واضح کر دیا کہ ایران کے پاس بھی ایٹمی صلاحیت موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ ایران کے پاس ایٹمی توانائی واسلحوں کا موجود ہونا صدر بش کی نیند حرام کر چکا ہے۔ عراق کی ایٹمی و کیمیاوی طاقت سے بھرپور ملک قرار دینے کے بہانے امریکہ نے صدام حسین اور عراق کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب وہ ایران اور شمالی کوریا کے اس جرأت مندانہ اقدام کے سامنے بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے۔

حسن روحانی جو جرمنی، برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ایران کے یورینیم افزودگی پروگرام پر مذاکرات کر رہے ہیں۔ صحافیوں نے جب ان سے پوچھا کہ کیا ایران اپنی ایٹمی ٹیکنالوجی کو چھپانے کے لیے خفیہ سرنگ بنا رہا ہے؟ حسن روحانی کا جواب تھا ''ہاں یہ ہوسکتا ہے''۔ ظاہر ہے کہ ان کے اس جواب کا اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا کہ ایران کے پاس ایٹمی ٹیکنالوجی دستیاب ہے اور وہ ایٹمی پروگرام کے تحت اپنے ملک کو ایٹمی صلاحیت سے مالا مال کر چکا ہے یا پھر کر سکتا ہے۔ امریکہ بار بار ایران کو دھمکیاں دے رہا ہے کہ وہ اس پر جنگ تھوپ دے گا اور اس کا بھی حال عراق کی طرح بنا ڈالے گا۔ ایسے میں کوئی بھی ملک اپنی حفاظت کے لیے ہر ممکن جواز پیدا کر سکتا ہے۔

دنیا دیکھ چکی ہے کہ عراق کی سرزمین کے کسی خطے میں آج تک کسی بھی طرح کا کوئی ایسا اسلحہ نہیں مل سکا جس کی امریکہ نے پرزور تشہیر کی تھی۔ دراصل امریکہ کو معلوم تھا کہ عراق میں ایٹمی و کیمیاوی ہتھیار موجود ہی نہیں ہیں۔ وہ صرف اس کا بہانہ بنا کر تیل کی تنصیبات پر تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے پہلے سینئر بش نے اور بعد میں جارج بش نے اتنی جرأت دکھائی کہ وہ عراق پر حملہ کر بیٹھے۔ ورنہ اگر انہیں یہ احساس ہوتا یا ان کی انٹیلی جنس یہ کہتی کہ واقعی عراق کے پاس ایسے ہتھیار موجود ہیں جس کے استعمال سے امریکی فوج اور امریکہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو قطعاً وہ اتنی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ ایران اور شمالی کوریا اسی طرز فکر کو سامنے رکھ کر اپنے ملک کو ایٹمی صلاحیت سے مالا مال کرنے کی فکر میں تھے اور آج دنیا دیکھ ہی رہی ہے کہ امریکہ شمالی کوریا کے سامنے آگ اگلنے کی ہمت نہیں رکھتا اور اب جبکہ ایران کی طرف سے بھی یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کے پاس ایسی صلاحیت

موجود ہے جس کے استعمال سے وہ امریکہ کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔ امریکہ نہ صرف خوفزدہ ہے بلکہ اپنی پالیسی کو تبدیل کرنے کی فکر میں مبتلا ہے۔ آج صدر بش برسیلز اور بلجیم میں اپنے بیان سے انحراف کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ''یہ تعجب خیز بات ہے کہ میں نے کبھی نہیں کہا تھا کہ ایران پر امریکی حملہ ہوسکتا ہے۔ اگر ایران ایٹمی اسلحہ پروگرام بند کردے''۔ صدر بش کا یہ انحراف اسی خوف کا نتیجہ ہے جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ بش اب ایران کے معاملے میں یہ کہتے ہوئے سنے جارہے ہیں کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے ٹیبل موجود ہے۔ یورپی یونین کے اشتراک سے ایران کو مذاکرات کے لیے بلایا جائے اور مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔ حالانکہ ولادیمیر پوٹن کے ساتھ مشترکہ نیوز کانفرنس میں صدر بش نے پوٹن کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ شمالی کوریا اور ایران کے پاس ایٹمی ٹیکنالوجی اور نیوکلیائی اسلحہ ہونا دنیا کے لیے خطرہ ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے نیٹو' یورپی یونین اور تہران کے مذاکرات کار سے اپیل کی کہ وہ اس مسئلہ کا حل بخوبی نبھانے میں امریکہ کا ساتھ دیں۔

روحانی کا کہنا ہے کہ ایران کو امید ہے کہ یورپی مذاکرات کار ایران کے یورینیم افزودگی پروگرام کو جلد از جلد حل کرلیں گے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس کا جلد از جلد حل نکلے۔ مذاکرہ کا نتیجہ ایرانی نیوکلیئر پروگرام کو ہی نہیں بلکہ ایران اور یورپ کے مابین رشتوں کو بھی استوار کرے گا۔ جرمن کے وزیر خارجہ جوشیکا میشر یورپ اور ایران کے درمیان ایٹمی ہتھیار اور نیوکلیائی ٹیکنالوجی پر منحصر مذاکرات کے حل کو مشکل ترین اور پیچیدگی سے پر مان رہے ہیں۔ جارجیا کے وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ سابق سوویت یونین ایران کے نیوکلیائی پروگرام پر شروع ہوئے اس تنازع کو حل کرنے میں مدد کرسکتا ہے۔ جارجیا کا ایران سے صدیوں پرانا رشتہ ہے۔ اس نے صاف کہا ہے کہ ایران کے خلاف وہ امریکی جنگ کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے کیونکہ ہزاروں جارجیائی باشندے ایران میں مقیم ہیں اور ان سب کی جان کی حفاظت ایران کی ذمہ داری ہے اور اس میں جارجیا کس طرح اس کا ساتھ دے سکتا ہے۔

ایران دیکھ رہا ہے کہ صدر بش نے مغرب میں عراق اور مشرق میں افغانستان میں اپنی فوج بٹھا رکھی ہے۔ ساتھ ہی وہ ایران کو بلیک لسٹ میں رکھ چکے ہیں اور اس کے ماتھے پر ''برائی'' کا لیبل چپکا دیا ہے۔ ایسے میں ایرانیوں کو یہ احساس ہو چکا ہے کہ بش کا اگلا نشانہ ایران ہی ہے۔ اس سے پہلے بھی ایران جنگ کی تباہی جھیل چکا ہے۔ اس وقت عراق کی مدد کرنے والے امریکہ نے ایران کو تباہ کرنے کے حربے آزما لیے تھے۔ بین الاقوامی برادری آنکھ بند کیے سب دیکھتی رہی تھی۔ جب ایران کے چاروں طرف امریکی افواج گشت لگا رہی ہے۔ اسے اس کا احساس ہونا فطری ہے کہ اس کے پاس ایٹمی صلاحیت ہونا ضروری ہے۔ فرانس اور برطانیہ جو خلیج میں اپنا سکہ جمائے بیٹھے ہیں وہ صرف اس لیے کہ ان کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے۔ ایران کو ہر پل یہ احساس ہوتا رہا ہے کہ امریکہ اس کے آسمانوں پر میزائل کا قہر برسائے گا۔ ایسے میں ایران مجبور ہو چکا تھا کہ وہ اپنے پاس ایٹمی صلاحیت پیدا کرے جب تک امریکہ اور یورپی یونین ایران کو یہ یقین نہیں دلا پائیں گے کہ ایران کو یورپ یا امریکہ سے کسی بھی طرح کا خطرہ نہیں ہے ایران اپنے نیوکلیائی افزودگی پر کام جاری رکھے گا۔ اس مسئلہ کا حل صرف اور صرف ڈپلومیٹک مذاکرات سے ہی ممکن ہے۔ امریکہ کو مذاکرات کی ٹیبل پر آنا ہی پڑے گا اور ایران کو اعتماد میں لینا ہوگا کہ اس ملک کو کسی بھی طرح کا خطرہ درکار نہیں ہے۔ یورپی یونین کی یقین دہانی ایران کو اپنی ایٹمی ٹیکنالوجی کو منسوخ کرنے پر قائل کرسکتی ہے' لیکن سرے سے اپنی ایٹمی افزودگی پروگرام سے ہاتھ کھینچنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ امریکہ نے

جو رویہ مسلم ممالک کے ساتھ روا رکھا ہے اس کے مدنظر ایران کا امریکہ پر سے اعتماد بالکل ختم ہو چکا ہے۔ ایسے میں امریکہ ایران کو دھمکی دینے کے بجائے اس کی سوچ کو بدلنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

سابق ایئر فورس کرنل سام گاردیز کا کہنا ہے کہ جب ہم نے اٹلانٹک کے ماہنامہ میں ایران کے خلاف امریکی جنگ کے تعلق سے پڑھا تو میں چونک سا گیا۔ اگر ایران ایٹمی صلاحیت رکھتا ہے تو امریکہ کے لیے تباہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ایسا اس لیے بھی ہے کہ امریکہ وہاں اپنی فوج کا پوری طرح استعمال نہیں کر سکتا۔ اس کی فوج عراق میں پھنس چکی ہے اور عراق میں جنگ کے بعد کی تباہی سے امریکی فوج بھی خوفزدہ ہے۔ ہمیں ایران کی چالاکی سمجھنے میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ ایران جان چکا ہے کہ امریکہ عراق کی فوج ہٹا کر پھر ایران میں فوج کشی کی ہمت نہیں کرے گا۔ ایسے میں عراق اور ایران دونوں آپس میں مل سکتے ہیں۔ عراق میں شیعہ حکومت قائم ہو چکی ہے اور ایران شیعوں کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے۔ ایسے میں امریکہ کو زبردست نقصانات اٹھانے پڑ سکتے ہیں۔ دوسرے تجزیہ نگار کا کہنا ہے کہ ایران کا حزب اللہ کے ساتھ اشتراک ہے۔ اگر امریکہ اس پر حملہ کرتا ہے تو حزب اللہ کے ذریعہ اسرائیل بھی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ عراق کی تباہی کے بعد تیل کے بازار نے زبردست اچھال لیا ہے۔ اگر ایران پر بھی جنگ کے بادل منڈلائیں گے تو قیمتیں آسمان کو چھو جائیں گی جس سے بین الاقوامی بازار کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کیونکہ ایران عالمی بازار میں تیل کے ذریعہ ایک ہم رول نبھا رہا ہے۔ ایران کے پاس اتنی صلاحیت موجود ہے کہ وہ تیل کے بازار میں جب چاہے تہلکہ مچا سکتا ہے۔ ایران اور امریکہ کے درمیان ایٹمی توانائی اور نیوکلیائی افزودگی کے تعلق سے جو بھی دوریاں پیدا ہوئی ہیں ان کے حل صرف اور صرف مذاکرات کے ذریعہ ہی نکالے جا سکتے ہیں۔ امریکہ کو چاہیے کہ وہ یورپی یونین کے ذریعہ ایران کے ایٹم پروگرام کی منسوخی میں تاخیر کرنے میں کامیابی حاصل کرے۔

ایران کا جدید ترین میزائل سسٹم

ایران کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے ساحل پر بہت اچھی بندرگاہیں ہیں اور جس ملک یا قوم کے پاس اچھی بندرگاہیں ہوں گی، اس کے پاس ایک پاور فل نیوی بھی ہوسکتی ہے۔ شرط صرف مالی استطاعت کی ہے۔ ایران اس اعتبار سے بھی خوش قسمت ہے کہ اس کے پاس قدرت کے تیل اور گیس کے وسیع ذخیرے موجود ہیں۔ چنانچہ ایران ایک طاقتور بحریہ بھی رکھ سکتا ہے۔

ایران کی ایک اور جغرافیائی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہر طرح کے موسم پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے صحرا بھی ہیں اور بلند و بالا پہاڑ بھی۔ باد سموم بھی چلتی ہے اور برف باری بھی ہوتی ہے۔ جس ملک کی آب ہوا متنوع ہو، جس کی آبادی کروڑوں میں ہو، رقبہ لاکھوں مربع کلومیٹر پر محیط ہو، وسیع و عریض ساحل ہوں اور معدنی دولت کا وافر ذخیرہ موجود ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت ایک قابل قدر عالمی طاقت بننے سے نہیں روک سکتی..... ہاں اگر کوئی ''روک'' ہوسکتی ہے تو وہ داخلی ہوگی، خارجی نہیں!!

ایران نے اپنی داخلی سیاسیات اور کشمکش کے باعث ماضی میں بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ 1980ء کے عشرے کی ایران عراق جنگ جو نہیں ہونی چاہیے تھی، وہ ہوئی۔ اگر اس خطے کے سارے ممالک متحد ہو کر اسرائیل کا مقابلہ کرتے تو آج فلسطین کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس خطے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کے کئی ممالک نے برسوں تک اسرائیل کے ساتھ ''گرم جوش سفارتی تعلقات'' استوار رکھے۔

بدقسمتی سے آج صورت حال یہ ہے کہ نہ صرف اسرائیل ایک بڑی عسکری طاقت کے طور پر سامنے آیا ہے بلکہ اس کی پشت پناہی کے لیے خود امریکن فورسز اس خطے میں آن پہنچی ہیں۔ ایران آج افغانستان اور عراق کے درمیان سینڈوچ ہو کر رہ گیا ہے کہ ان دونوں مسلم ممالک میں امریکی افواج اور ان کے اڈے موجود ہیں۔ ایران کے جنوب میں قطر اور بحرین میں ایک طاقتور امریکن نیول ٹاسک فورس کی موجودگی، اس پر مستزاد ہے۔ ایسی صورت حال میں ایران کی سیکیورٹی کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ بلکہ بعض مبصرین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بش کی پہلی ٹرم میں افغانستان اور عراق نشانہ بنائے گئے تھے اور اب دوسری ٹرم میں سوڈان اور ایران کی باری ہے!

اس قسم کے سٹریٹیجک پیش منظر میں ایران کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ اپنی مسلح افواج کو پاور فل بھی بنائے اور ماڈرن بھی۔ لیکن آج زمینی صورت حال یہ ہے کہ ایران جیسے ممالک کی ''قوت اور جدت'' کے سارے عسکری پیمانے اسرائیل اور امریکہ کی ملی بھگت کے سامنے بالکل

بونے نظر آتے ہیں۔ان سے مقابلہ کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایران کے پاس بھی وہ ہتھیار آ جائے، جس کا توڑ ہنوز کسی سپر پاور نے دریافت نہیں کیا..... میری مراد جوہری وار ہیڈ سے ہے۔

ایران جوہری ٹیکنالوجی کے حصول میں جس تگ ودو میں مصروف ہے۔اس کا ذکر تقریباً روزانہ ہی میڈیا پر ہوتا ہے۔یورینیم کی افزودگی خواہ پر امن مقاصد کے لیے ہو یا جنگی مقاصد کے لیے امریکہ اور اسرائیل کو قبول نہیں۔ان کو معلوم ہے کہ 1933ء میں ہٹلر نے جرمنی میں برسر اقتدار آ کر معاہدہ درسیلز کی یوں خلاف ورزی کی تھی کہ جدید جنگی ہتھیار، غیر جنگی مقاصد کے نام پر بنائے گئے اور جب بن گئے تو ان کو جنگ میں استعمال کیا اور اس طرح کیا کہ سارا مغرب لرزہ براندام ہو گیا۔معاہدہ درسیلز کی رو سے جرمنی پر ٹینک، لڑاکا طیارے اور جنگی بحری جہاز بنانے پر پابندی تھی۔لیکن ہٹلر نے ایسے سول طیارے بنائے جن کو تھوڑی سی کوشش کے بعد جنگی طیاروں میں تبدیل کیا جا سکتا تھا، ایسے بحری جہاز بنائے، جن میں تھوڑی سی ترمیم کر کے انہیں وارشپ بنایا جا سکتا تھا اور ایسی بکتر بند گاڑیاں بنائیں جن میں توپ نصب نہ تھی۔لیکن بعد میں صرف توپ ماؤنٹ کر کے انہیں ٹینک بنا دیا گیا۔

یہ راستہ ایران کے لیے بھی کھلا ہے کہ وہ پر امن مقاصد کے نام پر یورینیم کو افزودہ کرے اور جب ضرورت ہو تو اسے جوہری ایندھن کے طور پر استعمال کر کے جوہری بم بھی بنا لے۔حالات کا جبر کہہ رہا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔کوئی امریکہ، کوئی یورپ یا کوئی اسرائیل ایران کو روک نہیں سکتا۔لیکن اگر یہ بم بن جائے تو اس کو دشمن پر پھینکنے کے لیے ایران کے پاس نہ ایف 16 ہیں اور نہ ایسی آبدوزیں ہیں جن کے ذریعے انہیں دشمن تک داغا جا سکا۔تیسرا ڈلیوری سسٹم میزائل ہوتا ہے۔چنانچہ ایران اپنے میزائل سسٹم کو اس غرض سے فروغ دے رہا ہے کہ جب جوہری وار ہیڈ بن جائے تو اس کو دشمن کے ''گھر'' تک لے جانے کا ''وسیلہ'' موجود ہے۔ایران اسی وسیلے کو ''شہاب میزائل سسٹم'' کا نام دیتا ہے۔

شہاب میزائل سسٹم کو حال ہی میں از سر نو ڈیزائن کیا گیا ہے۔اس کا نیا ڈیزائن روایتی اور جوہری دونوں قسم کے اسلحہ جات (وار ہیڈز) لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔شہاب سوم کا تجربہ پہلے 11 اگست اور پھر 17 ستمبر 2004ء کو کیا گیا۔ماہرین کا خیال ہے کہ اس میں جدید ترین ایوی آنکس نصب ہیں، جو وار ہیڈز کو عین اپنے نشانہ پر لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اسرائیل کے ایک انٹیلی جنس آفیسر نے ان تجربات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''اس جدید ورژن کی اہلتیں اور صلاحیتیں ہمارے لیے تشویش انگیز بھی ہیں اور متاثر کن بھی۔ہمیں نہیں معلوم کہ اس نئے ڈیزائن کو ایرانیوں نے کہاں سے حاصل کیا لیکن جہاں سے بھی کیا ہے، اس کے اثرات ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہیں''۔

شہاب کے اندر جس روایتی وار ہیڈ کو لے جانے کی صلاحیت ہے، وہ کنکریٹ کی پکی عمارتوں میں پہلے سے منتخب کیے گئے، اہداف تک پہنچنے اور انہیں تہس نہس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ایرانی حکومت نے اس میزائل کی جو تصاویر شائع کی ہیں، وہ اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ یہ ڈیزائن پہلے دونوں ڈیزائنوں (شہاب اول اور شہاب دوم) سے قطعی مختلف ہے۔یہ وہی ڈیزائن ہے جو 1960ء اور 1970ء کے عشروں میں امریکہ اور سوویت یونین نے استعمال کیا تھا اور جس میں کم از کم ایک جوہری بم لے جانے کی اہلیت تھی۔اس کا سب سے آگے والا حصہ مخروطی اور

نوک دار ہے۔ درمیان کا گول اور سب سے پیچھے والا ذرا سا چپٹا ہے۔ اسرائیل ہی کے ایک اور ماہر تجزیہ کار نے یہ کہا ہے کہ اس میزائل کی شکل شیر خوار بچوں کو دودھ پلانے والے فیڈر سے ملتی جلتی ہے اور یہی شکل امریکہ کے پولارس میزائل کی بھی ہے جو امریکی بحریہ کے زیر استعمال ہے۔ سوویت یونین کا اس ڈیزائن کا میزائل (SSN6) کہلاتا ہے۔ یہ ڈیزائن اس حقیقت کا غماز ہے کہ ایران اس پر ایک ''نیا وپین'' نصب کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ فی الحال وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ایران اس شہاب سوم کے ذریعے جوہری بم پھینکنے کی صلاحیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایران نے جس جوش وخروش، تحقیق وجستجو اور بے دریغ سرمایہ اور اخراجات کا مظاہرہ کیا ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہ پیشگوئی کی جاسکتی ہے کہ مستقبل قریب میں ایران جوہری ہتھیاروں کی تولید اور ان کے استعمال کی طرف ایک بڑی پیشرفت کرنے والا ہے۔

میزائل سازی کے ایک یہودی ماہر اوزی روبن (Uzi Rubin) کا تجزیہ بھی حد درجہ قابل غور ہے۔ وہ کہتا ہے: ''اس میزائل کی اٹھان، اڑان اور پھر دوبارہ زمین کی طرف مراجعت کے مراحل نئی طرز کے ہیں۔ یہ سب چیزیں میزائل کی وقعت اور اس کے رینج کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اگر ایران نے ان مراحل میں نئی پیشرفت کی ہے تو اس کے پیچھے خاصی معقول وجوہات بھی ہوں گی!''

شہاب سوم کی نوک پر جو رہنما نظام (گائیڈنس سسٹم) لگایا گیا ہے، وہ نئی طرز کا ہے اور دوران پرواز میزائل کی سمت کو کنٹرول کرنے کی خودکار صلاحیت رکھتا ہے۔ تقریباً ایک سال پہلے ایران نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے لیزر گائروسکوپ اور گلوبل پوزیشنگ سسٹم کے استعمال میں نئی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ان کامیابیوں کا مظاہرہ، خیال ہے، کہ اس میزائل میں کیا گیا ہے۔

ستمبر 2004ء میں یک ملٹری پریڈ کے دوران ایران نے اپنے جس شہاب کا مظاہرہ کیا تھا، اس کو دیکھ کر ماہرین نے اندازہ لگالیا تھا کہ اب یہ میزائل سسٹم ''بلوغت'' کو پہنچ رہا ہے۔ یہ بلوغت نہ صرف بطور میزائل حاصل کی جارہی ہے بلکہ بطور ایک مربوط اسلحی نظام کے بھی اس کی طرف سفر جاری ہے۔

اس نئے ورشن کی لمبائی پہلے دونوں ورشنوں سے ایک میٹر زیادہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ڈیزائن میں 15 فیصد زیادہ ایندھن بھرا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی رینج جو قبل ازیں 1300 کلومیٹر تھی، وہ اب 1500 کلومیٹر ہوگی۔ تاہم ایران کے سابق صدر جناب اکبر ہاشمی رفسنجانی نے 5 اکتوبر 2004ء کو دیئے گئے ایک ریڈیو بیان میں واضح کیا کہ: ''ہمارے نئے شہاب سسٹم کی رینج 2000 کلومیٹر تک ہوچکی ہے''۔..... یہی وہ رینج ہے، جس کے اندر اسرائیل بھی آتا ہے اور سارا جنوبی یورپ بھی!!

شہاب سوم کا تجربہ ایران نے 17 ستمبر کو کیا، اسے ایران کے وزیر دفاع ریئر ایڈمرل علی شامخانی نے ''ایک زیادہ طاقتور، زیادہ درستگی والا اور زیادہ دور تک مار کرنے والا میزائل'' قرار دیا۔

21 ستمبر 2004ء کو ایران نے جس ملٹری پریڈ کا مظاہرہ کیا، اس میں شہاب سلسلے کے تینوں ورشن یعنی شہاب اول، شہاب دوم اور شہاب سوم دکھائے گئے تھے اور ان کے اوپر جو بینر لگائے گئے تھے۔ ان پر لکھا تھا: ''کرش امریکہ..... اسرائیل کو دنیا کے نقشے سے مٹادو.....''

ایران اور اسرائیل کی دشمنی کوئی نئی نہیں بلکہ کافی پرانی ہوچکی۔ آیت اللہ خمینی کے زمانے سے لے کر آج تک اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ

اضافہ ہی ہوا ہے۔

دوسری طرف اسرائیل کے میزائلوں کا ایک الگ نظام ہے اور ظاہر ہے یہ ایران سے زیادہ جدید، موثر اور کارگر ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کہ اسرائیل کے تمام اسلحہ جات دراصل امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ کوششوں کا ثمر کہے جاسکتے ہیں۔ ایرو میزائل (Arrow Missile) سسٹم ایک الگ موضوع ہے۔

بعض دفاعی حلقوں میں یہ خبریں بھی گشت کرتی رہتی ہیں کہ اسرائیل جلد ہی ایران کے جوہری ری ایکٹر اور دوسری جوہری تنصیبات پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ حملہ ہو کے رہے گا۔ دوسری طرف لگتا ہے کہ ایران سر توڑ کوشش کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس سے پہلے کہ اسرائیل یا امریکہ اس کی جوہری تنصیبات پر حملہ کرے، وہ جوہری بم کا تجربہ کر لے۔ جس طرح بھارت کے بعض اسلحی نظام خاص برائے پاکستان (Pakistan Specific) ہیں، اسی طرح اسرائیل کے بعض دفاعی نظام بھی خاص برائے ایران ہیں۔ مثلاً افق سیٹلائٹ سسٹم'' کو دیکھیے۔

افق سیٹلائٹ سسٹم اسرائیل کا وہ دفاعی نظام ہے۔ جس کا مقصد اس علاقے کی عسکری انٹیلی جنس (اور وہ بھی ریئل ٹائم) حاصل کرنا ہے۔ اسرائیل آج تک افق نام کے کئی سیارچے فضا میں چھوڑ چکا ہے۔ سب سے آخری سیٹلائٹ کا نام ''افق ششم'' تھا جو 6 ستمبر 2004ء کو زمین کے مدار میں بھیجا گیا اور جو ناکام ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تیسری سٹیج جو کسی سیارے کو زمین کی کشش سے نکال کر اسے فضا (یا خلاء) میں داخل کرتی ہے، درست طریقے پر کام نہ کر سکی اور اس طرح یہ افق 6 سیارہ، سطح مدار ارضی میں داخل ہونے سے قبل جل کر تباہ ہو گیا اور اس کا ملبہ بحیرۂ روم میں جا گرا۔

افق 6، چھ ستمبر 2004ء کو تقریباً گیارہ بجے دوپہر تل ابیب کے جنوب میں پاماچم (Palmachim) ائیر بیس سے چھوڑا گیا۔ سیارے نے 260 کلومیٹر تک کا خلائی سفر تو بخیر و خوبی طے کیا لیکن اس کے بعد اس کے آٹھ عدد انجنوں میں سے ایک میں آگ لگ گئی اور یہ گر کر تباہ ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل کے پانچ تجربات (افق اول تا افق پنجم) میں کامیابی کی سطح 50 فیصد تھی۔ اس سیارے میں 300 کلوگرام کا پے لوڈ تھا۔ (یعنی جاسوسی اور فوٹوگرافی وغیرہ کے آلات) اس میں ایسے کیمرے نصب تھے۔ جن کی مدد سے زمین پر ایک میٹر تک کی ریئل ٹائم انٹیلی جنس حاصل کی جاسکتی تھی۔ افق 6 پر 100 ملین ڈالر (دس کروڑ ڈالر یا 6 ارب پاکستانی روپے) لاگت آئی تھی جو رائیگاں گئی۔ یہ یاد رہے کہ افق اول اور افق پنجم آج بھی خلا میں چکر لگا رہے ہیں اور اسرائیل کو علاقے کی تمام انٹیلی جنس مہیا کر رہے ہیں۔ افق اول 1988ء میں زمین کے مدار میں بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد چار تجربے ناکام ہوئے۔ افق 5 کو 2002ء میں لانچ کیا گیا۔ اسرائیلی ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ دونوں سیارے 2006ء تک کام کرتے رہیں گے۔

ایران کا شہاب اور اسرائیل کا ایرو میزائل سسٹم ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں ہیں لیکن جیسا کہ پہلے لکھا گیا، اسرائیل کا ایرو میزائل، ایران کے شہاب میزائل کی طرح میڈیم رینج بلاسٹک میزائل تو ہے لیکن شہاب سسٹم سے زیادہ کامیاب ہے۔ ایرو میزائل کی خریداری میں دنیا کے بہت سے ممالک نے دلچسپی ظاہر کی ہے (جس میں بھارت بھی شامل ہے) ایران کا شہاب اس سلسلے میں ابھی تک اسرائیل کا مقابلہ نہیں

کرسکتا۔لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ ایران جیسا ملک جس کی تکنیکی اور ٹیکنالوجیکل اساس، اسرائیل کے مقابلے میں کم حیثیت کی سمجھی جاتی ہے، مقابلے کے میدان میں اترا ہے۔

پاکستان کے بعد ایران دنیا کا دوسرا اسلامی ملک ہے جس نے میزائل سازی میں ایک نام پیدا کیا ہے۔اگر اس طرح کوشش جاری رہی تو شہاب کا نیا ورژن شاید ایسا ہو جس کی رینج وسطی یورپ تک جا پہنچے۔لیکن ایران کو اسرائیل کی فضائی جاسوسی کرنے کے لیے بھی اپنا ایک الگ سیٹلائٹ نظام وضع کرنا ہوگا جو اسرائیل کے ''افق'' نظام کا جواب کہلا سکے!

ایران کی جنگی مشقیں.....

ایران نے ایک ہفتے میں اوپر تلے تین جدید ترین میزائلوں کا تجربہ کر کے امریکہ اور اس کے حواریوں کو یہ واضح پیغام دیا کہ مذاکرات پر آمادگی اور لچک کو اس کی کمزوری نہ سمجھا جائے وہ کسی بھی ممکنہ جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے وقت میں جب امریکی' اس کے یورپی حلیف اور اسرائیل' ایران کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں' ایران نے میزائل تجربات اور جنگی مشقوں کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ اسے عراق اور افغانستان کی طرح تر نوالہ نہ سمجھا جائے اور وہ کسی بھی حملے کا جواب' خلیج میں موجود امریکی بحری بیڑے' خطے میں امریکی اڈوں اور اسرائیل کو نشانہ بنا کر دے گا۔

میزائل تجربات سے اس نے عملاً یہ ثابت کیا کہ اس کے پاس ایسے میزائل موجود ہیں جو اسرائیل اور امریکی بحری بیڑے تک مار کر سکتے ہیں۔ ممکنہ خطرات کے پیش نظر ایرانی فوج نے سات روز تک خلیج فارس اور اومان کے ساحل پر جنگی مشقیں کیں جن میں ایران کے ریولوشنری گارڈ' نیوی' ایئر فورس' ایران آرمی' نیوی رضا کار' بسیج ملیشیا اور ایرانی پولیس نے حصہ لیا' جس میں بڑے تین تجربات کے علاوہ درجنوں چھوٹے میزائلوں کے تجربے بھی کیے گئے۔ ایران نے میزائل تجربات کا آغاز جنگی جہازوں اور آب دوزوں کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے تیز رفتار زیر آب میزائل' فجر کے کامیاب تجربہ سے کیا' اس میزائل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا کے کسی بھی زیر آب میزائل سے تیز ترین ہے۔ اس کی رفتار 100 میٹر فی سیکنڈ ہے۔ کسی ریڈار یا دیگر ذرائع سے اس کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔ اس کا طاقتور وار ہیڈ بڑے بحری جہازوں اور آبدوزوں کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے' ان کا حفاظتی نظام اگر میزائل کی نشاندہی کر بھی دے تو اس کی رفتار سے نہیں بچ سکتا۔ یہ کسی بھی لانچنگ پیڈ سے فائر کیا جا سکتا ہے۔ بعض ماہرین کے نزدیک اس میزائل کی رفتار روسی ساختہ میزائل وی اے 11 شکوال کے برابر ہے' جو دس برس قبل تیار کیا گیا تھا۔ اس کے فوری بعد ایران نے ایک اور خطرناک اور ریڈار پر نظر نہ آنے والے میڈیم رینج میزائل ''کوثر'' کے ساتھ ساتھ جدید ٹیکنالوجی سے تیار کردہ ''اژن کشتی'' کے کامیاب تجربات بھی کیے' اژن کشتی فائر ہونے کے بعد سطح سمندر سے 10 میٹر بلندی پر پرواز کرتے ہوئے میزائل داغ کر بیک وقت کئی اہداف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایرانی دفاعی ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ عسکری اژن کشتی خالصتاً ملکی ماہرین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور ابھی مزید تجربات بھی کیے جائیں گے۔

ایران نے بحیرۂ عرب اور خلیج فارس میں جاری بحری مشقوں کے آخری روز ایک اور ٹاپ سیکرٹ میزائل کا کامیاب تجربہ کیا جو ایک ہفتے کے

دوران ایران کا تیسرا میزائل تجربہ تھا۔ یہ میزائل فضا سے فائر کیا جانے والا ایک ہتھیار ہے جو تمام فوجی ہیلی کاپٹروں اور جنگی لڑاکا طیاروں سے فائر کیا جاسکتا ہے۔ رپورٹ میں اس میزائل کو ایرانی میزائل تجربات میں ٹریننگ پوائنٹ قرار دیا گیا ہے۔ مشقوں کے اختتام پر' ایرانی پاسداران انقلاب کے سربراہ جنرل یحییٰ مصادی نے کہا ہے کہ امریکہ' عالمی برادری میں ایران کو تنہا کرنے کی کوششیں نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا یورپی ممالک بلکہ خود امریکی مفادات کے حق میں بہتر نہیں۔ ایرانی افواج کسی بھی غیر ملکی حملے کا دفاع کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں' اس لیے ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کی کوشش بدترین انجام سے دوچار ہوگی۔ ہمارے فوجی تجربات کا مقصد مشرق وسطیٰ میں طاقت کا توازن قائم رکھنا ہے' ایران کسی کے خلاف جارحیت نہیں چاہتا۔ دوسری طرف ایک روسی اخبار نے دعویٰ کیا ہے کہ ایران کے حالیہ میزائل تجربات روسی ٹیکنالوجی کا نتیجہ ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایرانی میزائل بالخصوص خطرناک تارپیڈو کی تکنیکی خوبیاں اس قدر ظاہر کی گئی ہیں کہ وہ ظاہری شکل کے حوالہ سے روسی تارپیڈو ''شکوال'' کا ہم شکل دکھائی دیتا ہے۔ اخبار نے روسی اعلیٰ فوجی عہدیدار کے حوالے سے بتایا کہ اس ہتھیار کی مدد سے ایران خلیج فارس کو عالمی آمدورفت کے لیے بند کرسکتا ہے جہاں سے دنیا بھر کے 80 فیصد تیل کی تجارت ہوتی ہے۔

ایران کی جانب سے میزائلوں کے متعدد کامیاب تجربوں پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے امریکہ نے کہا ہے کہ ایران کے ایٹمی پروگرام کا تنازع سفارت کاری سے حل کرنا چاہتے ہیں تاہم اس کی جانب سے میزائل اور تباہ کن تارپیڈو کے تجربات ہمسایہ ممالک اور بین الاقوامی برادری کے لئے تشویش ناک ہیں' جب کہ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون نے کہا ہے کہ ایران میزائل تجربات کی کامیابیاں اور خوبیاں بڑھا چڑھا کر پیش کررہا ہے۔ امریکہ نے کہا ہے کہ ایرانی جوہری تنازع کو طاقت کے زور پر حل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ اس مسئلے کو سفارتی طریقے سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ میں امریکی سفیر جان بولٹن نے ایک انٹرویو کے دوران کہا کہ امریکہ کا عراق کی طرح ایران کے خلاف اقدامات کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تاہم ایران کو جوہری عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی خلاف ورزی سے روکنے کا عزم کررکھا ہے۔ یہ معاملہ گفت وشنید کے لیے سلامتی کونسل میں بھیجا گیا اور امید ہے کہ ایران صورتحال کو سمجھتے ہوئے لیبیا کی طرح جوہری ہتھیاروں کے حصول کی کوششیں ترک کردے گا جس کے جواب میں ایران نے صنعتی پیمانے پر یورینیم کی افزودگی سے متعلق مذاکرات پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یورینیم افزودہ کرنے کے حق سے دستبردار نہیں ہوں گے' یورینیم کی افزودگی کے لیے تحقیق جاری رہے گی۔ جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی میں ایران کے سفیر علی اصغر سلطانیہ نے یورینیم کی افزودگی سے روکنے کے لیے سلامتی کونسل کے دباؤ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آئی اے ای اے سے تعاون جاری رکھا جائے گا' لیکن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا بہترین اقدام یہ ہوگا کہ وہ کچھ نہ کرے اور آئی اے ای اے کو یہ کام کرنے دے۔ سلامتی کونسل جتنا زیادہ اس معاملے میں ملوث ہوگی' یہ معاملہ اسی قدر بگڑتا جائے گا' تاہم ایران اس سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

عالمی ادارے کے معائنہ کار ایرانی جوہری تنصیبات کے معائنہ کے لیے تہران پہنچے' جوہری تنصیبات کا یہ معائنہ این پی ٹی کے قوانین کی روشنی میں کرایا جارہا ہے۔ ایران کا کہنا ہے کہ این پی ٹی کے تحت پرامن مقاصد کے لیے یورینیم کی افزودگی ہمارا حق ہے' ہمیں ایٹمی ایندھن کی تیاری کے لیے صنعتی پیمانے پر یورینیم افزودہ کرنے کی ضرورت ہے' جس کے لیے عالمی برادری سے مذاکرات کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ دوسری طرف عالمی سطح

پر یہ پیش رفت ہوئی کہ نیویارک میں جاری اجلاسوں کے دوران بڑی طاقتیں سمجھوتے کے قریب پہنچ گئیں۔ امریکی سفیر جان بولٹن کا کہنا ہے کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ مجوزہ قرارداد میں ایران سے کہا جائے گا کہ وہ اپنا جوہری پروگرام مکمل طور پر بند کردے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے اہم اجلاس سے قبل عالمی ادارے میں برطانوی سفیر اماٹر جونز نے بتایا' تاحال یہ سمجھوتہ طے تو نہیں پایا لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد اس تک پہنچ جائیں گے۔ روس اور چین کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ وہ سمجھوتے سے متعلق پُر امید ہیں تاہم قرارداد کے مسودے کو دوبارہ ازسرنو پڑھا جائے گا' تاحال دونوں حکومتوں کی جانب سے اس قرارداد پر تحفظات موجود ہیں جن کا دور ہونا بہت ضروری ہے۔ سفارتی حلقوں کا کہنا ہے کہ برطانیہ فرانس اور امریکہ نے روس اور چین کے دباؤ پر ایران کے ایٹمی مسئلے سے متعلق قرارداد کے متن میں استعمال کی جانے والی زبان میں تھوڑی نرمی کی تاہم یورینیم کی افزودگی معطل کرنے کا مطالبہ برقرار رکھا جبکہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان کے بیان سے بھی مسئلے کے پرامن حل کے سلسلے میں امید کی کرن نظر آتی ہے۔ کوفی عنان کا کہنا ہے کہ ایران اور ان کے درمیان بات چیت ابھی ممکن ہے تاہم ایرانیوں کو بین الاقوامی ایٹمی توانائی ادارہ کے سربراہ محمد البرادی کے مشورے پر توجہ دینا ہوگی اور عالمی برادری کو قائل کرنا ہوگا کہ ان کی نیت صرف جوہری توانائی کے پرامن استعمال کی ہے ایران نے شہاب میزائل کا تجربہ بھی کرلیا اور مذہبی رہنما احمد خاتمی کا کہنا ہے کہ خون کے آخری قطرے تک ایٹمی پروگرام کا دفاع کریں گے۔

ایک طرف تو سیاسی محاذ پر یہ پیش رفت ہورہی جب کہ دوسری طرف دفاعی امور کے متعدد تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ایسا سمجھا جارہا ہے کہ ایران پر ممکنہ امریکی حملے کی تیاریاں آخری مراحل میں داخل ہوچکی ہیں' برطانوی افواج نے بھی ایران پر ممکنہ امریکی حملے سمیت کسی بھی طرح کے حالات سے نمٹنے کی تیاری کرلی ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں لگتا کہ حملہ ہونے والا ہے لیکن حقیقی ذرائع پر مبنی مستقل قیاس آرائی موجود ہے کہ ایران کے خلاف امریکی کارروائیاں جاری ہیں جبکہ دشمن کو خاموش دھمکی دینے کے لیے خلیج فارس میں ایرانی فوجی مشقیں اس خطرے کو مزید عیاں کررہی ہیں۔

جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے اور انسان انسان کا دشمن بنا ہے' کتنی ہی بالادست عالمی قوتیں وجود میں آئیں پھر اپنی ہی کسی نہ کسی غلطی کا شکار ہوکر ختم ہوگئیں۔ ہر جابر اور جارح کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ سابقہ جابروں اور جارحین والی غلطی نہ دہرائے' لیکن یہ احتیاط اس سے نئی غلطی سرزد کرادیتی ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے نتیجے میں واحد بالادست عالمی طاقت کا منصب ملنے کے بعد امریکہ نے دانش وتدبر کا دامن نہیں تھاما' چھوٹے اور بے بس ملکوں کو روندنے کی پالیسی اپنائی۔ حالیہ پہل عراق سے کی' لیکن اس پہل سے قبل ان ملکوں کی فہرست بھی جاری کردی جن کی باری عراق کے بعد آنا تھی۔ انہیں مسلسل بدی کی قوتیں کہا گیا۔ ان میں ایران' شمالی کوریا اور شام سرفہرست تھے۔ شمالی کوریا نے اس کا جواب دیا کہ وہ خودحفاظتی کے تحت امریکہ کو اپنی ایٹمی صلاحیت کا نشانہ بنا سکتا ہے لیکن امریکہ کا زیادہ فوکس ایران اور شام پر ہے اور وہ شمالی کوریا کو مسلسل نظرانداز کررہا ہے۔ مسلمان ملکوں کو دبانے اور ان کو اپنی طاقت کے جوہر دکھانے کے لیے امریکہ بے تاب رہتا ہے جو اس کی روایتی اسلام دشمنی کا واضح ثبوت ہے۔

جوہری توانائی کی عالمی سیاست

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معیشتیں اقتصادی ترقی کے حصول کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ دنیا میں جس تیزی سے توانائی کا استعمال بڑھ رہا ہے توانائی کے ذخائر اتنی ہی تیزی سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جوہری توانائی اپنی ہمہ گیر افادیت کی وجہ سے دنیا کے پاس بہترین وسیلہ ہے' یہ محفوظ' صاف' ارزاں اور انتہائی متحرک ذریعۂ توانائی ہے تاہم اس میں رسک فیکٹرز بھی شامل ہیں جن میں ایٹمی ری ایکٹرز سے خارج ہونے والی خطرناک تابکاری سب سے اہم ہے۔ اس کے پاور پلانٹ صرف توانائی ہی پیدا نہیں کرتے بلکہ تباہ کن ایٹمی ہتھیاروں کا ذریعہ بھی بنتے ہیں جو اس پوری کائنات کو خطرات کی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ ان ہتھیاروں کو بنانے اور انہیں برقرار رکھنے کے حامی ہیں۔ یہ کائنات ان ہتھیاروں کی ہولناکی کا مظاہرہ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکا کی جانب سے گرائے جانے والے ایٹم بموں کے نتیجے میں جاپانی شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی اور تقریباً 100,000 افراد کی ہلاکتوں کی شکل میں دیکھ چکی ہے۔ اس ایٹم بم کے بعد ہائیڈروجن بم ایجاد کیا گیا جو ایٹم بم سے ایک ہزار گنا طاقتور تھا۔ امریکا وہ پہلا ملک ہے جس نے ایٹم بم ایجاد کیا اور اُسے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ واحد ملک ہے جس نے اسے جنگ میں استعمال کیا۔ اس نے تباہ کن ایٹمی ہتھیار ایجاد کیے اور دنیا میں اپنی نیوکلیر اجارہ داری کو ہر حال میں برقرار رکھنے کے لیے تمام تر وسائل کا بھرپور استعمال کیا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس کے بم پراجیکٹ کے انچارج لیزلے کروز نے 1943ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ امریکا کو دنیا بھر میں یورینیم کے ذخائر پر مکمل قبضہ کر لینا چاہیے تاکہ کوئی اور ریاست جوہری توانائی حاصل نہ کر سکے۔

ایٹم بم بنا لینے اور اسے استعمال کر لینے کے بعد امریکہ نے اپنی ایٹمی اجارہ داری کو اپنے دوستوں پر برقرار رکھنے کی پالیسی کا آغاز کیا اور دوسری جنگ عظیم میں اپنے سب سے بڑے اتحادی برطانیہ تک کو اس ضمن میں تعاون فراہم کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بعدازاں برطانیہ نے خود ہی یہ ہتھیار بنا لیے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد دوسرے اتحادی سوویت یونین کے متعلق اسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ وہ اب ایٹمی ہتھیار سازی کرے

گا۔1947ء میں امریکا میں اس بحث کا آغاز ہوا کہ کیا امریکا کو پیشگی حملہ کر کے سوویت یونین کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کر دینا چاہیے تا کہ وہ ہتھیار بنانے کے قابل ہی نہ ہو سکے۔ بعدازاں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ امریکہ کی پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ اب کوئی دوسری ریاست ایٹمی ہتھیار بنانے کے کسی پروگرام کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ امریکا نے فرانس کے ایٹمی پروگرام میں اس کی کوئی مدد تو نہیں کی مگر جب فرانس نے 1950ء کی دہائی کے اوائل میں ایٹمی طاقت بننے کا پروگرام بنایا تو امریکہ نے اس کی راہ میں کوئی مزاحمت بھی نہیں کی۔ مگر جب 10 سال بعد چین نے ایٹمی طاقت بننے کی کوششیں شروع کیں تو امریکا نے اُس کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کا پلان بنایا۔ اپریل 1964ء میں امریکہ کے جوائنٹ چیف آف سٹاف نے ایک منصوبہ بنایا جس میں چین پر روایتی فضائی حملوں سے لے کر ایٹمی حملہ تک کا آپشن رکھا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی پابندیاں اور اس کے ایٹمی پروگرام کو فوجی حملے کے ذریعے سبوتاژ کرنے کی تجویز دی گئی۔ اس وقت سے ہی امریکہ کی خارجہ پالیسی میں ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق ایشوز کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی اور پالیسی ساز اس بات پر دلائل دینے لگے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ صرف ہمارے دشمنوں کے پاس یہ تباہ کن ہتھیار نہیں ہونے چاہئیں بلکہ دیگر چھوٹی ریاستیں جو ان کے لیے تگ و دو کر رہی ہیں ان کو ان سے محروم رکھا جائے تا کہ وہ چھوٹی اور بڑی ریاستوں کے تعلقات کی نوعیت تبدیل نہ کرنے پائیں۔ این پی ٹی معاہدہ پر کام کرنے والے مشہور مورخ پیٹر کلاسن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ امریکی پالیسی کی ٹائمنگ سب سے زیادہ اور اہم ہے کیونکہ ایٹمی ہتھیاروں کا کسی بھی خطہ میں پھیل جانا امریکہ کی اس خطے میں رسائی کے لیے سب سے بڑا رسک تھا کیونکہ ان کی موجودگی میں اس کے خطے کے معاملات میں امریکی مداخلت نہیں ہو سکتی تھی۔ ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ میں سوویت یونین کے اپنے مفادات وابستہ تھے کیونکہ اسے اس بات کا خطرہ تھا کہ امریکہ اپنے NATO اتحادیوں کو یہ ہتھیار فراہم کرے گا بالخصوص یورپ میں مغربی جرمنی کو جو کہ امریکہ کا اہم اتحادی تھا جب کہ مشرقی جرمنی سوویت یونین کے زیر سایہ تھا۔ 1960ء کی دہائی کے دوران امریکہ نے اپنے ہزاروں ایٹمی ہتھیار اور اس سے متعلق ساز و سامان دیگر ملکوں جن میں کینیڈا، کیوبا، گرین لینڈ، آئس لینڈ، جاپان، مراکش، فلپائن، پیرٹو ریکو، جنوبی کوریا، اسپین، تائیوان، بیلجیئم، یونان، اٹلی، نیدرلینڈ، ترکی، برطانیہ اور مغربی جرمنی شامل ہیں میں نصب کیے۔ چنانچہ اس صورتحال میں سوویت یونین کا امریکی عزائم سے بے خبر رہنا اور اس کی راہ میں مزاحم نہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

35 برس گزر جانے کے بعد اب ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کی کوششیں محض ایک لاحاصل پریکٹس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ این پی ٹی کی ناکامی کی وجوہ میں سرفہرست امریکا کا آج بھی جدید ترین ایٹمی ہتھیار ایجاد کرنے کا رویہ اور اس کی متواتر کوششیں ہیں۔ اس حقیقت ظاہرہ سے کسی کو بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ امریکہ آج بھی جدید ترین ایٹمی ہتھیار بنا رہا ہے جب کہ دیگر ریاستوں کو این پی ٹی میں شامل ہونے کے لیے مجبور کرتا رہا ہے۔ یعنی ''ہم ہتھیار رکھتے ہیں اور رکھیں گے، مگر تمہیں اجازت نہیں ہے۔''

این پی ٹی کے تحت آئی اے ای اے کا خصوصی کردار ہے۔ اس کے گورنرز اور انسپکٹرز معائنہ کے خاص اختیارات رکھتے ہیں مگر آئی اے ای اے کی تاریخ اس کی کمزوریوں اور امریکہ کی من مانیوں کی داستان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جس کی بدترین مثال 1981ء میں اسرائیل کا عراق کے اسیراک نیوکلیئر ری ایکٹر پر حملہ کر کے اسے مکمل تباہ کرنا ہے۔ اس حملے کی آئی اے ای اے کے ڈائریکٹر جنرل اور بورڈ آف گورنرز نے سخت مذمت

کی اور جنرل کانفرنس سے کہا کہ وہ اسرائیل کے حقوق اور مراعات کو معطل کر دیں جب کہ امریکہ نے جنرل کانفرنس کو صرف اس بات پر رائے شماری کرنے کی اجازت دی کہ وہ اسرائیل کی تکنیکی رہنمائی کا سلسلہ معطل کر دیں۔ اگلے برس آئی اے ای اے کی جنرل کانفرنس نے ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت اسرائیل کو میٹنگ میں شرکت سے منع کیا گیا۔ جب اسرائیل کے خلاف ووٹنگ ہوگئی تو امریکہ اور برطانیہ نے اس کے خلاف اپیل کی اور جب اپیل مسترد ہوگئی تو امریکہ اور برطانیہ نے جنرل کانفرنس سے احتجاجاً واک آؤٹ کیا جس میں بعد ازاں اس کے دیگر یورپی اتحادی بھی شامل ہوگئے۔ چنانچہ کچھ ہی ماہ بعد آئی اے ای اے کے ڈائریکٹر جنرل اور اس کے بورڈ نے اسرائیل کو دوبارہ آئی اے ای اے کی مکمل ممبرشپ دینے کا اعلان کیا اور اس کے بعد امریکہ نے ایجنسی کے ساتھ اپنے تعلقات کو دوبارہ استوار کر لیا۔ یاد رہے کہ امریکہ آئی اے ای اے کو سب سے زیادہ امداد فراہم کرنے والا ملک ہے۔

اسرائیل اپنے قیام کے دن سے ہی ایٹمی ہتھیاروں کی تگ و دو میں شریک ہوگیا تھا۔ اس کا ایٹمی ہتھیاروں کا پروگرام دنیا کی پانچ مستند ایٹمی ریاستوں کے علاوہ سب سے مضبوط اور کامیاب پروگرام ہے۔ اس نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے ہیں اور اس کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ 4000 کلومیٹر سے زائد رینج رکھنے والا بیلسٹک میزائل JEROCHO، ہوائی جہازوں کا ایک وسیع ذخیرہ جو ایٹمی ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایٹمی کروز میزائل لے جانے والی جدید ترین آبدوزیں بھی ہیں۔ اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد ہی ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے عزم پر رکھی گئی تھی اور اس کے لیے ''ہولوکاسٹ'' کو جواز بنایا گیا تھا۔ 1949 میں اسرائیلی سائنس دانوں کے ایک گروپ نے صحرائے نجو میں یورینیم کے ذخائر تلاش کرنے کا منصوبہ شروع کیا۔ یہ پروگرام آگے بڑھا اور 1952ء میں اسرائیل اٹامک انرجی کمیشن (IAEC) کا قیام عمل میں آیا جس کے سربراہ ارنسٹ ڈیوڈ برگ مین تھے جو اسرائیلی بم کے بہت پرجوش حامی تھے۔

1953ء میں اسرائیل کی اٹامک لیبارٹری میں یورینیم کو افزودہ کرنے کا کام بہت زور شور سے شروع ہوگیا اور بہت جلد اسرائیل نے یہ صلاحیت حاصل کر لی۔ اس نیوکلیئر ری ایکٹر کی تعمیرات اور ڈیزائن کے سلسلے میں اسرائیل کو تکنیکی رہنمائی فرانس نے 1950ء میں ہونے والے ایک معاہدہ کے تحت فراہم کی جس کے تحت 40MWT کا ایک ہیوی واٹر ری ایکٹر اور کیمیکل پراسیسنگ پلانٹ لگایا گیا۔ 1956ء میں فرانس نے اسرائیل کو 18MWT ریسرچ ری ایکٹر فراہم کرنے پر رضامندی ظاہر کی تاہم انہی دنوں سوئز کینال کے مسئلے پر خطے میں ہونے والی کشیدگی نے صورتحال کو ڈرامائی انداز میں تبدیل کر دیا۔ جولائی میں مصر نے سوئز کینال پر اپنی پوزیشن مضبوط کر لی جب کہ فرانس اور برطانیہ نے اسرائیل کے ساتھ مل کر مصر کے خلاف جنگ لڑنے کا پروگرام تیار کر لیا اور اسرائیل کی مدد کے لیے اپنے فوجی بھیج دیئے۔ سوویٹ یونین نے اس موقع پر مصر کی مدد کا فیصلہ کیا۔ اس قضیہ کے فوراً بعد فرانس نے DIMONA کے مقام پر ری ایکٹر میں یورینیم افزودگی کے پروگرام میں اسرائیل کی بھرپور مدد کی۔ پلوٹونیم کی پیداوار کا آغاز 1964ء سے ہوا۔ گزشتہ برس BBC نے ''چیتھم ہاؤس'' (برطانوی وزارت خارجہ) کی ایک رپورٹ شائع کی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ اسرائیل کو اپنے ایٹمی پراجیکٹ کے لیے بھاری پانی کی اشد ضرورت تھی چنانچہ برطانیہ نے 1950ء اور 1960ء کی دہائی میں اسرائیل کو ممنوعہ آلات اور میٹریل کی بہت بڑی تعداد بڑے تواتر کے ساتھ فراہم کی۔ اس میں ایٹمی پروگرام میں استعمال ہونے والی خصوصی کیمیکل

اور میزائل میٹریل شامل تھا۔ برطانیہ نے 1954ء میں اسرائیل کو 235 یورینیم 1966ء میں پلوٹینیم فراہم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ افزودہ کیا ہوا کیتھیم 6 تھا جو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنانے میں کام آتا ہے۔ تحقیقات کے مطابق برطانیہ نے 1959ء میں 20 ٹن ہیوی واٹر DIMONA ری ایکٹر کو فراہم کرنے کے لیے ناروے کی ایک کمپنی کے ذریعے اسرائیل بھجوایا۔

2005ء میں آئی اے ای اے نے برطانیہ سے اس سلسلے میں جب استفسار کیا تو برطانوی وزیر خارجہ نے کہا کہ یہ میٹریل اسرائیل کو نہیں بلکہ ناروے کی مذکورہ کمپنی کو ہی فروخت کیا گیا تھا مگر ایک سابق انٹیلی جنس آفیسر جس نے اس ڈیل کی تحقیقات کی تھیں اس بات کو کنفرم کر دیا کہ یہ میٹریل اسرائیل ہی کو فراہم کیا گیا تھا اور ناروے کی کمپنی کا نام محض دکھاوے کے لیے تھا۔ بالآخر مارچ 2006ء میں برطانوی وزارت خارجہ نے تسلیم کر لیا کہ برطانیہ نے یہ سامان اسرائیل کو مہیا کیا تھا۔

اسرائیل نے اپنے ایٹمی پروگرام کو ہمیشہ خفیہ رکھا مگر دنیا کو پہلی مرتبہ اس پروگرام کی نوعیت کا اندازہ اس وقت ہوا جب لندن کے ایک اخبار سنڈے ٹائمز نے 5 اکتوبر 1986ء کی اشاعت میں نجونیوکلیئر ریسرچ سینٹر کے ایک سابق ملازم موردیکی وینونو سے حاصل شدہ معلومات شائع کیں جس میں بتایا گیا تھا کہ DIMONA پراجیکٹ درحقیقت اسرائیل کا ایٹمی ہتھیار بنانے کا سب سے بڑا پراجیکٹ ہے۔ وینونو کی فراہم کردہ معلومات سے پتا چلا کہ اسرائیل نے تھرمونیوکلیئر ہتھیار بھی تیار کر رکھے ہیں۔ اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کی انتہائی رازداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ آج تک کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو اسرائیل میں ٹسٹ کہاں کیے ہیں یا نہیں کیے ہیں۔ جون 1976ء میں مغربی جرمنی کے آرمی کے میگزین نے یہ لکھا تھا کہ 1963ء میں صحرائے نجو کے مقام پر زیر زمین دھماکا کیا گیا تھا۔ ستمبر 1979ء میں سیٹلائٹ کے ذریعے یہ شواہد سامنے آئے کہ جنوبی افریقہ کے نزدیک سمندر میں 3 کلوٹن ایٹمی دھماکا کیا گیا۔ جو یقیناً اسرائیل اور جنوبی افریقہ کے باہمی معاہدہ برائے ایٹمی تعاون کا نتیجہ متواتر ہے۔

اسرائیل کے قیام کے دن سے ہی اس کے پہلے وزیراعظم بن گوریان نے اس کے ایٹمی پروگرام کی داغ بیل ڈال دی تھی جبکہ مشرق وسطیٰ روایتی ہتھیاروں میں بھی اس سے بہت پیچھے تھا اور طاقت کا توازن اسرائیل کے حق میں تھا اور بعدازاں شروع ہونے والے ایٹمی پروگرام میں اسے یورپ کی مکمل حمایت اور تعاون اور امریکی چشم پوشی نے بھرپور مدد فراہم کی۔

1968ء میں سی آئی اے کی ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیل مذکورہ سال سے بہت پہلے ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا بلکہ اس پروگرام کو تیزی سے ترقی دے رہا تھا۔ 1986ء میں اسرائیل کے DIMON کمپلیکس کے ایک اہلکار مردکائی ونونو نے لندن کے ''سنڈے ٹائمز'' کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں اسرائیل کے نیوکلیئر پروگرام کی مکمل تفصیلات بیان کیں جن سے دنیا بھر کے مبصروں کو پتا چلا کہ اسرائیل غیر اعلانیہ طور پر دنیا کی چھٹی بڑی ایٹمی طاقت بن چکا ہے۔ یہ انکشاف اسرائیل کے خفیہ ایٹمی پروگرام کے لیے کسی ''ایٹمی دھماکے'' سے کم نہیں تھا۔ چنانچہ اس سے پیشتر کہ ونونو اسرائیل کے ایٹمی پروگرام کے متعلق مزید انکشافات کرتا موساد نے اس کے لیے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ایک خاتون ایجنٹ کے ذریعے اسے پھانس کر پہلے اسے لندن کے خفیہ مقام سے برآمد کیا گیا۔ بعد میں اس خاتون اسرائیلی ایجنٹ نے اسے سیرو

تفریح کے بہانے اٹلی کے دارالحکومت روم چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ یہ دونوں روم آ گئے۔ ہوٹل میں ونونو کو کھانے میں نشہ آور دوا کھلائی گئی جب اسے ہوش آیا تو وہ اسرائیل پہنچ چکا تھا۔ یہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے 18 سال کی سزا سنائی گئی۔ ان دنوں وہ اسرائیلی جیل میں سچ بولنے کی سزا کاٹ رہا ہے بلکہ موساد کے انٹیلی جنس کے کلاسیکی "Honey Trap" کا شکار ہو کر ان کے شکنجے میں پھنسنے کی سزا بھگت رہا ہے۔ اسرائیل کے سابق وزیراعظم شمعون پیریز جو ایٹمی پروگرام کے سب سے بڑے معمار سمجھے جاتے ہیں۔ ونونو کو سزا دلوانے میں سب سے زیادہ سرگرم رہے۔

مشرق وسطیٰ اسرائیل کے قیام، تیل کی پیداوار اور سنگین تنازعات کی وجہ سے دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ہی ایک فلیش پوائنٹ رہا ہے۔ اس خطہ کی دوسری ریاست جو ایٹمی طاقت حاصل کرنے کی جستجو میں ہے وہ ایران ہے۔ ایران کا ایٹمی پروگرام رضا شاہ پہلوی کی قیادت میں 1950ء کی دہائی میں شروع ہوا اور اس میں اسے امریکہ، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کی مدد حاصل رہی۔

ایران کے ایٹمی پروگرام کو دو ادوار میں تقسیم کر کے زیر مطالعہ لایا جا سکتا ہے۔ پہلے دور میں رضا شاہ پہلوی کی ایٹمی پالیسیاں اور سرگرمیاں اور دوسرا دور 1979ء کے آیت اللہ خمینی کے بپا کردہ اسلامی انقلاب کے بعد کا دور ہے۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کا قیام امریکہ اور ایران کے ایک باہمی دوطرفہ معاہدہ کے تحت 1950 کے عشرہ میں عمل میں آیا تھا۔ امریکہ اور ایران کے درمیان ''ایٹم فار پیس پروگرام'' کے تحت 1957ء میں ایٹمی تعاون کے معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس سے پیشتر 1953ء میں ایران کے مقبول ترین وزیراعظم ڈاکٹر محمد مصدق کو سی آئی اے کے ذریعے اقتدار سے بے دخل کر کے رضا شاہ پہلوی کو حکومت دلوائی گئی۔ ڈاکٹر محمد مصدق نے ایران کے تیل کی صنعت کو نیشنلائز کر کے مغربی مفادات کو زبردست زک پہنچائی تھی۔

1959ء میں ایران کی ایٹمی پروگرام کے ادارہ (AEOI) نے تہران نیوکلیئر ریسرچ سینٹر قائم کیا۔ TNRC میں امریکہ کے مہیا کردہ 5 میگا واٹ کے ایک نیوکلیئر ریسرچ ری ایکٹر کو نصب کیا گیا جس نے 1967ء میں کام شروع کر دیا۔ ایران نے 1968ء میں NPT پر دستخط کیے اور 1970ء میں اس کی توثیق کی اس وقت رضا شاہ پہلوی نے پورے ایران میں 23 نیوکلیئر پاور اسٹیشن قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ امریکی معاونت کے ذریعے اس پراجیکٹ نے 2000ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچنا تھا۔

اگست 1974ء میں رضا شاہ پہلوی نے اپنے ملک کے ایٹمی پروگرام کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا ''پٹرول ایک قیمتی معدنیات ہے، اس کو جلا کر ضائع نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم 23,000 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کے لیے نیوکلیئر پلانٹس لگائیں گے اور بوشیر پہلا پلانٹ ہوگا جو شیراز کو بجلی فراہم کرے گا۔'' 1975ء میں جرمنی کی ایک فرم ''کرافٹ ورک یونین'' SIEMENS اور ''ٹیلی فنکن'' کے ساتھ مل کر 4 سے 6 ارب ڈالر تک کا ایک معاہدہ ایران کے ساتھ کیا جس کے تحت نیوکلیئر پلانٹ تعمیر کرنا تھا اور جرمنی ہی کی ایک دوسری فرم ''تھائزن کرپ'' کے ساتھ 1,196 میگا واٹ نیوکلیئر جنریٹنگ یونٹس کی تعمیر کا معاہدہ ہوا جس نے 1981ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچنا تھا۔ مغربی ممالک جن میں فرانس، بیلجیئم، اسپین اور سویڈن شامل ہیں نے مل کر 1973ء میں ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنی ''یوروڈف'' قائم کی جس نے ایران میں بزنس

کرنے کے لیے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔1975ء میں سوئیڈن جس کے 10فی صد شیئر ''یوروڈف'' میں شامل تھے ایران اور فرانس میں معاہدہ کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔

یورپ کے ساتھ ساتھ امریکہ بھی اقتصادی ثمرات سمیٹنے کے لیے ایران کے ایٹمی پروگرام میں پیش پیش رہا۔1973ء میں عرب اسرائیل جنگ نے عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتوں میں زبردست اضافہ کر دیا۔ چنانچہ امریکہ نے تیل کی رسائی کو یقینی بنانے کے لیے ایران کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید مستحکم کرنے کی پالیسی پر عمل درآمد تیز تر کر دیا۔1975ء میں امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے ایران کا دورہ کیا اور ایران اور امریکہ کے درمیان نیوکلیئر تعاون کے معاہدہ پر دستخط کیے جس کے تحت امریکہ نے ایران کو 6ارب ڈالر کے عوض نیوکلیئر آلات اور تعاون فراہم کرنا تھا۔ اس وقت ایران 6ملین بیرل تیل روزانہ فراہم کر رہا تھا۔1976ء میں امریکی صدر جیرالڈ فورڈ نے ایران کو ایک ری پراسیسنگ پلانٹ مہیا کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے جس میں نیوکلیئر ری ایکٹر فیول سے پلوٹونیم کو علیٰحدہ کر لینے کی صلاحیت موجود تھی۔ صدر فورڈ نے کہا تھا ''ہم ایران کی اقتصادی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے تیل کے ذخائر کو آزادانہ برآمد کر سکے۔'' فورڈ انتظامیہ نے ایران کو نہ صرف ایٹمی پروگرام میں وسیع پیمانے پر تعاون کی ملٹی بلین ڈالر کی ڈیل کی بلکہ وہ ایران پلوٹونیم اور افزودہ یورینیم کی وسیع مقدار پر مکمل کنٹرول کے خواہاں تھے اس وقت ایران اور امریکی کمپنیوں میں بہت گاڑھی چھن رہی تھی ان کمپنیوں میں Westingnouse اور ''جنرل الیکٹرک'' پیش پیش تھیں۔ وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اپنے ایک انٹرویو میں اس وقت کہا تھا کہ ''میرا نہیں خیال کہ ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کا کوئی ایشو پیش آئے گا۔''

صدر فورڈ کی لائبریری اور این آر برمشی گن میوزیم میں ڈی کلاسیفائیڈ ہونے والی فائلوں جن میں بالخصوص 22اپریل1975ء اور 20اپریل1976ء کی فائلیں یہ بتا رہی ہیں کہ اس وقت امریکا بہت شدت سے اس بات کا خواہش مند تھا کہ وہ ایران کو یورینیم کی افزودگی اور پراسیسنگ کی سہولتیں فراہم کرے اور یہ انکشاف سب سے زیادہ دلچسپ ہے کہ آج کے امریکی نائب صدر ڈک چینی' وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ اور پال وولفز اس وقت ایران کے نیوکلیئر پروگرام کے سب سے بڑے حامی اور پلوٹونیم کی پیداوار حاصل کرنے کے پروگرام ڈیزائن کرنے والوں میں شامل تھے۔ (پلوٹونیم جو ایٹمی ہتھیار بنانے میں کلیدی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔) آج تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کو جواز بنا کر مشرق وسطیٰ کو خون میں نہلا دینے کے منصوبوں میں انہی حضرات کا آہنگ سب سے بلند ہے۔

ایران کے ایٹمی پروگرام کا دوسرا دور1979ء کے اسلامی انقلاب کے بعد کا ہے جب ایک عوامی تحریک نے رضا شاہ پہلوی کو اقتدار اور ایران سے باہر جا پھینکا۔ اس انقلاب کے بعد ایران نے IAEA کو بتایا کہ ایران اپنا ایٹمی پروگرام دوبارہ شروع کرنا چاہتا ہے جو کہ انقلاب کی وجہ سے روک دیا گیا تھا۔ چنانچہ1983ء میں اپنی ایک رپورٹ میں واضح طور پر لکھا کہ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ''نیوکلیئر پاور ٹیکنالوجی کے حصول میں سرگرداں ایک ایسی ریاست کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ان کے سائنس دانوں کو تکنیکی معاونت فراہم کی جائے جو سول مقاصد کے تحت اپنا پروگرام چلا رہی ہے۔'' تاہم امریکہ کی طرف سے IAEA پر ایران کے ایٹمی پروگرام کو ختم کر دینے کے لیے دباؤ بڑھنے لگا کیونکہ انقلاب ایک ''ٹرننگ

پوائنٹ'' ثابت ہوا۔فرانس نے ایران کو افزودہ یورینیم فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ایرانی حکومت نے اگرچہ ''یوروڈف'' سے اپنا سرمایہ نہیں نکالا تاہم اس نے تمام ادائیگیوں کو معطل کر دیا۔1982ء میں فرانسیسی صدر فرانکوئس متراں نے ایران کو یورینیم فراہم کرنے سے انکار کر دیا جس کے لیے ایک ارب ڈالر دیا جا چکا تھا۔1991ء میں ایران اور فرانس میں ایک معاہدہ کے تحت یہ رقم واپس کر دی گئی۔کرافٹ ورک یونین سیمنز' اور ٹیلی فنکن کے اشتراک عمل نے 1975ء میں کیے گئے ایک معاہدے کے تحت بوشہر کے ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر جاری تھی یہ کام جنوری 1979ء میں روک دیا گیا جب ایک ری ایکٹر 50 فی صد اور دوسرا 85 فی صد مکمل ہو چکا تھا۔کمپنی نے کام روک دینے کا جواز یہ بتایا کہ ایران نے 450 ملین کی ادائیگی نہیں کی تھی جب کہ یہ کمپنی ٹوٹل پراجیکٹ کا 2.5 بلین ڈالر وصول کر چکی تھی۔

ایٹمی ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ

اصل مجرم امریکہ و برطانیہ

امریکہ کے نائب وزیر برائے سیاسی امور ''نکولس برنز'' نے امریکی ''تھینک ٹینکس'' سے خطاب کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ ''یہاں سے ایٹمی ٹیکنالوجی دوسرے ملکوں (ایران) منتقل ہوتی رہی ہے' جس کے باعث اس سے سول نیوکلیئر ڈیل نہیں ہوسکتی ویسے بھی پاکستان اپنے ایٹمی اثاثوں کے تحفظ میں ناکام رہا ہے۔ یوں ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے حوالے سے پاکستان، شمالی کوریا اور ایران کے ساتھ کھڑا ہے جبکہ بھارت کا ایٹمی ریکارڈ بہت اچھا ہے۔''

جس دن سے امریکہ اور بھارت کے درمیان سول نیوکلیئر معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں اس معاہدے کے خلاف امریکی عوام اور دانشور طبقے کی طرف سے مسلسل مخالفت کی جارہی ہے اور بعض اراکین کانگرس بھی خدشات کا اظہار کررہے ہیں' تمام تر کوششوں کے باوجود امریکی حکومت اس مسئلے پر اپوزیشن اور عوام دونوں کو ابھی تک مطمئن نہیں کرسکی حالانکہ ہر فورم میں وضاحتیں کی جارہی ہیں اور اس معاہدے کی وجہ سے امریکی عوام کو حاصل ہونے والے فوائد پر روشنی ڈالی جارہی ہے لیکن معاہدے کے مخالفین کے تحفظ اپنی جگہ موجود ہیں' بھارت کے ساتھ صدر جمی کارٹر نے ''واشنگٹن پوسٹ'' میں شائع ہونے والے اپنے مضمون میں کانگرس سے اپیل کی ہے کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی کی بھارت منتقلی کو روکے' کیونکہ یہ غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہے جمی کارٹر نے انکشاف کیا کہ اس کے دور حکومت میں بھی بھارت کو ٹیکنالوجی بیچنے کے لیے دباؤ موجود تھا لیکن پچھلے تیس برسوں میں اس سمت کسی امریکی صدر نے بھی بھارت یا کسی ایسے ملک کو جس نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے ایٹمی ایندھن و ٹیکنالوجی فروخت کرنے کا دباؤ قبول نہیں کیا' جمی کارٹر نے بھارت و امریکی ڈیل کو دنیا کے لیے خطرناک قرار دیتے ہوئے بش انتظامیہ کی پالیسیوں کو شرمناک قرار دیا ہے اس سے قبل بل کلنٹن بھی بھارت کو ایٹمی توانائی فراہم کرنے کی مخالفت کرچکے ہیں۔

جمی کارٹر کی طرح امریکی کانگرس کے رکن ''ایڈورڈ مارکی'' نے اپنے ایک انٹرویو میں بھارتی ایٹمی معاہدے کو دنیا کے امن اور اسے عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح روس اور چین بھی ایٹمی ٹیکنالوجی اپنے حامی ممالک کو بیچنے میں حق بجانب ہوں

گے اور اس کے بعد ایٹمی ٹیکنالوجی اور ایندھن کی دنیا میں ایک ایسی مارکیٹ وجود میں آجائے گی جہاں سے کوئی بھی ملک آسانی کے ساتھ اسے خرید سکے گا۔ ''ایڈورڈ مارکی'' کا تعلق ڈیموکریٹک جماعت سے ہے اور یہ کانگرس کی ٹاسک فورس برائے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے چیئرمین ہیں اور بل کلنٹن و جمی کارٹر کا تعلق بھی ڈیموکریٹک جماعت سے ہے یوں امریکہ کی برسراقتدار جماعت ریپبلکن اپنے عوام اور دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہے کہ ایٹمی معاہدے کی امریکہ میں مخالفت اور اس کی نوعیت سیاسی ہے حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں جب بھی امریکہ میں ڈیموکریٹک برسراقتدار آئے' ان کا جھکاؤ بھارت کی طرف رہا۔ ڈیموکریٹک جماعت کی انہیں پالیسیوں کی وجہ سے ہمیشہ پاکستان کے لیے بھی مشکلات پیدا ہوئیں جبکہ ریپبلکن کے دور میں پاکستان و بھارت کے لیے امریکی پالیسیوں کا جھکاؤ قدرے پاکستان کے حق میں ہوتا یہ سلسلہ پچھلی نصف صدی سے یوں ہی جاری ہے۔ بل کلنٹن کے زمانے میں تو امریکہ یکطرفہ طور پر بھارت کے گن گایا کرتا تھا لیکن گزشتہ دو برسوں سے گنگا نے الٹا بہنا شروع کر دیا ہے وہ جماعت جو بھارت کو امریکی ساخت کے روایتی ہتھیار تک بیچنے کو تیار نہیں تھی۔ اب بھارت کو ایٹمی ایندھن مع ایٹمی ٹیکنالوجی دینے پر تلی ہے اور ڈیموکریٹک اس کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور ایسا نہیں کہ ریپبلکن جماعت کے سارے رکن اس معاہدے کے حق میں ہیں۔ پارٹی ڈسپلن کے اندر رہتے ہوئے کانگرس میں حکومت کے اپنے لوگ بھی بھارت کو جوہری توانائی میں تعاون کے مخالف ہیں ویسے تو صدر بش اور اس کے دیگر ساتھی مطمئن ہیں کہ کانگرس ایٹمی معاہدے کی منظوری دینے میں ہچکچائے گی لیکن اس سارے ڈرامے میں پاکستان کو دنیا کے سامنے منفی کردار کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

پاکستان نے امریکہ بھارت ایٹمی معاہدے پر اعتراض کرتے ہوئے واضح طور پر کہا ہے کہ اس طرح خطے میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا جس کی وجہ سے خطے کا امن بھی متاثر ہوگا۔ ساتھ ہی جب پاکستان نے اپنے لیے بھی توانائی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سول ایٹمی توانائی کے حصول کی خواہش کا اظہار کیا تو امریکی نائب وزیر برائے سیاسی امور کہتے ہیں کہ ''پاکستان کا ایٹمی ریکارڈ بھارت کی طرح اچھا نہیں ہے یہ ایران وشمالی کوریا کو ایٹمی معلومات فراہم کرتا رہا ہے۔'' اسی طرح کا الزام چند روز قبل جرمنی سے شائع ہونیوالے ایک عسکری جریدے نے بھی لگایا ہے کہ سعودی عرب پاکستان کے تعاون سے ایٹمی ہتھیار بنانے میں مصروف ہے' پاکستان نے اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے لیکن بیرونی دنیا میں بھارت کی ہمدردلابیاں اکتوبر 2003ء کی مثال دے رہی ہیں جب ایران نے ''آئی اے ای اے'' کو نہ صرف معلومات بلکہ ثبوت بھی فراہم کر دیئے تھے اسے ایٹمی سنٹری فیوج بنانے میں پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر قدیر خان کا تعاون حاصل تھا۔ ڈاکٹر قدیر خان کی گرفتاری اور آئی اے ای اے'' کی طرف سے پاکستان میں استعمال ہونے والے سنیٹری فیوج اور اس کے پرزوں کے تفصیلی معاینے کے بعد یہ باب بند ہوگیا تھا کیونکہ آئی اے ای اے نے اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ ایران سے حاصل ہونے والے پرزوں کی ٹیکنالوجی پاکستانی ساختہ سینٹری فیوج ٹیکنالوجی سے مختلف ہے۔

لیکن آئی اے ای اے (انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی) کے حال ہی میں ریٹائر ہونے والے ایک انسپکٹر کے سوال کا جواب ابھی تک نہ تو امریکہ دے سکا ہے اور نہ ہی کوئی دیگر ادارہ' جس کے مطابق ایٹم بم تیار کرنے کے 13 مراحل ہیں جن کی ٹیکنالوجی ایک دوسرے سے مختلف ہے

انہیں میں سے ایک سینٹری فیوج ٹیکنالوجی ہے اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے تو دیکھنا پڑے گا کہ دیگر ایک درجن جوہری مراحل کی درجہ بہ درجہ استعداد اور ٹیکنالوجی ایران کے ہاتھ کیسے لگی اور فرانس، برطانیہ، چین، روس، بھارت، امریکہ و اسرائیل سمیت کون سا ملک ہے جس نے تباہ کن ہتھیار تیار کرنے والی معلومات ایران کو فراہم کیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یا تو ایران ایٹمی اسلحہ تیار نہیں کر رہا اور اگر کر رہا ہے تو پھر اسے کسی دوسرے ملک کا تعاون ضرور حاصل ہے اور ایران کے خلاف کارروائی سے پہلے اس کا کھوج لگانا نہایت ضروری ہے۔'' ان سوالوں کا جواب تو امریکہ نہیں دے سکتا ہے لیکن کچھ تلخ حقائق یہ بھی ہیں۔

''چدم برام'' عام آدمی کے لیے نیا نام ہوسکتا ہے لیکن انٹرنیشنل ایجنسی برائے اٹامک انرجی کے علاوہ امریکہ یا دنیا میں ایٹمی ٹیکنالوجی پر کام کرنے والے افراد و اداروں کے لیے نیا نہیں ہے۔ ''چدم برام'' دس برس قبل بھارت میں ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ کے طور پر کام کر رہا تھا کہ اچانک بھارت سرکار نے اسے جبراً سبکدوش کر دیا اسے نہ تو قصور بتایا گیا اور نہ ہی چھ ماہ تک کسی کو اس سے رابطہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد خاموشی سے چدم جی کو دو سال کے لیے ایران میں بھارتی سفارت خانے میں تعینات کر دیا گیا۔ بھارت میں چدم برام کے اہل خانہ کے علاوہ چند سرکاری لوگ اس کی نئی تعیناتی سے واقف تھے۔ اب نہ تو چدم برام سفارت کار تھا اور نہ ہی اسے سفارت کاری کا کوئی تجربہ تھا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے سیر و تفریح کے لیے بھیج دیا گیا ہو اور صرف ایران ہی کیوں دیگر درجنوں ملک ایٹمی قوت بننے کی خواہش رکھتے ہیں جن کے ساتھ بھارتی تعاون کو کسی صورت رد نہیں کیا جا سکتا جبکہ جوہری صلاحیت کے پھیلاؤ کا الزام پاکستان پر لگایا جا رہا ہے لیکن اس تمام صورتحال سے ہٹ کر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ میں اصل کردار خود امریکہ نے ادا کیا ہے جس نے اقوام عالم کی طرف سے ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کے بعد غم و غصے اور مخالفت کے بعد نہ صرف خود ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ اسے دنیا پر اپنے تسلط کے لیے دباؤ کے لیے استعمال کرتا رہا۔

24 جنوری 1946ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے متفقہ طور پر ''اٹامک انرجی کمیشن'' کی بنیاد رکھی تاکہ دنیا کو اس مہلک ہتھیار کی مزید تباہی سے بچایا جا سکے اور آئندہ کوئی ملک بنی نوع انسان کی اجتماعی موت کا سامان تیار کرنے سے باز رہے اور اٹامک انرجی کمیشن کے ذریعے ایٹمی ٹیکنالوجی کو صرف انسانیت کی فلاح اور ترقی تک محدود رکھا جا سکے۔ نیز امریکہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا ایٹمی اسلحہ تلف کر دے لیکن امریکہ نے اٹامک انرجی کمیشن کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور اس کے متبادل ادارہ بنانے کے لیے تجاویز دینی شروع کر دیں امریکی مخالفت کو مدنظر رکھتے ہوئے سوویت یونین نے ایٹمی اسلحہ کی تیاریوں کی کوششیں تیز کر دیں۔ امریکہ نے Atomic Energy Commission(AEC) کی International Atomic Development Authority(IADA) کی تجویز پیش کی جسے جون 1946ء میں امریکی نمائندے Bernard Baruch نے "AEC" کے لیے خودمختاری کا مطالبہ بھی کر دیا تاکہ یہ ادارہ جب چاہے دنیا کے کسی بھی ملک میں بلا روک ٹوک داخل ہو کر ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کر سکے چاہے وہ پرامن مقاصد اور برقی توانائی کے لیے ہی کیوں نہ ہو، ساتھ ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آئندہ جو بھی ملک توانائی کی ضروریات کے لیے نیوکلیئر ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے

پہلے "IADA" سے اجازت نامہ حاصل کرے اور خلاف ورزی پر "IADA" کو سزا دینے کا اختیار بھی ہو۔ سوویت یونین نے امریکی تجاویز کو بدنیتی پر مبنی قرار دیتے ہوئے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد دو سال تک اقوام متحدہ کے فورم پر مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا اور آخر کار مئی 1948ء میں اٹامک انرجی کمیشن کو بے کار ادارہ تصور کرتے ہوئے توڑ دیا گیا' 24 اگست 1949ء کو سوویت یونین نے ایٹمی دھماکہ کر کے امریکہ کی بطور ایٹمی قوت چودھراہٹ کو خاک میں ملایا تو امریکہ نے فوری طور پر برطانیہ کو ایٹمی قوت بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ سوویت یونین کے مقابلے میں امریکہ کے اتحادی بھی ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوں۔ 3 اکتوبر 1952ء کو برطانیہ نے ایٹمی دھماکہ کر کے خوشی کا جشن منایا۔ دنیا کے بہت سے ممالک نے اس پر ناخوشی کا اظہار کرتے ہوئے اقوام متحدہ سے رجوع کیا تاکہ ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کو روکا جا سکے۔ اقوام متحدہ نے افہام و تفہیم سے ایک کمیشن تشکیل دیا جو "ڈس آرمامنٹ" کمیشن کے نام سے مشہور ہوا لیکن اس کمیشن کی زندگی صرف چند روز تھی۔ یہ اس وقت وفات پا گیا جب 15 روز بعد امریکہ نے ہائیڈروجن بم کا تجربہ کر کے دہشت پھیلا دی۔ جواباً سوویت یونین نے بھی اگست 1953ء میں ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کر دیا۔ امریکہ نے دیر نہیں لگائی اور ہائیڈروجن بم کی ٹیکنالوجی برطانیہ کو فراہم کر دی اور کمیونسٹ بلاک پر دباؤ ڈالنے کے لیے فرانس کو بھی ایٹمی ٹیکنالوجی سے لیس کر دیا گیا۔ اس کی اطلاعات میڈیا تک پہنچیں تو پورے یورپ میں احتجاج شروع ہو گیا جس کے بعد آخر کار امریکہ و سوویت یونین نے باہمی مشاورت سے 1957ء میں "IAEA" انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کی بنیاد رکھی جس کا مرکزی صدر دفتر ویانا میں قائم کیا گیا (یہی ادارہ آج بھی امریکہ کے ہاتھوں میں بطور چابک موجود ہے) کبھی عراق پر برساتے کبھی لیبیا پر تو کبھی ایران یا امریکی مفادات میں رکاوٹ ڈالنے والے تو خود وہی ملک تھے جنہوں نے اسے تشکیل دیا تھا اور یہی وجہ ہے 13 فروری 1960ء کو جب فرانس نے ایٹمی دھماکہ کیا تو دنیا نے ایٹمی ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کا مجرم امریکہ و برطانیہ کو قرار دیا۔ امریکہ و برطانیہ نے اقوام متحدہ میں احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ تحقیقات کی جائے فرانس تک یہ ٹیکنالوجی کس طرح پہنچی (ان تحقیقات کا نتیجہ آنا ابھی باقی ہے) لیکن ایٹم بم بنانے والے ممالک کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور اب بھی خبریں آ رہی ہیں کہ جنوبی کوریا اور تائیوان بھی خفیہ طور پر امریکہ کے تعاون سے ایٹمی قوت بننے میں پیش رفت کر رہے ہیں۔

دنیا میں ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کے لیے پچھلے ساٹھ برسوں میں اقوام متحدہ کے تحت مسلسل ہونے والے مذاکرات کی تفصیلات اکٹھی کی جائیں تو لائبریری تیار ہو سکتی ہے جو اس لیے مضحکہ خیز ہوگی کہ اتنے طویل عرصے تک لاحاصل گفتگو کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھا گیا اور ہوا وہی جو بڑی قوتیں چاہتی تھیں' چین' پاکستان' بھارت و اسرائیل تو اعلانیہ ایٹمی قوت بن چکے ہیں لیکن 15 مزید ملک ہیں جو مستقبل میں کسی وقت بھی ایٹمی دھماکہ کر سکتے ہیں اور یہ سب ملک بظاہر توانائی کی ضروریات کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی پر کام کر رہے ہیں' لیکن وجہ جو بھی ہو اگر امریکہ اپنے مفادات اور ضروریات کے لیے اپنے اتحادیوں کو ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کر سکتا ہے اور اس پر اسے کوئی شرمندگی بھی نہیں تو پھر بقول "ایڈورڈ مارکی" روس و چین کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دوستوں تک اس ٹیکنالوجی کو پہنچائیں اور شاید وہ وقت دور نہیں جب ایٹمی استعداد رکھنے والے ملکوں کو اپنی اقوام متحدہ تشکیل دینی پڑے گی کیونکہ ان کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہوگی۔

ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کا
امریکی واسرائیلی منصوبہ

مغربی میڈیا کی جانب سے یہ مہم بہت تیزی کے ساتھ چلائی جارہی ہے کہ ایران پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے۔ دن رات واشنگٹن میں پیشن گوئیاں' امریکی حکام کی دھمکی آمیز بیانات اور اخبارات میں یہ خبریں شائع ہورہی ہیں کہ امریکہ ایران کے خلاف جنگی کارروائی کرنے والا ہے۔ ایران پر امریکی حملے کے پیچھے مقاصد کیا ہیں' اس کے بارے میں اس وقت صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ ایران پر امریکی حملہ اسرائیل کی خاطر کیا جائے گا جیسا کہ عراق کے ساتھ ہوا۔ ایران پر حملے کی افواہیں اس وقت اس وجہ سے گردش کررہی ہیں کہ اسرائیل کبھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ مشرق وسطیٰ میں اس کے علاوہ کوئی اور ایٹمی قوت جنم لے۔ اس وجہ سے ایران پر جنگ مسلط کرنے کے لیے پوری مہم زور وشور سے اس الزام کے تحت چلائی جارہی ہے کہ اس نے ایٹمی قوت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

اسرائیل نے عراق کو تباہ کن حملے کا نشانہ صرف غیر مصدقہ اطلاعات پر امریکہ کے ذریعے بنایا۔ عراقی مہلک ترین ہتھیاروں کے حوالے سے جس طرح کا ڈرامہ رچایا گیا تھا' آج وہی ڈرامہ ایران کے ساتھ بالکل اسی طرح دوبارہ دہرایا جارہا ہے۔ عراق میں مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ غلط ثابت ہوا اور ان رپورٹوں میں ذرہ برابر بھی سچ نہ نکلا جن کو جواز بنا کر عراق پر جنگ مسلط کی گئی۔ برطانوی اخبار انڈیپنڈنٹ کے مطابق صرف جنوری 2002ء سے جنوری 2004ء تک بش حکومت نے عراق کے حوالے سے جاری بیانات میں 237 مرتبہ جھوٹ بولا ہے۔ امریکہ نے اس قدر جھوٹ صرف اسرائیل کے لیے بولا تھا تاکہ عراق پر حملے کے لیے کھوکھلا جواز تراشا جاسکے اور عراق میں موجود اسرائیلی مفادات کو حاصل کیا جاسکے۔ عراقی حکومت کو ختم کرنے کی وجہ سے اسرائیل عراق میں متحرک ہوا جسے دیکھ کر ایران بھی عراق میں متحرک ہوگیا اور جنوبی عراق میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانے کی کوشش شروع کردی۔ اسرائیل سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہوا اس نے امریکی صدر بش کی زبانی سقوط بغداد کے فوراً بعد اپریل 2003ء میں ہی یہ بیان جاری کروایا کہ عراقی معاملات میں دخل اندازی کرنے سے ایران باز رہے۔ اس کے بعد اسرائیل نے امریکہ کے ذریعہ ایران پر دباؤ ڈالا کہ وہ عراق سے لگنے والی اپنی 900 میل پر قائم سرحد کو بند کردے۔ اسرائیل جب ایرانی سرحدوں کو بند کروانے میں ناکام ہوگیا تو اس نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ ایران عراق میں اپنا اثر نفوذ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس ہدف کو

حاصل کرنے کے لیے ایران نے کئی ایرانیوں اور شیعی عراقیوں کو عراق میں داخل کروایا جو جنوبی عراق پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کے لیے سرگرم ہے۔ اس کے علاوہ بصرہ کوفہ اور نجف جیسے شہروں میں ایران ملکیتیں و مکانات خرید رہا ہے تاکہ وہاں پر اپنا اثر و نفوذ قائم کر سکے اور اسرائیلی سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکے۔ اسرائیل کو شمالی عراق میں اندھا دھند مکانات خریدتے ہوئے دیکھ کر ایرانیوں نے بھی جنوبی عراق میں مکانات خریدنا شروع کر دیئے جس سے اسرائیل کو طیش آیا اور اس نے بش کی زبانی 16 دسمبر 2004ء کو ایران کو خبردار کیا کہ وہ عراق کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے ورنہ سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ پھر اس کے بعد عراق میں امریکہ کو مزاحمتی افراد کے ہاتھوں فلوجہ میں اپریل 2004ء سے جاری لڑائی میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے امریکہ نے ایران پر حملے کرنے کا اسرائیلی منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوششیں تیز کر دیں کیونکہ ایران پر حملے کی صورت میں امریکہ بآسانی عراق سے اپنی افواج نکال سکے گا اور رائے عامہ میں بھی اسے کوئی امریکہ کی شکست تصور نہیں کرے گا۔

ان وجوہات کے باعث ایران پر حملے کے لیے امریکہ کی جانب سے پورے زور و شور سے جواز آج کل میڈیا پر تراشے جا رہے ہیں۔ کبھی امریکی حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ ایران عراقی زمینوں میں موجود دہشت گردوں کی مدد کر رہا ہے' تو کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ایرانی حکومت ڈکٹیٹر شپ اور دہشت گردوں کی حامی ہے' اسے ختم کر کے نئی امریکہ نواز حکومت لانی چاہیے۔ تو کبھی امریکہ یہ بہانہ تراشتا ہے کہ ایران ایٹمی ہتھیاروں کا مالک بننے کے لیے کوشاں ہے۔ امریکی حکومت کے ان بیانات میں سچ کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی کیونکہ ایران نے جنگ سے بچنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ایک ملک اپنے دفاع کے لیے کرتا ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ نے اسرائیل کے خاطر ایران پر جنگ مسلط کرنے والے فیصلہ کو واپس نہیں لیا۔

ایران نے عراق کا انجام دیکھنے کے باوجود عالمی معائنہ کاروں کو اپنی تنصیبات کا دورہ کروایا اور یورینیم کی افزودگی منجمد کر دی۔ ایران نے اس کے علاوہ یورپی یونین سے مسئلے کا سیاسی حل نکالنے کے لیے مذاکرات بھی کیے لیکن امریکہ ان مذاکرات کو ناکام کرنے کے لیے کوشاں ہے تاکہ ایران پر حملہ کیا جا سکے۔ ایران نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امریکہ جمہوری طریقے سے اس کے اور یورپی یونین کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں خلا ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان حامد رضا آصفی نے 19 جنوری کو ایک بیان میں کہا کہ ایران اپنی سلامتی کو لاحق کسی بھی خطرے کے مقابلے کے لیے سفارتی اور عسکری سطح پر پوری طرح تیار ہے۔ ان کا اشارہ صدر بش کے اس بیان کی طرف تھا جس میں امریکی صدر نے اس بات کا عندیہ ظاہر کیا تھا کہ ایران کے خلاف طاقت کے استعمال کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ 25 اقوام پر مشتمل یورپی یونین اور ایران کے مابین ایرانی جوہری پروگرام کے بارے میں مذاکرات جاری ہیں اور یورپی یونین نے ایران کو جوہری پروگرام کے عوض تجارتی ترغیبات کی پیشکش کی ہے۔ ایرانی ترجمان نے امریکی اعلان کو نفسیاتی مہم اور سیاسی دباؤ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ واشنگٹن یہ طے کر چکا ہے کہ ایران اور یورپی یونین کے درمیان تعمیری جوہری مذاکرات کی نہ تو مدد کی جائے اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ انہوں نے نئی امریکی سیکرٹری خارجہ کونڈولیزا رائس پر زور دیا کہ وہ واشنگٹن کی خارجہ پالیسی کی اپروچ میں تبدیلی پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نئی وزیر خارجہ

سے کہیں گے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کو درست کریں اور ان غلطیوں کے اعادے سے باز رہیں۔

ادھر ایرانی خبر رساں ایجنسی مہر کے سیاسی نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے ایرانی پارلیمنٹ میں خارجہ سیاست کے قومی سلامتی کمیشن کے رکن نے کہا کہ ایرانی حکومت اور پارلیمنٹ ایرانی قوم کے حقوق کا اچھی طرح دفاع کریں گے اور اس سلسلے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ انہوں نے دنیا کی موجودہ شرائط کے پیش نظر اس مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اور دوسری طاقتور حکومتیں ایٹمی توانائی کے مسئلہ کو ایک حربے کے طور پر استعمال کرتی ہیں تا کہ اس طرح ایران جیسے ملکوں کو اس سے محروم کر سکیں لہٰذا طبعی طور پر ایرانی قوم کے حقوق کا دفاع ہماری خارجی سیاست کا اولین فریضہ ہے اگر ہم اس سلسلے میں اپنے موقف سے پیچھے ہٹیں گے تو دشمن ہم پر جری ہو جائے گا۔ اس کے باوجود کہ تین یورپی ملکوں نے ایران سے کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کیا پھر بھی ہم نے مذاکرات کے لیے دروازے کھول رکھے ہیں۔ پیرس میں ہم نے گزشتہ چند دنوں پہلے مذاکرات کیے تا کہ بین الاقوامی قوانین کے تحت صلح آمیز ایٹمی توانائی سے استفادہ کرنے کے لیے اپنا حق حاصل کیا جائے البتہ صیہونی حامیوں کی یہ کوشش ہے کہ ایران صلح آمیز ایٹمی پروگرام تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

برطانوی اخبار ٹیلی گراف کے مطابق امریکہ نے ایران کے ایٹمی پروگرام کو مستقل طور پر منجمد کرنے کے لیے جاری یورپی یونین کی کوششوں میں رکاوٹیں ڈالنے کا بھی منصوبہ بنایا ہے۔ سینئر امریکی حکام نجی طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ ایران کو ایٹمی پروگرام سے دستبردار کرنے کے لیے کوئی اقتصادی یا سیاسی اعانت نہیں دے گا۔ امریکی حکام ایرانی ایٹمی پروگرام کو پرامن طور ختم کرانے کے لیے جاری یورپی کوششوں سے جھنجھلاہٹ کے شکار ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ کسی ملک کو غلط اقدام پر نوازنے کی یورپی پالیسی خطرناک ہے۔ اخبار نے سینئر امریکی حکام کے حوالے سے کہا ہے کہ صدر بش کی طرف سے مستقبل قریب میں ایران کے خلاف کسی فیصلے کا امکان نہیں ہے۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کو روکنے کے لیے امریکہ پہلے اقوام متحدہ کے ذریعے سفارتی اور اقتصادی پابندیوں کا ہتھیار استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ٹیلی گراف کے مطابق برطانوی حکام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ امریکہ کے عدم تعاون کے باعث ایران کے معاملے سے پرامن طور پر نمٹنے کی ان کی کوشش ناکامی سے دوچار ہو جائیں گی۔ یورپی سفارتکاروں کا کہنا ہے کہ امریکی رویئے کے باعث ایران کسی بھی وقت دوبارہ اپنی ایٹمی سرگرمیاں شروع کر سکتا ہے جو اس نے یورپی یونین کے ساتھ معاہدے کے بعد معطل کر دی تھیں۔

امریکی میگزین نیویارک نے 17 جنوری کو امریکی صحافی سیمور ہرش کی ایک رپورٹ شائع کی جس میں انکشاف کیا گیا کہ امریکی کمانڈوز ایران کے اندر گھس کر ممکنہ امریکی حملوں کے لیے فوجی ٹھکانوں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ امریکی صحافی سیمور ہرش کی اس رپورٹ کے مطابق امریکی کمانڈوز پچھلے چھ ماہ سے ایران کے اندر موجود ہیں۔ امریکی صحافی کو خفیہ اہل کاروں نے بتایا کہ بش انتظامیہ کا اگلا نشانہ ایران ہے۔ سیمور ہرش کے مطابق ایران کی ایٹمی تنصیبات اور میزائل تنصیبات کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون میں ایک غیر فوجی مشیر کا خیال یہ تھا کہ امریکہ کو ایران میں گھس کر جتنا جلد ممکن ہو سکے فوجی تنصیبات کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ بی بی سی کے مطابق امریکی صحافی سیمور ہرش نے کہا ہے کہ وہ اپنی اس رپورٹ پر قائم ہیں جس میں انہوں نے انکشاف کیا تھا کہ امریکی فوجی ایران کے خلاف خفیہ کاروائیاں کر رہے ہیں۔ بی بی سی کے جیریمی پیکسمین

سے بات کرتے ہوئے مسٹر ہرش نے کہا کہ اس بات کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا کہ میری خبر کتنی سچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بش انتظامیہ یہ نہیں چاہتی کہ ایران کے بارے میں اس کے ارادوں کا عوام کو پتہ چلے۔ انہوں نے یہ بیان بش انتظامیہ کی طرف سے جاری ہونے والے اس بیان کے بعد دیا ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ہرش کی رپورٹ بعید از قیاس باتوں اور غلطیوں سے پر ہے۔ امریکہ نے ہرش کی رپورٹ کو خیالات سے تعبیر کیا اور پاکستان نے بھی اس خبر کو اشتعال انگیز قرار دیتے ہوئے امریکہ کے ساتھ ایران کے خلاف اس قسم کے کسی بھی تعاون کی تردید کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ امریکی صحافی کی یہ رپورٹ غلط اور بے بنیاد ہے کہ پاکستان ایران کی جوہری تنصیبات کا کھوج لگانے میں امریکہ کی مدد کر رہا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ پاکستان نے ایرانی ایٹمی پروگرام میں مدد دی نہ امریکہ یا کسی عالمی ایجنسی کو اس کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں' ایسا دعویٰ غلط ہے' پاکستان کے ایران کے ساتھ قریبی دوستانہ تعلقات ہیں' امریکہ کے ساتھ بھی قریبی دوستانہ تعلقات ہیں انہوں نے کہا کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات کی پاکستان کے پاس محدود معلومات ہیں' کسی فرد کے ذاتی تعاون کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن پاکستان کا ایران سے سرکاری سطح پر ایٹمی شعبے میں کسی قسم کا تعاون نہیں ہے۔ بی بی سی کے مطابق اس سوال کے جواب میں کہ ہو سکتا ہے کہ امریکی جاسوس طیاروں نے پاکستان کی طرف سے فراہم کیے گئے فضائی اڈوں کا غلط استعمال کیا ہو اور ایران کی ایٹمی تنصیبات کی جاسوسی کی ہو' انہوں نے کہا کہ یہ بات اگر امریکی عہدیداروں سے پوچھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ امریکی صحافی کی رپورٹ کو انہوں نے اشتعال انگیز قرار دیا۔

امریکی صحافیوں کی رپورٹ حقائق پر مبنی ہے' اگرچہ اس کی تردید امریکہ نے کر دی ہے لیکن مختلف ذرائع سے موصول ہونے والی خبریں بھی سیمور کی اس رپورٹ کی تصدیق کرتی ہیں کہ امریکہ ایران میں خفیہ کارروائیاں کر رہا ہے۔ ایرانی خبر رساں ایجنسی مہر نے بتایا کہ یکم جنوری کو تین امریکی فوجی طیارے عراقی سرحدوں پر گشت کرتے ہوئے ایرانی سرحدوں میں گھس آئے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ تینوں طیارے F16 اور F18 تھے۔ ایرانی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایران کی جاسوسی کی اور ایرانی و عراقی سرحدوں کی نگرانی کرنے کے لیے گشت کیا۔

سعودی اخبار ریاض نے اپنے روزنامہ میں جنوب مشرقی عراق سے کویت آنے والے عینی شاہدین کے حوالے سے بتایا کہ امریکہ نے عراقی اور ایرانی سرحد کے قریب واقع علاقوں میں 20 ہزار کے لگ بھگ اپنے فوجیوں کو تعینات کر دیا ہے جو بکتر بند گاڑیوں' ٹرکوں اور کروز میزائلوں سے لیس ہیں۔ اخبار نے اپنے خاص ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ عراق اور ایران کی سرحد کے قریب ہونے والی امریکی سرگرمیوں کو اتنا خفیہ رکھا جا رہا ہے کہ امریکی فوج کے ساتھ کام کرنے والے لوگوں کے ڈرائیوروں کو بھی علاقہ میں جانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ترکی میگزین ایڈلنک نے اسرائیلی ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ امریکہ ترکی کے بحری فوجی اڈوں کو ایران کے محاصرہ کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس اثناء میں فلسطین انفوسائٹ نے خبر دی ہے کہ ایک طرف امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے ایران پر ایٹمی پروگرام ختم کرنے کے بارے میں دباؤ جاری ہے' دوسری طرف امریکہ ایرانی ایٹمی تنصیبات کو جلد از جلد تباہ کرنے کے منصوبے بھی بنا رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس سے امریکی ذرائع کے مطابق امریکہ' ایران سے سفارتی سطح پر مطالبات منوانے اور ایٹمی پروگرام کو ختم کرانے میں ناکامی کے بعد اب ایران کے بیسیوں مقامات پر ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے بارے میں غور کر رہا ہے۔ ایرانی ایٹمی تنصیبات پر حملے میں اسرائیل بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ ذرائع کے

مطابق موسم گرما سے قبل ہی امریکہ ایرانی ایٹمی پروگرام کا صفایا کرنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ اس سلسلے میں اسرائیل کے خفیہ اداروں نے ایرانی ایٹمی پلانٹ کی مختلف مقامات پر سراغ رسانی اور اہم ایٹمی تنصیبات کے بارے میں جاسوسی کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کی رپورٹ کے مطابق ایران میں 30 مقامات پر ایٹمی تنصیبات موجود ہیں اور امریکہ اور اسرائیل مل کر جلد ان کو تباہ کر دیں گے۔

ماہنامہ امریکی میگزین ''اٹلانٹک منتھلی'' نے اپنی ایک تازہ ترین رپورٹ میں بتایا کہ امریکی جنرلوں اور ایجنسیوں کے دانشوروں نے پینٹاگون کے ساتھ مل کر ایران پر حملہ کرنے کے لیے ایک منصوبہ تشکیل دیا ہے جسے امریکی قومی دفاعی کمیٹی نے تیار کروایا۔ ایران پر حملہ کرنے کا منصوبہ تین مراحل پر مشتمل ہے:

پہلا مرحلہ: ایرانی نیشنل گارڈ کے کیمپوں پر حملہ کرنے پر مشتمل ہے' جن کے بارے میں امریکی ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے تمام کیمپوں کی ریکی کر لی ہیں اور ان کیمپوں کو تباہ کرنے میں صرف ایک دن لگے گا۔

دوسرا مرحلہ: ایرانی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنا جو 300 مقامات پر مشتمل ہے۔ اس میں سے 125 مقامات ایسے ہیں جو ایٹمی کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے حوالے سے ایران نے قائم کر رکھے ہیں۔

تیسرا مرحلہ: خلیج' عراق' آذربائیجان' افغانستان اور جارجیا سے افواج کو ایران کی طرف روانہ کرنا تاکہ ایرانیوں کا محاصرہ کیا جا سکے اور انہیں دیگر علاقوں سے گھسیٹ کر تہران میں جمع کر کے ان پر قابو پایا جا سکے۔ منصوبہ کو تیار کرنے والے دانشوروں کا کہنا ہے کہ تیسرے مرحلہ میں ہونے والی سرگرمیوں کو دو ہفتوں میں پورا کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایران میں امریکی نواز نئی حکومت کو تعینات کیا جائے گا۔ منصوبہ تیار کرنے کے بعد بش کے مشیران نے امریکی وفاقی کمیٹی کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی۔ میٹنگ میں اس بات پر بحث کی گئی کہ ایران پر حملہ کرنے کے لیے آنے والے اسرائیلی طیاروں میں پٹرول کو دوبارہ کس طرح فضاء میں بھرا جائے گا۔ اس کے علاوہ طیاروں کو حملے کے لیے سعودیہ' اردن' ترکی اور عراق کی سرحدیں استعمال کرنا پڑیں گی۔ امریکی قومی وفاقی کمیٹی کے لیے بش کے مشیر نے اس بات کی تصدیق کی کہ ایرانی ایٹمی ہتھیاروں سے لاحق خطرے کو عالمی رائے عامہ میں باور کرانا عراق میں پیش آنے والے واقعہ سے بہت زیادہ آسان ہے کیونکہ ایرانی تنصیبات کا دورہ کرنے والے عالمی معائنہ کاروں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ایران اپنی تنصیبات کے بارے میں کچھ معلومات چھپا رہا ہے اور ایران کے دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے رمزفیلڈ سے پوچھا کہ کیا امریکہ عراق میں فوجی سرگرمیوں کو متاثر کیے بغیر کمانڈروں اور ہتھیاروں کا بندوبست کر سکتا ہے جو ایران پر حملے کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچائے؟ وزیر دفاع نے اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ ایران پر حملے کے لیے تیار کردہ منصوبہ وزیر دفاع رمزفیلڈ کی نگرانی میں تیار کیا گیا جس نے اس منصوبہ کا نام پلان بی رکھا۔ منصوبہ میں کہا گیا ہے کہ ایرانی نیشنل گارڈز کے کیمپوں اور سینٹروں کو نشانہ بنانا اور اس کے ساتھ ہی امریکہ کا یہ بیان میڈیا پر جاری کر دینا کہ نیشنل گارڈز عراق کے اندرونی

معاملات میں دخل اندازی کررہے تھے اس لیے حملہ کیا گیا۔اس کے بعد ایرانی ایٹمی ہتھیاروں کو نشانہ بنانا اور حملے کے جواز کے لیے میڈیا پر یہ بیان جاری کردینا کہ ایران نے عالمی رائے عامہ کو اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے حوالے سے گمراہ کیا اس لیے انہیں تباہ کیا جارہا ہے۔اس کے بعد تیسرے نمبر پر ایرانی حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں اپنی حامی حکومت قائم کرنا اور اس کے ساتھ ہی میڈیا پر جواز حاصل کرنے کے لیے یہ بیان جاری کردینا کہ حکومت ڈکٹیٹرشپ کی حامل تھی اور دہشت گردوں کی حمایت کرتی تھی اس لیے اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔

رمزفیلڈ نے میٹنگ میں موجود افراد سے کہا کہ وہ بش سے درخواست کریں کہ وہ ان تینوں مرحلوں کو بیک وقت پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے احکامات جاری کرے کیونکہ تینوں آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔نیشنل گارڈز کو نشانہ بنانے کے حوالے سے امریکی وزیردفاع نے کہا کہ یہ مشن اس لیے بہت آسان ہے کہ عسکری ایجنسیاں ان کے ٹھکانوں کے بارے میں جانتی ہے۔انہوں نے کہا کہ امریکی جنرلوں نے ایسا منصوبہ بنایا ہے کہ امریکہ سے اڑکر طیارے اور بحری جنگی بیڑوں سے میزائلوں کو فائر کرکے اہداف کو نشانہ بنایا جائے گا۔یہ کارروائی صرف ایک رات میں کی جائے گی۔

ایرانی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے حوالے سے وزیردفاع نے کہا کہ ہمارا منصوبہ اسرائیلی منصوبہ سے کسی حد تک مختلف نہیں ہے۔منصوبہ میں 300 ایرانی مقامات کو نشانہ بنانا ہے جن میں 125 ایٹمی حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کے حوالے سے قائم کردہ مقامات ہیں جبکہ باقی فوجی کیمپوں اور فضائی فوجی اڈے ہیں۔یہ تین سو سے زائد اہداف کو صرف 5 دن میں تباہ کردیا جائے گا۔پھر اس کے بعد ہونے والے زمینی حملے کے بارے میں وزیردفاع نے بتایا کہ ایران پر حملہ خلیج سے شروع کیا جائے گا۔خلیج سے حملے کے بعد جب جنوبی ایران میں ایرانی افواج جمع ہوجائے گی تو عراق سے زمینی حملہ شروع کیا جائے گا۔اس کے بعد جب بعض ایرانی افواج سرحدوں پر پہنچے گی تو چھاتہ بردار فوجیوں کے ذریعہ شمالی ایران پر آذربائیجان اور جارجیا کے ایئرپورٹوں اور وہاں پر قائم کردہ اپنے فوجی اڈوں سے حملے کیے جائیں گے۔اسی دوران مشرقی افغانستان سے ایران کیطرف امریکی افواج پیش قدمی کرے گی۔

ڈک چینی نے کہا کہ امریکہ مشرق وسطیٰ جنگ نہیں چاہتا اور وہ پوری کوشش کرے گا کہ جنگ کیے بغیر ہی معاملات طے پاجائیں۔ڈک چینی نے کہا کہ شاید اسرائیل اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنے طور پر ایران کے خلاف کوئی کارروائی کرے لیکن ان کے بقول ایسی کوئی کارروائی ناپسندیدہ ہوگی۔ڈک چینی نے کہا کہ اگر ایران اپنے پروگرام کو جاری رکھنے پر بضد رہا تو امریکہ اس معاملے کو اقوام متحدہ کے پاس لے جائے گا تاکہ ایران پر عالمی پابندیاں لگ سکیں۔

امریکی نائب صدر کے بیان کی حقیقت کا اندازہ اس سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے ایران کے جوہری پروگرام میں تعاون کے الزام میں چین، تائیوان اور شمالی کوریا کی 9 کمپنیوں پر 2 سال کے لیے نئی پابندیاں عائد کرنے کا اعلان کیا ہے۔نیویارک ٹائمز کے مطابق امریکی حکام کا الزام ہے کہ ایران نے چین سے ایٹم بم کا ڈیزائن حاصل کرلیا ہے جو کہ چین نے پاکستان کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے حاصل کیا تھا۔جن کمپنیوں پر الزام ہے کہ انہوں نے ایران کو اس کے جوہری پروگرام کے لیے پرزے آلات اور ٹیکنالوجی فراہم کی تھی۔ان کمپنیوں پر دو سال

تک امریکہ کے ساتھ کسی بھی قسم کے کاروبار کرنے پر پابندی کے علاوہ انہیں امریکی امدادی پروگرام سے بھی الگ کر دیا گیا ہے۔ تمام کاروباری اداروں کو بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ وہ ان کمپنیوں کے ساتھ ہر قسم کا کاروبار فوری طور پر روک دیں۔ ان کمپنیوں کے درآمدی اور برآمدی لائسنس بھی منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق امریکی وازرت خارجہ نے چین کی 8 کمپنیوں کے خلاف چارج شیٹ تیار کرتے ہوئے ان پر پابندیوں کا اعلان کیا ہے۔ ان چینی کمپنیوں میں چین گریٹ وال انڈسٹری کارپوریشن اور چائنا نارتھ انڈسٹری کارپوریشن پر پہلے بھی کئی مرتبہ امریکی حکومت پابندیاں اور جرمانے عائد کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ چین کی مسلح افواج کے لیے فوجی طیارے بنانے والی ایک اور بڑی کمپنی چائنا ایرو ٹیکنالوجی امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کارپوریشن پر بھی ایران کو میزائل کے پرزہ جات اور دوسرا حساس مواد دینے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق امریکی حکومت نے چین کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی کے خدشے کے تحت ان پابندیوں کا سرکاری طور پر اعلان نہیں کیا۔ اخبار کے مطابق بش انتظامیہ کے ایک اعلیٰ اہلکار نے بتایا کہ چینی کمپنیوں کا ایران سے لین دین گزشتہ 18 مہینوں کے دوران پیش آیا۔ اس اہلکار کے مطابق مذکورہ کمپنیوں نے جو مال ایران کو برآمد کیا۔ اس کی تفصیلات خفیہ ہیں تاہم امریکی اہل کار کے مطابق ان میں ہائی پرفارمنس میٹل اور وہ پرزے شامل ہیں جن پر امریکہ نے ایران نان پرولیفریشن ایکٹ مجریہ 2000ء کے تحت پابندی عائد کر دی ہے۔

ادھر برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے ایران کے خلاف کسی بھی حملے کے امکان کو رد کرتے ہوئے مسئلے کا مذاکرات کے ذریعے حل نکالنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ برطانوی اخبار کے مطابق جیک اسٹرا نے امریکی صدر کے ایران کے خلاف ممکنہ فوجی کارروائی کے بیان پر 200 صفحات پر مشتمل رپورٹ کا مسودہ تیار کیا ہے مسودے میں ایران کے خلاف فوجی کارروائی کو مسترد کیا گیا ہے اور ایران کے معاملے پر برطانیہ فرانس اور جرمنی کے مشترکہ پرامن مذاکراتی عمل کو ہی ایران اور عالمی برادری کے مفاد میں قرار دیا گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی کو پرامن مقاصد کے لیے استعمال کا حق حاصل ہے رپورٹ کا مقصد آئندہ ماہ وزیراعظم ٹونی بلیئر اور امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی ملاقات کے موقع پر برطانیہ کے موقف کو مضبوط کرنا بتایا گیا ہے۔ لندن سے ایسوسی ایٹڈ پریس کے مطابق برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے اخبار فنانشل ٹائمز کو ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ یورپی ممالک تہران کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ وہ جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام کو ترک کر دے۔ جیک اسٹرا نے کہا کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ایرانیوں کی وجہ سے تقسیم ہو جائیں گے وہ غلط ہیں اور جو سمجھتے کہ ہم نہ تو بات چیت کر سکتے ہیں اور نہ ان میں بھروسہ پیدا کر سکتے ہیں وہ غلط سوچتے ہیں۔

دوسری طرف ایران کے وزیر دفاع نے کہا ہے کہ کوئی بھی ملک ایران پر حملہ نہیں کر سکتا کیونکہ ایران کے پاس حملے روکنے کی فوجی قوت موجود ہے۔ ایران کے نیم سرکاری خبر رساں ادارے ''مہر'' کے مطابق وزیر دفاع نے کہا کہ ایران کی مسلح افواج کو حملے کا کوئی خوف نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ کوئی ملک ہم پر حملہ نہیں کر سکتا کیونکہ کسی کے پاس ہماری فوجی صلاحیت کے متعلق حقیقی تفصیلات نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی مسلح افواج نے ایسے ہتھیار تیار کر لیے ہیں جو بیرونی حملوں کا مکمل توڑ ثابت ہوتے ہیں۔ ایرانی صدر نے کہا کہ امریکی اس پاگل پن کے مرتکب نہ ہوں کہ وہ ایران پر حملہ کریں۔ ایرانی صدر خاتمی نے کہا کہ چند امریکیوں نے ثابت کر دیا ہے کہ

ان میں اتنی عقل نہیں اپنے اعمال کے نتائج کو ذہن میں رکھیں لیکن امریکی فوج پہلے ہی اتنی مصروف ہے کہ وہ کوئی نیا محاذ کھولنے کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے۔

اسلامی ممالک کی نمائندہ تنظیم او آئی سی نے امریکہ کو خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلامی دنیا کو ایران کے خلاف اس کے جارحانہ عزائم پر تشویش ہے اس لیے امریکہ ایران میں عراق جیسی غلطی دہرانے سے باز رہے۔ یہ بات او آئی سی کے موجودہ چیئرمین ملائشیا کے وزیر دفاع اور نائب وزیراعظم نجیب رزاق نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ ایران کے خلاف امریکی رویہ تشویشناک ہے' انہوں نے مزید کہا کہ پوری اسلامی دنیا کو ایران کے خلاف امریکہ کے جارحانہ عزائم پر انتہائی تشویش لاحق ہے کہ امریکی صدر نے بیان دیا تھا کہ ایران کے جوہری پروگرام کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عراق جیسی غلطی سے اجتناب برتنے کے لیے امریکہ کو ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کی صلاحیت کے بارے میں ناقابل تردید ثبوت پیش کرنے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ صدر بش نے ایران کے حوالے سے جو بیان دیا ہے اس کی بنیاد کیا ہے مگر ان کا یہ بیان کہ ایران کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود تھے بے بنیاد الزام ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ امریکہ کے پاس ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کی صلاحیت کے بارے میں کیا معلومات ہیں مگر دنیا ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت مانگتی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس مرحلے پر کوئی بھی ملک ایران کو خطرہ تصور کرتا ہے۔

یورپ اور اسلامی ممالک کی مخالفت کے باوجود امریکہ نے عراق پر حملہ کیا یا اسرائیل کے حملے میں مدد کی تو یہ بات سورج کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ امریکہ اور اسرائیل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

ایران پر کڑا وقت

اسلامی جمہوریہ ایران نے 11 فروری کو اپنے اسلامی انقلاب کی چھبیسویں سالگرہ اس حال میں منائی کہ آج اس کے وجود کو سنگین ترین چیلنج کا سامنا ہے اور دنیا کی وہ بدترین استعماری قوت جس کے پنجے سے ایران کو 1979ء میں چھڑایا گیا تھا' اب اتنی بے مہار ہوگئی ہے کہ وہ براہ راست ایران پر حملہ آور ہونے کی دھمکی دے رہی ہے۔ پوری دنیا شدید احتجاج کے باوجود اسے افغانستان اور عراق پر حملے سے نہ روک سکی' اس لیے اسے یقین ہے کہ ایران پر حملے میں بھی کوئی مزاحم نہ ہوسکے گا اور اسے چھبیس سال کا حساب چکانے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن جو قوم اپنی آزادی و خودمختاری کے لیے جان کی بازی لگانا جانتی ہو اسے زیر کرنا آسان نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ آج سے چھبیس سال پہلے شاہ کے روپ میں امریکا ہی ایران پر حکومت کر رہا تھا۔ امریکا جو بزعم خود آزادی اور جمہوریت کا علمبردار ہے اور جس نے پوری دنیا میں آزادی اور جمہوریت لانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے' شاہ کے ایران میں آزادی اور جمہوریت کو جس طرح رسوا کیا جا رہا تھا' آج اس کی داستانیں ایک ڈراؤنا خواب بن گئی ہیں۔ شاہ کی خفیہ تنظیم ساوک کے اہلکار اتنے سفاک تھے کہ اگر وہ کسی ایرانی باشندے کے اندر آزادی اور جمہوریت کی ذرا سی بھی بو محسوس کرتے تو شکاری کتوں کی طرح وہ اس کا دنیا کے آخری کونے تک پیچھا کرتے تھے اور ختم کر کے دم لیتے تھے۔ اس کام میں ساوک کو امریکی خفیہ ایجنسی ایف بی آئی اور اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کی مکمل معاونت حاصل تھی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں قوم میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے والے ایک مرد درویش آیت اللہ خمینی کی اسلامی حمیت جاگی اور انہوں نے ایران کے مطلق العنان حکمران رضا پہلوی اور اس کے سرپرست امریکا کے خلاف 5 جون 1963ء کو اسلامی انقلاب کا نعرہ بلند کیا۔ اس نعرے نے گویا ایران میں زلزلہ برپا کر دیا۔ شاہ اور اس کے حواری غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے' ان کے لیے اس رہنما پر ہاتھ ڈالنا تو ممکن نہ تھا البتہ وہ اسے طرح طرح سے تنگ کرنے لگے۔ جب خمینی نے دیکھا کہ ان کے لیے ایران میں رہ کر اپنی انقلابی تحریک جاری رکھنا ممکن نہیں رہا تو وہ 1964ء میں پہلے ترکی پھر عراق اور آخر میں فرانس میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ جہاں سے انہوں نے پوری توانائی کے ساتھ اہل ایران میں بیداری اور اسلامی انقلاب کی تحریک جاری رکھی۔

اس تحریک کو ایک تناور درخت بننے میں کم و بیش چودہ سال لگے۔ اس طویل عرصہ میں شاہ نے امریکہ کی سرپرستی میں ایرانی عوام کو کچلنے کی

پوری کوشش کی' اس نے اسلامی بیداری اور انقلاب کی لہر کو دبانے کے لیے وہ تمام حربے آزمائے جو اس کے لیے ممکن تھے لیکن یہ سیل رواں بڑھتا گیا حتیٰ کہ شاہ' اس کے حواری' اس کی ظالم فوج' اس کی درندہ صفت ساوک سب اس سیل بے پناہ میں بہہ گئے۔ یکم دسمبر 1978ء کو انہوں نے امریکی ذرائع ابلاغ کے ایک نمائندے سے پیرس کے مضافات میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام مسلح ہو کر جابر طاقتوں کے خلاف میدان میں نکل جائیں۔ امام خمینی نے کہا کہ انہوں نے عوام کو اس بات کی اجازت دے دی ہے۔ دسمبر 1978ء محرم کا مہینہ تھا۔ محرم کا چاند طلوع ہوتے ہی ایرانی عوام کرفیو کی پابندیاں توڑتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے اور شاہی آمریت کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔ اس رات ایک ہزار سے زیادہ افراد شہید ہوئے۔ پھر شہادتوں کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ شاہ اور اس کے خاندان اور اس کے وفاداروں نے حالات کا رخ بھانپ لیا تھا' وہ ایک ایک کر کے ملک سے فرار ہونے لگے۔ امریکی سفارت کاروں نے بھی رخت سفر باندھ لیا اور تیل کمپنیوں کے امریکی گماشتوں نے بھی ایران سے فرار ہونے میں عافیت سمجھی۔ جنوری 1979ء کا پہلا دن طلوع ہوا تو شاہ نے بھی آرام اور علاج کی غرض سے بیرون ملک جانے کا اعلان کر دیا۔ آخر وہ جنوری کے وسط میں ملک سے فرار ہو کر مصر جا پہنچا۔ درحقیقت وہ پناہ لینے کے لیے امریکا جانا چاہتا تھا۔ لیکن امریکا ایران کی عوامی طاقت سے اتنا خائف تھا کہ وہ شاہ کو پناہ دینے پر آمادہ نہ ہوا اور اسے مصر میں پناہ لینی پڑی۔ آخر وہ دن آ پہنچا جب اپنے وطن سے دور انقلاب کی قیادت کرنے والے رہنما اور کروڑوں عوام کے دلوں کی دھڑکن امام خمینی نے اپنی سرزمین پر قدم رکھا۔ وہ 4 فروری کو تہران کے ہوائی اڈے پر طیارے سے نمودار ہوئے تو تاحد نگاہ انسانوں کا ایک سمندر ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

خمینی نے مہدی بازرگان کو انقلابی حکومت کا پہلا وزیراعظم مقرر کر کے ملک کا اقتدار باضابطہ طور پر انقلابی کونسل کے سپرد کر دیا۔ 11 فروری 1979ء وہ دن ہے جب شاہی فوج کے کمانڈر جنرل قروباغی نے وزیراعظم بازگان سے ملاقات کر کے انقلاب کے آگے فوج کے سرنڈر ہونے کا اعلان کر دیا اور انقلابی عناصر نے چھاؤنیوں اور تمام سرکاری و فوجی اداروں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر کے طویل شاہی نظام کے باضابطہ خاتمے کا اعلان کیا اور یہی دن یوم انقلاب قرار پایا۔

اہل ایران نے امریکہ کو "شیطان کبیر" کا نام دیا اور نظریاتی محاذ پر اس کے خلاف پوری قوت سے صف آرا ہو گئے۔ ایران کی سرزمین سے وہ تمام آثار حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے جس پر امریکا کی چھاپ تھی۔ امریکا نہایت بے بسی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھنا اور دانت پیستا رہا۔ اس نے ایرانی انقلاب کو ناکام بنانے کے لیے عراق کے صدر صدام حسین کو ایران کے خلاف جنگ پر اُکسایا اور ان تمام عرب ملکوں کے مالی وسائل اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جو ایرانی انقلاب سے خوفزدہ تھے۔

خمینی کے زمانے میں روس افغانستان پر چڑھائی کر چکا تھا اور افغان باشندے بے یار و مددگار ہو کر پاکستان اور ایران کا رخ کر رہے تھے۔ خمینی نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا اور روسی استعمار کو اسی طرح للکارا جس طرح وہ امریکی استعمار کو للکارنے میں مصروف تھے۔

ایران کے اسلامی انقلاب سے جو صدمہ امریکا اور اسرائیل کو پہنچا ہم اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ان کا بس چلتا تو وہ اسی وقت ایران کو جلا کر بھسم کر دیتے' لیکن وہ بے بسی کے عالم میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ لیکن نائن الیون کے بعد امریکا کو کھلی بدمعاشی کرنے اور ننگی جارحیت

دکھانے کا موقع مل گیا ہے اس نے افغانستان کو تاراج کیا ہے جہاں اسلام پھرا بھر رہا تھا' پھر اس نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجائی جس کے تیل کے چشمے اسے درکار تھے اور اب ایران کے ایٹمی پروگرام کو بہانہ بنا کر اسے للکار رہا ہے۔ ایران سے اس کی دشمنی وہی پرانی ہے جب اسلامی انقلاب کے نتیجے میں اسے سرزمین ایران سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنی دشمنی نکالنے کے لیے پر تول رہا ہے' لیکن ایران اس کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوگا جسے چبانے کی کوشش میں اس کے دانت ٹوٹ بھی سکتے ہیں۔

ایران ڈرتا کیوں نہیں؟

اب تک خوف سے کپکپی طاری ہوجانی چاہیے تھی۔ دہشت زدہ چہروں سے پسینے بہہ کر ٹخنوں تک آجانے چاہیے تھے۔ ٹی وی سکرینوں پر معافیوں، منتوں اور ترلوں کا سماں ہونا چاہیے تھا۔ اب تک ایسا ہوجانا چاہیے تھا۔ ایرانی صدر سہمے ہوئے ہوتے۔ ٹی وی پر آکر اپنے اندر کے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرتے پھر قوم کو کچھ اس طرح خوشخبری دیتے۔ ''میں نے ایران کو بچالیا ہے۔ جشن مناؤ۔ حکمت مومن کی میراث ہے۔ انتہا پسندوں کی باتوں میں مت آؤ۔ یہ جانتے نہیں، امریکہ کس قدر تباہی لاسکتا تھا۔ میں نے بدمست ہاتھی کے راستے میں آنے کی بجائے، اسے اندر تک آنے کا بلامشروط راستہ دے دیا ہے۔ دنیا کی سپر پاور سے ٹکر لینا ایک حماقت ہے۔ تم سب سے پہلے ایرانی ہو۔ اسرائیل جانے اور فلسطینی جانیں، یہ عربوں کا مسئلہ ہے۔ ہم امریکہ کے ساتھ طویل المیعاد دوستی کریں گے۔ شاہ ایران کو ہم پر مسلط کر کے امریکہ نے ایرانی عوام سے دشمنی کی تھی، اب امریکہ کو بھی احساس ہوگیا ہے۔ اس بدلتی دنیا میں، اس یونی پولر ورلڈ میں ہم امریکہ سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ ہمیں ایسا ایٹمی پروگرام نہیں چاہیے، جو ہماری سالمیت کو خطرات سے دوچار کردے۔ زمینی حقائق پر نگاہ رکھو۔ جدید ترین جنگی ساز وسامان سے لیس امریکی فوجیں عراق اور کویت میں ہمارے سروں پر بیٹھی ہیں۔ اسرائیل ہم سے چند قدم کے فاصلے پر پڑا ہے۔ افغانستان میں اتحادی افواج کے مستعد دستے کھڑے ہیں۔ پاکستان بھی امریکہ کا اتحادی ہے۔ ٹھیک ہے اس وقت کے حالات میں امام خمینیؒ نے امریکہ کو شیطان بزرگ کہا تھا، آج حالات بدل گئے ہیں۔ ہمیں اب موڈریٹ ہونا چاہیے۔ حضرت علیؓ کی تعلیمات علم، اجتہاد اور روشن خیالی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ آپ بھی صرف ایرانی ہوکر سوچیں۔ اپنے قومی مفاد کو سامنے رکھیں۔ ہم امریکہ کے ساتھ اس خطے میں اور پوری دنیا میں امن اور خوشحالی لاسکتے ہیں''۔ اس طرح کا ایک خطاب اب تک ایرانی قوم کے ذہنوں میں انڈیل دیا جانا چاہیے تھا۔ ایرانی صدر کو خود ہی اس ''یوٹرن'' کی وضاحت بھی کردینی چاہیے تھی''۔ مجھے امریکی وزیر خارجہ کا فون آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مطالبات مانو گے یا پتھر کے دور میں جانا پسند کروگے۔ میں نے تھوڑی دیر سوچا اور ساتھ دینے کے لیے ''ہاں'' کردی''۔

اب تک ایف بی آئی والوں کو ایران کے ایٹمی سائنسدانوں کی ڈی بریفنگ کرلینی چاہیے تھی۔ ایٹمی ریسرچ سنٹر کی اینٹیں بھی واشنگٹن پہنچ چکی ہونی چاہئیں تھیں۔ ایران کا نصاب تعلیم تبدیل کرنے کے لیے کوئی ''زبیدہ جلال'' کوئی ریٹائرڈ جنرل میدان میں آجانا چاہیے تھا۔ ''مائی لیڈز'' کے

عنوان سے بش کی مدح سرائی میں کوئی فارسی یا انگریزی کی نظم بارہویں جماعت کے کورس میں شامل ہو چکی ہونی چاہیے تھی۔ مخلوط ریس، ٹی وی ڈراموں میں ہم جنسی کے لیکچرز، خاوند تبدیل کرتے رہنے کی تبلیغ۔ یہ سب کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ امریکی طیارے سرحدوں کے اندر گھس جانے چاہئیں تھے اور کئی ایرانی شہری بھی ہلاک ہو چکے ہونے چاہئیں تھے۔ ایرانی صدر کو سوالوں کے جواب دینے کی بجائے ''ایران امریکہ طویل المدتی تعاون'' کی رٹ الاپنی چاہیے تھی.....!!

خدا جانے ایرانی صدر کو ''تورابورا'' بننے سے خوف کیوں نہیں آتا۔ انہیں ڈر کیوں نہیں لگتا کہ امریکہ کے جنگی جہاز ڈیزی کٹر بم مار مار کر ایرانی قوم کا ''آملیٹ'' بنا دیں گے۔ سولہ کروڑ عوام کی آبادی کے ہمسایہ ملک کا بے خوف رہبر، سات لاکھ فوج کا سپہ سالار اعظم ایٹمی پاکستان کا صدر راتوں رات جس خوفناک انجام کو بھانپ لیتا ہے، اس وحشت کا اثر آٹھ کروڑ نہتے ایرانیوں کے صدر پر کیوں نہیں ہوتا۔ الٹا وہ اینٹ کا جواب پتھر سے کیوں دیئے جا رہا ہے؟

امریکہ ایران پر حملہ کرے گا تو ایران اسرائیل کو تباہ کر دے گا۔ یہ ایرانی قوم کا متفقہ ایمان ہے۔ اگر یورپی ممالک ایران میں انسانی حقوق جانچنے والے نمائندے بھجوائے گا تو ایران امریکہ میں ایسا ہی وفد بھیجے گا۔ اگر عالمی ایٹمی توانائی ایجنسی ایران کا معاملہ سیکورٹی کونسل میں لے جائے گی تو ایران پورے زور و شور سے یورینیم کی افزودگی شروع کر دے گا۔ ایران پر پابندیاں لگیں گی تو ایران یورپی ممالک پر پابندیاں عائد کر دے گا اور تیل کی سپلائی روک دے گا۔ عالمی استعمار اور پہلی دنیا کی ہر دھمکی کا سکہ بند اور مثبت جواب موجود ہے۔ ایرانی صدر نے صدر بش کی قوت گویائی پر کاری ضرب لگائی ہے۔ خود چپ ہیں، اسرائیل کو آگے کر دیا ہے۔ یہودی وزیر دفاع نے حملہ کی باقاعدہ دھمکی دی ہے۔ فرانس نے ایران پر ایٹم بم مارنے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ایرانی صدر اور قوم پختہ عہد کیے ہوئے آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ خوف ان کے قریب نہیں پھٹکتا۔ وہ امریکہ اور یورپیوں کو تھکا تھکا کر ہلکان کر رہے ہیں۔

یہودیوں نے نسل کشی بارے جتنے افسانے گھڑے تھے، جناب احمدی نژاد نے تاریخی حقائق اور اپنے منطقی دلائل سے ان سب ڈراموں کا پول کھول دیا ہے۔ آج کے یہودی مظلوم نہیں، ظالم دکھائی دے رہے ہیں۔ ایران واحد ملک ہے جو امریکی حاشیہ برداری سے باہر ہے۔ صدر بش دنیا کی حمایت حاصل کر کے ایران پر حملہ آور ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے اور ایرانی صدر خطے میں پھنسے ہوئے امریکیوں کو اپنے جال میں پھانسنے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔ بہادر برابری کی بنیاد پر سوچتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ امریکہ کی شکست بہادر ایرانی قوم کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہونی ہو اور ایران اقوام مشرق کا جنیوا بنے۔

ایران امریکہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ یہ سوال میں نے ایرانی امور کے کئی ماہرین سے پوچھا۔ کچھ نے کہا ایرانی لوگ ریوڑ نہیں ایک قوم ہیں۔ بعض نے کہا ایران کبھی گوروں کا غلام نہیں رہا۔ اکثر نے بتایا کہ جو ایران صدام کے خلاف آٹھ سال تک جنگ لڑ سکتا ہے، ایسی جنگجو قوم میں بلا کا اعتماد آ جاتا ہے۔ ایک پروفیسر نے کہا ایرانی قوم ہمیشہ سے حکمران رہی ہے اور خمینی کے انقلاب نے انہیں خدا کے بہت قریب کر دیا ہے۔ پوچھا ایرانی صدر کی ذاتی کمزوریاں کیا ہیں؟ جواب ملا وہ کسی محل کا مالک نہیں، اس کا کوئی فارم ہاؤس نہیں۔ اسے عہدے اور اقتدار کا کبھی لالچ نہیں رہا۔

اس کے پاس پہننے کو صرف تین جوڑے کپڑے اور رہنے کو دو مرلے کا مکان ہے۔1970ء ماڈل کی ایک پرانی سی کار ہے۔ان کا کوئی بینک بیلنس بھی نہیں۔احمدی نژاد کا وزن ستر کلوگرام سے زیادہ نہیں، وہ کم خور ہیں۔وہ اقتدار پر دن دیہاڑے قابض نہیں ہوئے بلکہ قوم کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آئے ہیں۔ بقول مرشدان کے لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ایرانی صدر ایک علمی شخصیت ہیں۔وہ قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے خوب واقف ہیں۔وہ عبادت گزار ہیں۔اپنے اہل خانہ کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارتے ہیں، رنگین محفلوں میں راتیں ضائع نہیں کرتے۔اس لیے ایران امریکہ سے نہیں ڈرتا!

امریکہ، ایران ایٹمی تنازعہ

امریکہ اور اس کے اتحادی مسلمان ممالک سے ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ایک ایسا طاقتور ہتھیار ہے جو امریکہ اور مغرب کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتا ہے اس کا اظہار حال ہی میں ایک عرب اخبار ''الاتحاد'' نے اپنی تازہ اشاعت میں کیا کہ امریکہ اور اسرائیل نے ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ مسلم ممالک کو کسی بھی طرح جوہری طاقت بننے سے روکا جائے اس سلسلے میں عراق اور لیبیا کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنے کے بعد ایران اور پاکستان کی آزمائش کسی بھی وقت شروع ہوسکتی ہے اس لیے آئندہ امریکی صدارتی انتخاب خاصی اہمیت کا حامل ہوگا امریکہ اپنی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا دائرہ اسلامی ملکوں کے ایٹمی منصوبوں تک پھیلا دے گا اخبار کے مطابق تاریخ کا سب سے بڑا جوہری پھیلاؤ خود امریکہ سے ہوا جب پنسلوانیا کے ایٹمی ری ایکٹر سے افزودہ یورینیم چوری کر کے اسرائیل پہنچایا گیا اور یوں اسرائیل نے اس چوری شدہ یورینیم سے 100 کے لگ بھگ ایٹمی ہتھیار تیار کیے تھے بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے سربراہ محمد البرادی نے ایران سے ایٹمی معاملے پر مزید تعاون کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسئلے کے حل کا وقت آ گیا ہے لندن میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹیجک سٹڈیز میں خطاب کرتے ہوئے محمد البرادی نے کہا کہ جانچ پڑتال کا موجودہ کام ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتا ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں تین سال سے تحقیقات جاری ہیں اب وقت ہے کہ اس تنازعہ کو حل کر لیا جائے انہوں نے امید ظاہر کی ہے کہ ایک سال کے اندر ایران کے ایٹمی پروگرام کے متعلق حقیقت سامنے آ جائے گی انہوں نے ایک بار پھر تسلیم کیا کہ ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کے متعلق شواہد نہیں ملے انہوں نے کہا کہ ہم نے زیر زمین یورینیم کی افزودگی کے بارے میں اتنے آلات نہیں دیکھے جن سے ایران جوہری ہتھیار تیار کر سکے ہم سفارتکاری کے ذریعے جانچ پڑتال جاری رکھیں گے روس کے صدر ولادیمیر پیوٹن نے بھی کہا ہے کہ عالمی ایٹمی توانائی ایجنسی ایران کا جوہری تنازع حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، بھارت کے دورے پر بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایران کو اپنا پرامن ایٹمی پروگرام جاری رکھنے کا پورا حق ہے اور اسے اس جائز حق سے دستبردار نہیں کیا جا سکتا۔ شمالی کوریا میں امریکی سفیر نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ امریکہ پہلے ہی دنیا کو متنبہ کر چکا ہے کہ شمالی کوریا جعلی کرنسی، منی لانڈرنگ اور منشیات کی تجارت میں ملوث ہے جس سے حاصل ہونے والی آمدنی پیانگ یانگ ایٹمی پروگرام پر خرچ کر رہا ہے انہوں نے کہا کہ شمالی کوریا کو چاہیے کہ ایٹمی معاملات پر مذاکرات اور سعودی عرب پر بڑھایا جائے والا دباؤ بھی اسی کا نتیجہ ہے امریکی

تفتیشی ایجنسی ایف بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل رابرٹ ملر نے اپنے حالیہ بیان میں تسلیم کیا ہے کہ ان کے ادارے کا سعودی عرب میں بیورو موجود ہے جبکہ بعض سعودی انٹیلی جنس افسران کو امریکہ میں تربیت دی گئی ہے جو دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کا حصہ ہیں جب بھی سعودی عرب میں ہمارے بیورو کو کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں تو انہیں فوری طور پر سعودی انٹیلی جنس کو فراہم کیا جاتا ہے انہوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ عراق میں امریکیوں پر حملے کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق سعودی عرب سے ہے عراق جنگ بھی امریکہ کے لیے بہت بڑا دردسر بنی ہوئی ہے کیونکہ جنوبی کوریا کی پارلیمنٹ نے بھی کورین فوج کی عراق سے واپسی کا بل منظور کرلیا ہے عراق میں امریکہ کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اور برطانیہ کے 5 ہزار فوجیوں کے بعد جنوبی کوریا کے سب سے زیادہ 3200 فوجی تعینات ہیں عراق میں برطانوی فوج کے اخراجات 7 ارب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں برطانیہ کی پری بجٹ رپورٹ میں برطانیہ کے بیرون ملک فوجی آپریشنز کے لیے 580 ملین پاؤنڈ مختص کیے گئے جس کے باعث اس کے بیرون ملک جنگوں پر اٹھنے والے اخراجات 980 ملین پاؤنڈ ہو جائیں گے۔

امریکہ نے رومانیہ کے ساتھ ایک سمجھوتے پر بھی دستخط کیے ہیں جس کے تحت امریکہ رومانیہ میں چار فوجی اڈے قائم کرے گا یہ معاہدہ امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس اور رومانیہ کے وزیر خارجہ کے درمیان بخارسٹ میں ہوا امریکی تحقیقاتی ادارے ایف بی آئی کے ایک سابق مشیر پاؤل ویلیمز نے کہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں ملاؤں کے اقتدار میں آنے کے خطرے کے پیش نظر صدر جنرل پرویز مشرف کو اقتدار سے ہٹانے کے حق میں نہیں اس کے ساتھ ہی انہوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ القاعدہ کی طرف سے امریکہ پر ایٹمی حملے کے خدشات موجود ہیں کیونکہ امریکہ کی مساجد میں پانچ ہزار القاعدہ ارکان موجود ہیں جو گیارہ ستمبر جیسے حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں انہوں نے مزید کہا کہ القاعدہ کے پاس ایسے سات ایٹمی بموں کے سوٹ کیس ہیں جن کی مدد سے انہوں نے امریکہ پر ایٹمی حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور یہ ایٹمی مواد امریکہ کے کئی شہروں کو ایک ہی وقت میں اڑانے کی صلاحیت رکھتا ہے ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے حال ہی میں اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں یہ کہہ کر ایک بار پھر کھلبلی مچادی ہے کہ اگر جرمنی اور آسٹریا جنگ عظیم دوم میں خود کو یہودیوں کے قتل عام کا ذمہ دار مانتے ہیں تو وہ اپنی سرزمین اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے پیش کردیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ القدس پر قبضہ کسی صورت قبول نہیں، اسرائیل ایک ناسور ہے اس لیے اس کا خاتمہ ضروری ہے اگر یہودیوں پر ظلم ہوئے تو ان کی قیمت فلسطینی کیوں چکائیں انہوں نے کہا کہ یورپی ممالک یہ وضاحت کریں کہ انہوں نے فلسطینیوں کی سرزمین اور مقدس قطعہ اراضی اسرائیلیوں کے حوالے کیوں کیا محمود احمدی نژاد نے واضح کیا کہ یورپی ممالک تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے یہودیوں کی نسل کشی کی ہے ہٹلر نے لاکھوں یہودیوں کو بھٹیوں میں جلایا اور انہیں جلاوطن کیا اسرائیل غزہ اور مغربی کنارے کے علاقے کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے حقیقی فلسطینیوں کی ریفرنڈم میں رائے لی جائے تاہم انہوں نے کہا کہ مسئلہ کا بہترین حل مزاحمت ہے تاکہ فلسطینیوں کے دشمن حقیقت کو قبول کرلیں۔

اسرائیل نے ایرانی صدر کے بیانات کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ایران کی صہیونی ریاست کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کو روکنا چاہیے اسرائیلی وزیر خارجہ سلوان شلوم نے کہا کہ ایرانی صدر کے بیانات سے دنیا کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اس لیے ہمیں ایران کے ایٹمی پروگرام روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، امریکہ نے بھی اسرائیلی ریاست کو جرمنی منتقل کرنے کی تجویز کی مذمت کی ہے جرمنی نے بھی اس تجویز کو

مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے اسے رد کر دیا ہے وائٹ ہاؤس کے ترجمان سکاٹ میکلین نے کہا کہ ایرانی صدر کے اس بیان سے امریکہ کی ایرانی قیادت کے متعلق تشویش مزید بڑھ گئی ہے۔

ایران نے اپنے ایٹمی پروگرام پر سخت عالمی دباؤ کے باوجود جنوب مغربی صوبہ خوزستان میں ایک اور جوہری ری ایکٹر تعمیر کرنے کا اعلان کر دیا ہے جس پر اسرائیل کے سابق وزیر اعظم نیتن یاہو نے کہا ہے کہ اگر وہ دوبارہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی حکومت ایران پر فضائی حملہ کر دے گی ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کی زیر صدارت کابینہ کے اعلیٰ سطحی اجلاس میں مقامی ٹیکنالوجی سے ایٹمی پلانٹ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے خیال رہے ایران کا پہلا ایٹمی پلانٹ بوشہر کے مقام پر زیر تعمیر ہے جس کے لیے اسے روس کا تعاون حاصل ہے، لیکن امریکہ اور یورپی یونین ایران پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ایٹمی ری ایکٹر کے لیے یورینیم کی افزودگی سے دستبردار ہو جائے ایرانی سلامتی کونسل کے سربراہ علی لاریجانی نے کہا ہے کہ ایران اس مسئلے پر بہت صبر کر چکا ہے اور اب یورپی یونین کو چند ماہ سے زیادہ کا وقت نہیں دے سکتا ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان حمید رضا آصفی نے کہا ہے کہ حکومت تہران کو اپنے پروگرام یا عراق میں امن وامان کی صورتحال کے حوالے سے امریکہ کے ساتھ مذاکرات میں کوئی دلچسپی نہیں روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاروف نے کہا ہے کہ پابندیاں عائد کرنے سے ایٹمی پروگرام کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے اسرائیلی اخبار ''ماریف'' سے ایک انٹرویو میں کہا کہ اسرائیلی حکومت کو ایران کے سلسلے میں وہی حکمت عملی اپنانی چاہیے جو 1987ء میں اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم منیاشم بیجین نے اختیار کی تھی یاد رہے کہ منیاشم بیجین نے اپنے دور اقتدار میں عراق کے ایٹمی پلانٹ پر فضائی حملہ کر دیا تھا۔

اسرائیل نے اگلے ہفتے غزہ پر فضائی حملے کیا ہے جس میں فلسطینی تنظیم کے عہدیدار محمود ارقان سمیت تین بچے شہید اور دس افراد شدید زخمی ہو گئے اسرائیلی فوج نے موقف اپنایا ہے کہ لڑاکا طیاروں نے ان جگہوں کو نشانہ بنایا ہے جہاں سے فلسطینی راکٹ فائر کرتے ہیں فلسطینی اتھارٹی نے ان حملوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے اپیل کی ہے کہ عالمی برادری اسرائیل کی جانب سے ٹارگٹ کلنگ کو بند کرائے اسرائیل نے ہالینڈ کو 40 ملین ڈالر کے جنگی آلات فراہم کرنے کی اجازت دے دی ہے برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے بھی پارلیمنٹ سے بات چیت کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ گوانتاناموبے کا قید خانہ بند کرے البتہ مجھے مشرقی یورپ میں سی آئی اے کے قید خانوں میں تشدد بارے علم نہیں انہوں نے واضح کیا کہ برطانیہ میں ایسا کوئی قید خانہ نہیں امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے اس امر کا اعادہ کیا ہے کہ امریکہ تشدد کو حربہ کے طور پر استعمال نہیں کرتا لیکن آئندہ ہر قسم کے منفی واقعہ سے نبٹنے کی ضرورت ہے ترک وزیر اعظم طیب اردگان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فوجی طاقت کے استعمال کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ عراق پر حملے نے ملک کو انتہا پسندوں کی تربیت گاہ بنا دیا ہے آسٹریلیا کے دورے کے موقع پر اپنے خطاب میں انہوں نے کہا کہ سالانہ ایک ٹریلین ڈالر سے زائد کا عالمی بجٹ دفاع پر خرچ ہوتا ہے اس رقم کا کچھ حصہ غربت، جہالت اور مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات جاننے پر خرچ ہو رہا ہے۔

دریں اثناء فرانس نے بھی خبردار کیا ہے کہ ایران کی جانب سے حالیہ بیانات اس کے ایٹمی بحران پر مذاکرات کے انعقاد کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں، فرانسیسی وزارت خارجہ کی جانب سے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ ایران کے اعلیٰ ایٹمی مذاکرات کار علی لاریجانی کے بیان پر

فرانس کو بہت زیادہ افسوس ہے ایران سینٹری فیوجز کی تیاری سے متعلق سرگرمیاں جلد شروع کر سکتا ہے۔

امریکہ اور ایران کے درمیان ایٹمی تنازعہ شدت اختیار کر چکا ہے مگر ایران بڑی ڈھٹائی کے ساتھ امریکہ کا مقابلہ کر رہا ہے امریکہ جس انداز سے اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہے ایران کے خلاف مخالف قوتیں سرگرم عمل ہوگئی ہیں دیکھنا یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں مزید کتنا وقت لگتا ہے اس میں ایرانی قیادت آئی اے ای اے کے سربراہ محمد البرادی اور یورپی یونین کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہوگا۔

امریکہ ایرانی جمہوریت سے خائف کیوں؟

ایران میں ایک قطعی جمہوری اور عوامی حکومت برسر اقتدار ہے۔ ادھر امریکہ کو اسلامی ملکوں کے حوالے سے ''جمہوریت'' کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ سعودی عرب، کویت، قطر، بحرین، امارات اور اومان میں امریکی سفیر جمہوریت پر لیکچر دیتے نہیں تھکتے۔ عراق اور افغانستان میں تو جمہوری حکومتوں کے قیام کے شوق میں امریکا نے اپنی فوجیں اتار کر مقامی آبادی کا بے دریغ قتل عام بھی شروع کر رکھا ہے۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ حکومت کو ایک نعرے، ایک چارٹر، ایک منشور اور ایک پروگرام پر عمل درآمد کے لیے عوامی ووٹ ملتے ہیں اور حکومت اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ برسر اقتدار آتے ہی اس چارٹر پر عمل درآمد شروع کر دے۔ جو لوگ ایران کے حالیہ صدارتی انتخابات کے مختلف مراحل سے آگاہ ہیں انہیں علم ہے کہ سابق صدر ڈاکٹر محمد خاتمی نے اپنے آٹھ سالہ دورِ صدارت میں جس پُرامن ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھ کر اسے آگے بڑھایا تھا، ایرانی عوام اس پروگرام کی تکمیل کے خواہش مند تھے۔ صدارتی انتخابات کے دوسرے مرحلے میں سید علی اکبر ہاشمی رفسنجانی اور ڈاکٹر محمود احمدی نژاد ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ تجربے اور سیاسی فہم وشعور کے اعتبار سے ہاشمی رفسنجانی کا قد کاٹھ خاصا بولتا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ دو بار ایران کے صدر، ایک بار وزیراعظم اور ایک بار مجلس کے اسپیکر رہ چکے تھے۔ انتخابات کے وقت وہ حکومت مصلحتوں کے کمیشن کے سربراہ بھی تھے اور انہیں عوام میں تائید وحمایت بھی حاصل تھی۔ تاہم یہ تمام تائید وحمایت اس وقت پانی کا بلبلہ ثابت ہوئی جب انہوں نے انتخابات سے صرف 48 گھنٹے قبل سی این این کی ایرانی نژاد بین الاقوامی نمائندہ کرسٹینا امان پور کو بتایا کہ وہ صدر بننے کے بعد ایران کا ایٹمی پروگرام آئی اے ای اے کی نگرانی میں چلانا منظور کر لیں گے۔ اس انٹرویو نے ہاشمی رفسنجانی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور وہ خاصے وسیع فرق سے صدارتی انتخابات میں شکست کھا گئے۔

صدر بننے کے بعد ڈاکٹر محمود احمدی نژاد کو ان ذمہ داریوں کا علم تھا جن کی بجاآوری کے لیے ایرانی عوام نے انہیں منتخب کیا تھا۔ ان میں ایران کے ایٹمی پروگرام کو آگے لے کر چلنا سرفہرست تھا۔ اب اگر جمہوری عمل کی اس بنیادی ضرورت کو ایک منتخب صدر پوری کر رہا ہے تو اس میں جمہوریت کے بین الاقوامی ٹھیکے داروں کو تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟ امریکا کو ایران کے نیوکلیائی پروگرام سے ''صرف'' اتنا گلہ ہے کہ اس سے اس کے ناجائز بچے اسرائیل کی سلامتی کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ جب 1980ء کے عشرے میں اسرائیلی دہشت گردوں نے عراق کے

ایٹمی کارخانوں پر فضائی حملے کیے تھے تو نہ صرف بین الاقوامی دہشت گردی کے نام نہاد مخالفین نے کوئی آواز نہیں اٹھائی تھی بلکہ کھلے الفاظ میں اسرائیل کی دہشت گردی کا دفاع بھی کیا تھا۔ اسرائیل کو یورپ اور امریکا کا ناجائز بچہ تو 1948ء سے ہی قرار دیا جاتا رہا ہے، مگر اس بارے میں جی کھول کر اور لہجے کی توانائی کے ساتھ ذرا کم ہی بات ہوتی ہے۔ اب پہلی بار ایران کے نئے صدر محمود احمدی نژاد نے اس موضوع پر کھل کر بات شروع کی ہے ورنہ علامہ اقبال کے بقول ہم تو مصلحتوں اور باریکیوں میں ہی پھنسے ہوئے ہیں۔

اسرائیل کے قیام کا پس منظر:

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا، ان پر مقدمہ چلایا اور پھر صلیب کی سزا دی۔ اس کے بعد جو لوگ عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے ان پر بیت حنون، بیت اللحم اور یروشلم کے یہودیوں نے ظلم و ستم شروع کیے۔ انہی مظالم سے تنگ آ کر پہلے عیسائی پوپ سینٹ پیٹر نے یروشلم سے ہجرت کر کے روم کا رخ کیا۔ سینٹ پیٹر کا اصل نام بطروس تھا جسے اردو اور فارسی میں پطرس کہتے ہیں۔ جب روم میں عیسائی مذہب نے پطرس، بطروس یا پیٹر کی سرپرستی میں فروغ حاصل کرنا شروع کیا تو یروشلم کے یہودی فرار ہو کر یونان اور مصر آنا شروع ہو گئے۔ ان کے اس فرار کو یونانی زبان میں ڈایا سپورا (Diaspora) کہا جانے لگا اور یہ لفظ اب تک اسی صورت میں مستعمل ہے۔ اسلام کی آمد کے زمانے میں یہودیوں نے جزیرہ نمائے عرب میں بھی اپنا تجارتی اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا جسے بعد میں آقائے دو جہاں ﷺ کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی حکمت عملی کے باعث نہ صرف زبردست دھچکا لگا بلکہ جزیرہ نمائے عرب کے بہت سے یہودی یمن، مصر اور یونان کی طرف چلے گئے۔ یوں ڈایا سپورا کا عمل جاری رہا۔ یہودیوں نے جس طرح کا ظلم عیسائیوں پر کیا تھا اس کے باعث یورپ میں ان کی بالکل پذیرائی نہیں ہو سکی اور وہ یونان کے آس پاس کے علاقوں میں مقیم رہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں تحریک احیاء شروع ہوئی اور لبرل ازم کو فروغ ملنے لگا تو یہودیوں نے مرکزی یورپ میں دوبارہ قدم جمانے شروع کیے۔ تاہم انہیں ایک اچھے ہمسائے یا پسندیدہ ہم وطن کا درجہ کبھی بھی حاصل نہ تھا۔

ولیم شیکسپیئر کی شہرۂ آفاق تصنیف Merchant of Venice میں شائیلاک یہودی کا جس طرح گریبان چاک کیا گیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یورپ میں یہودی کس قدر مقہور اور منفور تھے۔ اس دوران 1895ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بازل میں دنیا بھر کے رئیس یہودیوں نے اپنا کنونشن منعقد کیا اور ایک قرارداد کے ذریعے اپنے وطن کی تشکیل کی طرح ڈالی۔ اس کنونشن سے یورپ میں ایک قسم کا ارتعاش پیدا ہوا کیوں کہ خطرہ تھا کہ یہودی یورپ کے کسی حصے میں اپنا وطن قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کنونشن کے ردِعمل کے طور پر برطانوی وزارتِ خارجہ کے ایک افسر جیمز بالفور (James Balfour) نے 1914ء میں بالفور اعلامیہ کے نام سے ایک یادداشت تیار کی جس میں کہا گیا کہ برطانوی حکومت کوہِ سینا کے اِردگرد کے علاقے میں یہودیوں کے وطن کے قیام کی حمایت کرتی ہے۔ یہ علاقہ اس وقت خلافتِ عثمانیہ کے تحت تھا اور فلسطین کہا جاتا تھا۔ یورپ بھر کی غیر مسلم حکومتوں کو خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے اور فلسطین میں اسرائیل کے قیام پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر آسٹریا اور جرمنی کے حکمرانوں کو اس اقتصادی برتری کی بے حد فکر تھی جو اس وقت تک یہودی یورپ میں قائم کر چکے تھے۔ چنانچہ ایڈولف ہٹلر نے یہودیوں کی اقتصادی برتری کو چکنا چور کرنے کا فیصلہ کیا اور یورپ میں قابض یہودیوں پر زندگی کا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے یہودی فرار ہو کر امریکا اور روس

چلے گئے اور کچھ مشرقی یورپ میں منتقل ہو گئے۔ اس عمل کو یہودیوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور یہاں تک کہا کہ ساٹھ لاکھ یہودی جرمن نازیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ یہ تعداد دنیا بھر کے یہودیوں کی دو تہائی بتائی جانے لگی۔ ہٹلر کی طرف سے یہودیوں پر کی جانے والی سختی کا Holocaust کا نام دیا گیا تھا اور یہودیوں نے انتقام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا جو آج بھی جاری ہے۔

یہودیوں پر اگر کوئی ظلم و ستم ہوا تھا تو اس کی ذمہ دار مغربی یورپ کی حکومتیں تھیں مگر اس ظلم کا بدلہ لینے کا طریقہ یہ نکالا گیا کہ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کا عمل لندن سے شروع کرایا گیا اور آہستہ آہستہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے پوری خلافتِ عثمانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ ادھر یہودیوں نے بالفور اعلامیے کے مطابق فلسطین میں جائیدادیں خریدنے اور وہاں سے فلسطینی عربوں کو بے دخل کرنے کا بیدردانہ عمل شروع کر دیا اور 1948ء میں امریکی، برطانوی اور فرانسیسی چھتری تلے اسرائیل کی ریاست قائم کر دی گئی۔ اسرائیل کا قیام توسیع پسندی کے نعرے کے تحت عمل میں لایا گیا اور عظیم تر اسرائیل کے مجوزہ نقشے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی شامل کیے گئے ہیں۔ توسیع پسندی کے پہلے مرحلے میں قبلۂ اول کو 1973ء کی جنگ کے بعد اسرائیل میں شامل کیا گیا اور اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ توسیع پسندی جاری رکھی جائے گی۔

ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے اس تمام تاریخی عمل کے حوالے سے اپنے چند حالیہ بیانات میں کہا ہے کہ یہودیوں پر اگر کوئی ظلم ہوئے تو وہ یورپ کی سرزمین پر یورپی حکمرانوں نے کیے ہیں، اس لیے انصاف کا تقاضا ہے کہ یورپ میں کیے جانے والے مظالم کا بدلہ نہتے اور بے دفاع فلسطینی مسلمانوں سے لینے کے بجائے یورپ سے لیا جائے اور یورپ اپنے دروازے ڈایاسپورا کے حامی یہودیوں کے لیے کھول کر انہیں اپنے دامن میں جگہ دے۔ اس کے ساتھ ہی ایران کے صدر کا یہ مطالبہ بھی ہے کہ ایران کے پُرامن ایٹمی پروگرام کو اسرائیل کے لیے خطرہ قرار دینے کے بجائے ایران کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ اپنے ترقیاتی منصوبوں اور دفاع کے لیے اپنے ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھائے۔ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جسے 4 کروڑ سے زائد ایرانی عوام کی حمایت و پذیرائی حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی ملک کے عوام متفقہ طور سے کسی پروگرام کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان کا یہ حق جمہوری اصولوں کے مطابق تسلیم کیا جانا چاہیے۔ حال ہی میں امریکی اور اسرائیلی حلقوں کی طرف سے یہ عندیہ دیا جانا شروع ہوا ہے کہ ایرانی ایٹمی تنصیبات کو فضائی حملوں کے ذریعے تباہ کر دیا جائے گا۔ اس دھمکی کو ایرانی قیادت نے اطمینان سے سن کر جواب دیا ہے کہ ایران پر حملہ بین الاقوامی دہشت گردی کے مترادف ہوگا اور ایران اس کی بھاری قیمت جارح طاقتوں سے وصول کرے گا۔ ایک مسلمان ہمسائے اور تاریخ و ثقافت کے انتہائی گراں قدر ورثے میں ایران کے شریک ملک کی حیثیت سے ہمیں ایران کی آواز میں اپنی آواز ملانی چاہیے اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی سیاسی، سفارتی یا معاشی مصلحت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

ایران میں امریکی کارروائی کا منصوبہ

ایران کے خلاف امریکہ کی محاذ آرائی میں کمی نہیں ہوئی اور ایران کی تمام تر یقین دہانیوں کے باوجود امریکہ ایران کے ایٹمی پروگرام سے مطمئن نہیں۔ حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں، اسے دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ ایران کے خلاف ہر حال میں کارروائی کرنے کے لیے تیار ہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا این بی سی چینل کو انٹرویو اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ امریکی ایران کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ یورپی یونین نے ایران کے معاملے کو سلجھانے کے لیے کافی کام کیا تھا اور امید پیدا ہوگئی تھی کہ امریکہ ایران محاذ آرائی ختم ہوگی مگر ایسا نہیں ہوا۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ایران کے خلاف سخت زبان استعمال کی ہے انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے کہ اگر امریکہ ایران کو ایٹم بم بنانے سے نہ روک سکا تو اس کے خلاف فوجی کارروائی خارج از امکان نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ اس مسئلہ کو سفارتی طریقے سے حل کرلیا جائے گا تاہم ایران کے خلاف کسی بھی کارروائی کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ان خیالات کا اظہار امریکہ کے میگزین نیویارک میں چھپنے والی رپورٹ سیمور ہرش "THE COMING WARS" کے حوالے سے سوال کا جواب دیتے ہوئے کیا۔ پنٹاگون نے اس رپورٹ کو گمراہ کن اور بے بنیاد قرار دیا تھا۔ دوسری طرف ایرانی قیادت نے بھی اعلان کیا ہے کہ امریکہ ایران پر حملے کی جرأت نہیں کرے گا۔ ایران کے وزیر دفاع علی شمخانی نے سرکاری ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ ہو یا اسرائیل، کسی کو ایران پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ ہم اپنے دفاع کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

امریکہ اور ایران کے درمیان اس گرما گرمی کی وجہ سیمور ہرش کی رپورٹ ہے۔ سیمور ہرش 1970ء میں ویت نام کی جنگ کے بارے میں لکھی گئی ایک رپورٹ میں امریکی حکومت کا سب سے بڑا اعزاز پلٹزر پرائز بھی جیت چکے ہیں اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ نے مزید دس ممالک کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا کہ "مجھے ایک اعلیٰ سطح کے انٹیلی جنس آفیسر نے بتایا کہ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے اور عراق اس مہم میں پہلے نمبر پر ہے۔ بش انتظامیہ کی نظر ایک بڑے وار زون پر ہے اور اس کا اگلا ہدف ایران ہے۔ ہم نے برے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے وہ جہاں بھی ہیں ہمارے دشمن ہیں۔ امریکی عوام نے ہمیں مزید چار سال دیئے ہیں اور ہم یہ جنگ جیت لیں گے۔

صدر بش نے کئی ایگزیکٹو آرڈر جاری کیے ہیں جس کے تحت خفیہ کمانڈوز گروپ اور سپیشل فورسز کے یونٹوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں دس سے زائد مشتبہ ممالک میں کارروائی کریں۔ امریکی انٹیلی جنس حلقوں میں ہر شخص یہ بات تواتر سے کہہ رہا ہے کہ امریکہ کا اگلا ہدف ایران ہے۔ امریکہ نے ان ممالک میں آپریشن کی نگرانی سی آئی اے کے بجائے پنٹاگون کو دے دی ہے۔

فرانس، برطانیہ، جرمنی اور یورپ کے دوسرے ممالک ایک سال سے اس کوشش میں مصروف ہیں تاکہ ایران کو ایٹمی ہتھیار بنانے سے روک سکیں۔ یہ اقدام اصل میں بش انتظامیہ کو ایران کے خلاف کارروائی کو روکنے کے لیے اٹھایا گیا۔ ان ممالک نے ایران کی قیادت سے مذاکرات کیے اور اقتصادی امداد اور تجارتی فوائد کے بدلے میں ایران کو اپنا ایٹمی پروگرام معطل کرنے پر راضی کر لیا ایران نے عارضی طور پر یورینیم کی افزودگی معطل کرنے کا اعلان کر دیا حالانکہ ایران کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ این پی ٹی پر دستخط کرنے کی وجہ سے یورینیم کی افزودگی کر سکتا ہے کیونکہ اس کا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ وہ اسے ایٹمی ہتھیاروں میں استعمال کرے گا۔ یورپی یونین اور ایران کے درمیان مذاکرات کا حالیہ دور دسمبر میں برسلز میں شروع ہوا۔ اب یورپی ممالک ایران پر یہ زور دے رہے ہیں کہ وہ ایٹمی پلانٹ کی مشینری Dismantle کرے۔ ایران کا موقف یہ ہے کہ جب تک یورپی ممالک اسے مثبت انداز میں اقتصادی فائدے اور ٹیکنالوجی نہیں دیتے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ایران کے ساتھ مذاکرات کرنے والے ممالک نے بش انتظامیہ پر بھی زور دیا تھا کہ وہ ایران کے ساتھ شروع ہونے والے مذاکراتی عمل میں شریک ہو مگر بش انتظامیہ نے انکار کر دیا۔

سیمور ہرش نے اپنی رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو یقین ہے کہ ایران ابھی ایٹمی ہتھیار بنانے سے تین سے پانچ سال تک دور ہے، لیکن اس کا میزائل ڈلیوری سسٹم زیادہ جدید ہے۔ یورپ کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو انٹرنیشنل مسائل کا سامنا ہے، س کی رو سے وہ ایٹمی ہتھیار نہیں بنا رہا اور وہ مسئلہ ہیکسا فلورائیڈ گیس کی تیاری ہے جو ایٹمی ہتھیاروں میں استعمال کے لیے ضروری ہے۔

ایک مغربی سفارتکار کا کہنا ہے کہ مذاکرات کرنے والے یورپی ممالک اس وقت مشکل میں ہیں اور یہ مشکل بش انتظامیہ کے مذاکرات میں شامل ہونے سے انکار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ فرانس، جرمنی اور برطانیہ اکیلے مذاکرات میں کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک امریکی مذاکرات کے عمل سے باہر رہیں گے۔ مذاکرات کرنے والے ممالک ایران پر دباؤ نہیں ڈال سکیں گے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مذاکرات ناکام ہوں گے اور اس کا متبادل یہ ہوگا کہ مسئلہ سلامتی کونسل میں جائے گا۔ جہاں چین اور روس، ایران کے خلاف پابندیوں کے خلاف پیش ہونے والی قرارداد کو ویٹو کر دیں گے اور پھر امریکہ اقوام متحدہ کو الزام دے گا کہ اس مسئلہ کا حل صرف ایران پر بمباری ہی ہے۔

اسرائیل کے وزیر خارجہ سلوان شام لوم نے اس حوالے سے ایک اخبار نویس کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے یورپی ممالک اسے صرف اسرائیل کا مسئلہ سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ایران کے میزائلوں کی رینج اتنی ہے کہ وہ یورپی ممالک کو ٹارگٹ کر سکتے ہیں تو انہیں اس پر سخت تشویش ہوئی اب انہوں نے گاجر اور چھری والا رویہ اپنایا ہے اب تک تو صرف گاجر ہی دکھائی جا رہی ہے، لیکن ایک بات واضح ہے کہ اسرائیل ایران کو ایٹمی ہتھیار نہیں بنانے دے گا۔ ایرانی امور کے ماہر اور واشنگٹن انسٹیٹیوٹ آف نیئر ایسٹ پالیسی کے ڈپٹی ڈائریکٹر پیٹرک کلاسن نے حال ہی میں ایران کے حوالے سے ایک مضمون لکھا ہے کہ اگر ایران کے خلاف فوجی اقدام ہوتا ہے تو یہ اسرائیل کے وسیع تر مفاد میں ہوگا۔ اس

کا فائدہ واشنگٹن کو ہوگا اور یہ ملٹری اقدام اچانک ہوگا۔

جنیوا سنٹر فار سکیورٹی پالیسی کے ریسرچ ڈائریکٹر شاہدام کیوبن ایران پر حملے کو خوش کن اقدام قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ خیال ہی زبردست ہے کہ امریکی یا اسرائیلی ایران کے خلاف فوجی کارروائی کریں۔ اسرائیل کا نظریہ ہے کہ ایران ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے اور بین الاقوامی برادری اس مسئلہ کو حل کرے، ورنہ اسرائیل کی ایئر فورس نے 1981ء میں عراق کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کر کے اس تباہ کر دیا تھا لیکن ایران کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات زیر زمین ہیں۔ ایران کی ایٹمی تنصیبات زیادہ حساس مقامات پر ہیں اور اس پر حملے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ حملہ آور طیاروں نے تمام ایٹمی تنصیبات کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے۔ اس حملے کی وجہ سے ایران کا ردعمل بھی شدید ہوگا۔ ایران کا تعلق حزب اللہ سے ہے اور اس کے پاس لانگ رینج میزائل ہے وہ ان کے ذریعے تباہی پھیلا سکتا ہے۔

سیمور ہرش نے اپنی رپورٹ میں پاکستان کے حوالے سے بھی کئی بے بنیاد الزامات عائد کیے ہیں۔ پاکستان نے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ پاکستان نے نہ تو ایران کی ایٹمی معاملات میں مدد کی ہے اور نہ ہی اس کے خلاف ہونے والے کسی آپریشن میں وہ حصہ لے رہا ہے۔ سیمور ہرش اپنی رپورٹ میں کہتا ہے کہ ''بش انتظامیہ ایک سال سے ایران میں خفیہ آپریشن میں حصہ لے رہی ہے۔ اس آپریشن کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ایران کی ایٹمی کیمیائی اور میزائل بنانے والی جگہوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں، تاکہ ان کو ٹارگٹ کیا جا سکے۔ اس آپریشن کا مقصد تین درجن مقامات کی نشاندہی ہے تاکہ ایک بھرپور فضائی حملے اور کمانڈو ریڈ کے ذریعے تباہ کیا جا سکے۔ پنٹاگون میں کام کرنے والے سویلین افراد ایران جا کر وہاں کے ملٹری انفراسٹرکچر کو تباہ کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ اس مشن میں غیر معمولی تعاون بھی حاصل کیا گیا ہے۔ امریکہ کی کمانڈو ٹاسک فورس جنوبی ایشیا میں قائم کی گئی ہے اور وہ پاکستانی سائنس دانوں اور ٹیکنیشنوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ سائنس دان اور ٹیکنیشن ہیں جنہوں نے ایران کے ساتھ ڈیل کی تھی۔ امریکہ کی ٹاسک فورس پاکستان سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں افغانستان کے راستے ایران میں داخل ہوئی تاکہ ایران کی زیر زمین تنصیبات کا کھوج لگایا جا سکے۔

امریکی ٹاسک فورس کے ارکان یا ان کے مقامی ایجنٹوں کے پاس تباہ کاری پیدا کرنے والے مقامات کا سراغ لگانے کے لیے خصوصی آلات ہیں۔ ان آلات کو Sniffers کہا جاتا ہے۔ حکام کے مطابق پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف نے اس تعاون کی بڑی قیمت وصول کی ہے اور وہ قیمت یہ ہے کہ امریکہ نے پاکستان کو یقین دہانی کرائی ہے کہ پاکستان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ پاکستان کے ایٹم بم کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی یا کسی دوسری بین الاقوامی اتھارٹی کے حوالے کرے، تاکہ ڈاکٹر خان سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔ ایک سابق انٹیلی جنس افسر کے مطابق یہ ایک ڈیل تھی، جس میں کہا گیا کہ آپ ایران کے حوالے سے ہمیں معلومات دیں اور ہم ڈاکٹر قدیر خان کو بخش دیں گے۔

سیمور ہرش کے مطابق ''یہ ڈیل ایک ایسے وقت میں ہوئی جب صدر جنرل پرویز مشرف پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے ذخیرے کو مزید بڑھانا چاہتے ہیں۔ ایک سابق پاکستانی سفارتکار نے بتایا کہ پاکستان کو اب بھی ایٹمی ہتھیاروں کے لیے پرزوں اور آلات کی ضرورت ہے اور وہ

انہیں باہر سے خریدنا چاہتا ہے اور امریکہ پاکستان کو ایسا کرنے سے نہیں روکے گا۔

ایران پر حملے کے حوالے اسرائیل سے بھی قریبی تعاون حاصل کیا جا رہا ہے۔ ڈگلس فیتھ کی سربراہی میں پنٹاگون کے لوگ اسرائیل کے منصوبہ سازوں اور کنسلٹنٹس کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں تاکہ ایران میں ایٹمی کیمیائی اور میزائل تیار کرنے والے مقامات پر موثر حملہ کیا جا سکے۔ (عراق کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے بعد ایران نے اپنی ایٹمی تنصیبات کو دور دراز کے مشرقی حصوں میں تعمیر کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے ممالک اور خاص طور پر اسرائیل کے حملے کی رینج میں نہ آئیں۔ اس پر اسرائیل نے تین سب میرین حاصل کی جو کروز میزائل چلا سکتی ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ایران کے خلاف حملے کی صورت میں اپنے ایف 16 طیاروں کو اضافی ایندھن فراہم کر سکیں۔)

ان کا یقین ہے کہ دو تہائی مقامات کو فضا سے آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے، جبکہ ایک تہائی مقامات آبادی کے نزدیک واقع ہیں یا وہ سب زیر زمین ہیں اور ان کو نشانہ بنانا مشکل ہے۔ حملے سے پہلے اس طرح کے مقامات کی مکمل جانچ پڑتال امریکی اور اسرائیلی کمانڈوز کریں گے۔

پنٹاگون نے ایران پر قبضے کے منصوبے کو بھی اپ ڈیٹ کیا ہے۔ امریکی سنٹرل کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر میں سٹریٹجک ماہرین سے کہا گیا ہے کہ وہ امریکہ کے جنگی منصوبے کو دوبارہ دیکھیں جس کے تحت فضا اور زمین سے ایران پر قبضہ کیا جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خطے میں کئی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے منصوبہ یہ تھا کہ امریکی افواج ایران میں خلیج فارس یا اومان کے سمندر سے داخل ہوں گی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ امریکی فوجی افغانستان اور عراق کے راستے ایران میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وسطی ایشیائی ریاستوں میں نئے اڈوں کی تعمیر سے مزید کمانڈوز بھی وہاں اتارے جا سکتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ امریکی حکام جو ایران کے نیوکلیئر انفراسٹرکچر کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی بات کر رہے ہیں وہ اس پراپیگنڈہ مہم کا حصہ ہوں جس کا مقصد ایران کو ایٹمی ہتھیار تیار کرنے سے روکنا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدر بش جو 9/11 کے بعد ایران کو برائی کا محور قرار دیتے تھے اب سفارتکاری کی بات کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اس کا کئی بار اظہار بھی کیا ہے۔ امریکہ کے سخت گیر حلقے ایران پر فوجی آپریشن کو آخری حل قرار دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

ایران پر حملوں کا فوری مقصد ایٹمی تنصیبات کی تباہی یا انہیں شدید نقصان پہنچانا ہے، تاکہ ایران نیوکلیئر صلاحیت حاصل نہ کر سکے۔ پنٹاگون کے باکس اس بات پر بھی زور دے رہے ہیں کہ ایران پر محدود حملہ کیا جائے اور ان کا یقین ہے کہ اس طرح کرنے سے ایران کی ملا نواز حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایران میں سیکولر اور مذہبی حلقوں میں شدید اختلاف اور دوری موجود ہے، جیسے ہی حملہ ہوگا، ایران کا ملا ازم پر مبنی نظام ختم ہو جائے گا، جس طرح کمیونسٹ ممالک رومانیہ، مشرقی جرمنی اور سوویت یونین میں ہوا تھا۔ رمز فیلڈ اور وولفز اس خیال کے حامی ہیں جبکہ دوسرا حلقہ اسے بہت بڑی غلطی قرار دے رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے امور کے ایک ماہر فلینٹ لیوریٹ کے مطابق اس طرح کے حملے کو ساری ایرانی قوم اپنے اوپر حملہ تصور کرے گی اور ایران میں امریکہ کے خلاف نفرت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

صدارتی احکامات جاری کروانے سے قبل رمز فیلڈ نے اپنے منصوبے کے لیے زبردست لابی کی تھی۔ ملٹری کمانڈوز کو اس طرح کے منصوبوں

میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔اس حوالے سے ان کا پہلا قدم بیوروکریٹک تھا۔اس کے تحت ایک درپردہ یونٹ جس کا نام گرے فاکس ہے کا کنٹرول فوج سے سپیشل آپریشنز کمانڈ کے سپرد کر دیا گیا۔اس طرح گرے فاکس ایک کمانڈ کے تحت آ گیا اور اس سے رمزفیلڈ کو کمانڈوز کو تعینات کرنے کا حق مل گیا۔اس کے بعد رمزفیلڈ کی ہدایات پر دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے حوالے سے ایک ایگزیکٹو آرڈر جاری ہوا جس میں فوج کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ دہشت گرد ٹارگٹس کو تلاش کر کے ختم کریں۔

نومبر 2004ء میں ٹائم نے ایک رپورٹ جاری کی کہ صدر بش نے ایک انٹرایجنسی گروپ قائم کیا ہے جو اس بات کا جائزہ لے گا کہ کیا یہ قوم کے بہترین مفاد میں نہیں کہ پنٹاگون کو سی آئی اے کے ایلیٹ پیرا ملٹری یونٹ کا مکمل کنٹرول دے دیا جائے۔یہ یونٹ دنیا بھر میں تعینات ہیں اور مسئلہ کو فروری میں حل کیا جائے گا۔سی آئی اے میں پیرا ملٹری آپریشنز ڈویژن کے سابق سربراہ ہوارڈ برٹ کے مطابق فروری میں اس کی منظوری بھی دے دی جائے گی۔

پنٹاگون کی توسیع پسندی کے مزید ثبوت بھی سامنے آئے ہیں۔سی آئی اے کے دو سابق آفیسر ''انٹیلی جنس بریف'' کے نام سے ایک نیوز لیٹر جاری کرتے ہیں۔گزشتہ مہینے انہوں نے لکھا تھا کہ انسداد دہشت گردی کے لیے صدر بش نے پنٹاگون کو یہ اجازت دے دی ہے کہ وہ آزادانہ طور پر ان ممالک میں آپریشن کر سکتی ہے جن کے بارے میں واضح طور پر یہ شواہد سامنے آئیں کہ وہاں دہشت گردی کا خطرہ موجود ہے۔جن ممالک میں انہیں آپریشن کا حق ملا ہے ان میں الجزائر' سوڈان' یمن' شام' ملائیشیا اور تیونس شامل ہیں۔پنٹاگون نے کانگرس کو آگاہ کیے بغیر آپریشن کرنے کے لیے قانونی راستہ تلاش کر لیا ہے۔ہر فوجی آپریشن کی منظوری کانگرس دیتی ہے مگر خفیہ اور زیرزمین منصوبوں کے لیے کانگرس کی منظوری ضروری نہیں ''کانگرس کو اس بات کی فکر دامن گیر ہے کہ پنٹاگون فوج کو مس ایڈونچر میں پھنسا رہی ہے اور ایسے منصوبوں کا کسی کو علم نہیں۔

رمزفیلڈ کے نئے منصوبے کے مطابق امریکی فوج کے ایجنٹ کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کرپٹ بزنس مین کا روپ دھار کر ان ممنوعہ اشیاء کی خریداری کریں جو ایٹمی ہتھیار بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔پنٹاگون کے مشیروں کے مطابق بعض صورتوں میں مقامی شہریوں کو بھی اس مقصد کے لیے بھرتی کیا جا سکتا ہے اور ان سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ گوریلا یا دہشت گرد گروپوں میں شامل ہو جائیں۔اس سے امریکی فوج کو آپریشن کرنے میں مدد ملے گی۔کچھ آپریشن ان ملکوں میں بھی ہو سکتے ہیں جہاں پر امریکہ کا سفارتی مشن کام کر رہا ہے اور یہ آپریشن امریکی سفیر اور سی آئی اے کے سٹیشن چیف کے ساتھ مل کر کیا جائے گا۔

نئے قواعد کے تحت سپیشل فورسز اس قابل ہو جائیں گی کہ وہ مختلف ممالک میں ایکشن ٹیمیں تشکیل دے سکیں۔ان ٹیموں کا مقصد دہشت گرد تنظیموں کی شناخت کر کے انہیں ختم کرنا ہے۔ایک سابق انٹیلی جنس آفیسر کے مطابق ایل سلواڈور میں 1980ء میں ملٹری کی سربراہی میں ایک گینگ نے قتل عام کیا تھا۔سی آئی اے نے اس گروپ کو تشکیل دیا اور اسے سرمایہ فراہم کیا۔اب پنٹاگون کا مقصد ہے کہ دوسرے ممالک میں مقامی لوگوں کو بھرتی کر کے استعمال کیا جائے اور اس کے بارے میں پنٹاگون کو کانگرس کو بتانے کی ضرورت نہیں۔اس مقصد کے لیے امریکی بدمعاشوں کی خدمات بھی حاصل کر رہے ہیں۔اگر میرین کاؤنٹی کا ایک کنفیوژڈ شخص القاعدہ میں آ سکتا ہے (ان کا اشارہ جان واکر کی طرف ہے، 20 سالہ یہ شخص

افغانستان سے گرفتار ہوا تھا) تو پیشہ ور ایجنٹ بھی یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں پنٹاگون کے ایک مشیر کے مطابق گزشتہ سال چند ایک بڑے زیر زمین منصوبوں پر عملدرآمد ہوا۔ امریکی مدد کے ذریعے الجزائر میں ایک سیل کو توڑا گیا۔ یہ مشیر عماری سیفی المعروف عبدالرزاق لیپارا کی گرفتاری کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو شمالی افریقہ میں القاعدہ سے تعلق رکھنے والی ایک اور تنظیم کا سربراہ تھا۔

پنٹاگون پہلے بھی اس طرح کے زیر زمین منصوبوں کو ترتیب دیتی رہی ہے۔ 1980ء کی دہائی کے ابتداء میں ایک خفیہ فوج کا یونٹ تشکیل دیا گیا اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ منظر پر آئے بغیر بیرون ملک کارروائیاں کریں۔ اس کا نتیجہ تباہ کن تھا، سپیشل آپریشنز پروگرام جسے پہلے انٹیلی جنس سپورٹ ایکویٹی کہا جاتا تھا کو واشنگٹن سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔ یہ 1980ء کے اس ناکام آپریشن کے بعد وجود میں آئی تھی جب ایران میں انقلابیوں نے شاہ ایران کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور امریکیوں کو یرغمال بنا لیا۔ ابتداء میں اس یونٹ کو پنٹاگون کے سینئر جنرلز اور اعلیٰ سیاسی رہنماؤں سے بھی خفیہ رکھا گیا۔ ان لوگوں کو ریگن انتظامیہ نے نکاراگوا کے خلاف جنگ میں استعمال کیا۔ 1980ء کے وسط میں آئی ایس اے کے آپریشنوں کے بارے میں لوگوں کو علم ہوا۔ اس تنظیم کے کئی سینئر حکام کا کورٹ مارشل ہوا کیونکہ وہ اسلحہ کی خریداری سمیت دوسرے کئی سکینڈلوں میں ملوث تھے۔ اس معاملے کا نام ''دی یلوفروٹ سکینڈل'' رکھا گیا۔

پنٹاگون کے مشیر کا کہنا ہے کہ اس گروپ کا دوبارہ احیاء اس لیے ہوا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے حوالے سے انٹیلی جنس کی ناکامی سامنے آئی ہے۔ انتظامیہ کا خیال ہے کہ سی آئی اے یا تو اس قابل نہیں یا وہ فوج کو ایسی معلومات دینے کے لیے تیار نہیں جس کے ذریعے دہشت گردی کے چیلنج سے مؤثر طور پر نمٹا جا سکے۔ سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ہمارے پاس ہیومن انٹیلی جنس نہیں ہے اور یہ لوگ ایسے علاقوں میں بالکل نہیں ہیں جہاں دہشت گرد موجود ہیں۔ سی آئی اے بیرون ملک سپیشل فورسز کے آپریشن میں ہیومن انٹیلی جنس دینے میں ناکام رہی ہے۔

امریکہ نے سیمور ہرش کی رپورٹ کو بے بنیاد قرار دیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس طرح کا کوئی منصوبہ زیر غور نہیں ہوگا۔ امریکی سٹریٹیجک ماہرین اس طرح کی رپورٹیں تیار کرتے رہتے ہیں اور ان کا مقصد نیو ورلڈ آرڈر پر عمل کروانا ہے۔ ایران کے مسئلہ میں پاکستان کو ملوث کرنے سے پاکستان کے لیے کئی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ حکومت پاکستان نے اس سارے مسئلے سے لاتعلقی کا اعلان کیا تھا، لیکن اس کے باوجود دونوں برادر اسلامی ملکوں کے درمیان تعلقات متاثر ہونے کا اندیشہ ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

رپورٹ کا یہ حصہ بھی تشویشناک ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے دس ممالک میں خفیہ انداز میں کارروائی کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان ممالک کا نام نہیں لیا گیا، مگر یقینی طور پر اکثریت مسلمان ممالک پر مشتمل ہے۔ مشرق وسطیٰ کے حوالے سے امریکیوں کا ایجنڈا ڈھکا چھپا نہیں ہے اور وہ اس کا برملا اظہار بھی کرتے آ رہے ہیں۔ عراق کے بعد ایران کے خلاف کارروائی سے پورا خطہ ہی آگ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ ایران کے ترجمان علی آغا محمدی کے مطابق اس طرح کی رپورٹ جاری کرنے کا مقصد محض نفسیاتی حربہ ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کا خطرہ بہرحال موجود ہے۔ امریکہ اور اسرائیل دونوں اس طرح کی مہم جوئی کر سکتے ہیں اور اب تو ان کے لیے اس خطے میں کافی آسانیاں موجود ہیں۔ عراق اور افغانستان پر ان کا مکمل کنٹرول ہے اور وہ اس مقصد کے لیے وہاں سے حملہ کر سکتے ہیں۔ گزشتہ ہفتے ہی ایرانی

فضائیہ نے اپنی ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کرنے کے لیے غیر معمولی پروازیں شروع کی تھیں۔

امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے واشنگٹن میں قائم عراق اور افغانستان جنگ سے متاثرہ امریکی فوجیوں کے مرکز میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اپنے آئندہ کے ایجنڈے کو بالکل واضح کر دیا۔ انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا کہ امریکی فوجیوں کو آئندہ برسوں میں عراق سمیت دنیا کی کسی بھی جگہ پر مزید خدمات کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے کیونکہ انہیں کسی بھی وقت اس کے لیے کال دی جا سکتی ہے۔ دوسری صدارتی ٹرم میں ان کے پاس ایک بڑا ایجنڈا ہے۔ جب تک وہ اپنے کام مکمل نہیں کر لیتے، لوگ ان کے بارے میں کچھ نہ لکھیں۔ اس اعلان کے بعد بھی اگر کوئی خوش فہمی میں رہتا ہے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ پہلی ٹرم میں بش نے عراق اور افغانستان پر قبضہ کیا ہے۔ یقینی طور پر اس ٹرم میں وہ مزید ملکوں کو سبق سکھانے کی کوشش کریں گے۔ امریکی صدر کی حلف برداری کے موقع پر بی بی سی ورلڈ سروس نے ایک سروے کروایا۔ اس سروے میں 21 مختلف ممالک کے لوگوں نے حصہ لیا۔ اس سروے کے نتائج سے یہ بات سامنے آئی کہ بہت سے افراد یہ سمجھتے ہیں کہ جارج بش کے دوبارہ صدر منتخب ہونے سے دنیا کو مزید خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ صرف بھارت اور فلپائن میں رہنے والے لوگوں نے یہ رائے دی کہ صدر بش کے دوبارہ صدر بننے سے دنیا محفوظ ہو جائے گی جبکہ برطانیہ، جرمنی اور فرانس جیسے ملکوں میں بش کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے۔

پاکستان کے حوالے سے بھی امریکہ کے جذبات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے امریکہ نے پاکستان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کر رکھا ہے، مگر اس نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے آنکھیں بند نہیں کیں۔ امریکی وزیر خارجہ کے بقول اگر صدر مشرف کے خلاف بغاوت کامیاب ہو جاتی ہے تو اس سے پاکستان کے جوہری اسلحہ کی حفاظت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ امریکہ نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو محفوظ ہاتھوں میں رکھنے کے لیے جو اقدامات کیے ہیں، اس کو ابھی منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا۔ امریکہ نے ہی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی نیوکلیئر بلیک مارکیٹ کو ختم کروایا اور اس کے نتیجے میں لیبیا نے اپنا ایٹمی پروگرام رضا کارانہ طور پر بند کر دیا۔ کنڈولیزا رائس کے اس بیان کے بعد عوامی حلقوں میں یہ تشویش ضرور پائی جاتی ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے امریکہ نے کوئی دخل اندازی ضرور کی ہے۔ ان اقدامات کو بہر حال منظر عام پر آنا چاہیے جو امریکہ کے بقول اس نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو محفوظ کرنے کے لیے کیے ہیں۔

کیا امریکہ کا اگلا نشانہ ایران ہوگا؟

اب تک جو شواہد سامنے آتے رہے ہیں' ان کی بنیاد پر یہ تجزیہ خاصی حد تک درست نظر آتا ہے۔ ایران کے خلاف جال بچھانے کا عمل کئی عشروں سے جاری ہے۔ 1980ء میں یہاں وائٹ ہاؤس کی جس ذلّت سے دوچار ہونا پڑا تھا' وہ اس کی آگ میں اب تک جھلس رہا ہے۔ یہ ایک ایسا کانٹا ہے' جس نے اس کی ''دستارِ فضیلت'' کو داغ دار کر رکھا ہے۔ اس نے ایک طویل عرصے سے ایران پر اقتصادی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں' اور امریکا میں موجود اس کے تمام مالی اثاثے اب تک اس کے قبضے میں ہیں۔ ایران کے خلاف اس کی فردِ جُرم میں دو نکات زور و شور کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں' ایران جمہوریت سے محروم ہے اور نیوکلیائی طاقت بننے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ اس کے نزدیک ایک سنگین جُرم ہے' اگرچہ وہ ہر دور میں مختلف ممالک کے آمروں اور بادشاہوں کی سرپرستی کرتا رہا ہے' اور دُنیا بھر میں سب سے زیادہ اور سب سے خوف ناک نیوکلیائی ہتھیار اس کے اپنے پاس ہیں۔

عراق کی طرح ایران بھی تیل کی دولت سے مالا مال ہے' اور امریکا عرصے سے اس دولت پر آنکھ لگائے بیٹھا ہے۔ 1951ء میں اقتدار میں آنے کے ایک ماہ بعد محبِّ وطن ایرانی وزیراعظم' ڈاکٹر محمد مصدق نے اینگلو ایرانی آئل کمپنی کو' جو بعد میں ''برٹش پیٹرولیم'' کے نام سے سامنے آئی' قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا تو برطانیہ اور امریکا کا حکمران طبقہ جلال میں آ گیا' کیونکہ یہ ان کے لیے مالی منفعت کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ چنانچہ 1953ء میں ڈاکٹر محمد مصدق کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ اس آپریشن میں سی آئی اے نے مرکزی کردار ادا کیا۔ شاہ ایران ایک بار پھر سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ وہ 1979ء تک امریکی اور برطانوی مفادات کو تحفظ دیتا رہا' اور اپنی قائم کردہ خوں آشام ایجنسی' ''ساوک'' کے ذریعے ایرانی عوام پر ظلم ڈھاتا رہا' حتیٰ کہ امام خمینی کے انقلاب نے اسے ایران سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ امریکا اور برطانیہ اس ''صدمے'' سے ابھی تک سنبھل نہیں پائے۔ امریکا کو کچھ زیادہ ہی صدمہ پہنچا' کیوں کہ اسے ''شیطانِ کبیر'' کا لقب مل چکا تھا' اور ایران کی سڑکیں ''مرگ بر امریکا'' کے نعروں سے گونج رہی تھیں۔ اس نے اپنی مونچھیں بلند کرنے کے لیے ہالی وُڈ کی فلموں کے انداز میں دو تین آپریشن بھی کیے' لیکن اسے اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ پھر امریکا کی آشیر باد سے صدام حسین نے ایران سے جنگ چھیڑ دی' جس میں طرفین کو بھاری جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا' لیکن ایران کی اسلامی حکومت کو گرانے کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

9/11 کے بعد جب وائٹ ہاؤس نے اور بھی زیادہ خوف ناک انداز میں برہنہ جارحیت کا آغاز کیا تو دُنیا بھر کے حکمرانوں پر سکتہ طاری ہو گیا' اور وہ چاروناچار خضوع وخشوع کے ساتھ امریکی نعرے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا الاپ کرنے لگے۔ تاہم' ایران دُنیا کے ان معدودے چند ممالک میں شامل رہا' جو اس صورت حال میں بھی امریکا کو آئینہ دکھاتے رہے کہ وہ خود ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے' اور اس کی پُشت پناہی کی بدولت اسرائیل نے بھی ایک طویل عرصے سے دہشت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

امریکی حکمرانوں کے خیال میں ایران مشرق وسطیٰ میں اس کے ایجنڈے کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے اور جب سے احمدی نژاد ایران کے صدر منتخب ہوئے ہیں' اس کی جھنجلاہٹ میں اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ عراق پر اس نے جس عذر کی بنیاد پر حملہ کیا تھا' اس کی حقیقت کھل چکی ہے۔ اس لیے اب ایران کے معاملے میں اس نے ایک نئی حکمت عملی اختیار کی ہے' جس کے تحت یورپی یونین اور انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کی جانب سے ایران کو اس کا ایٹمی پروگرام ترک کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس کھیل کا مقصد دُنیا کو یہ تاثر دینا ہے کہ ایران ہٹ دھرمی پر کمربستہ ہے اور لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود اپنی روش پر قائم ہے' اس لیے ہم ''بادل نخواستہ'' اس کے خلاف فوجی کاروائی کرنے میں حق بہ جانب ہوں گے.....

سچ کیا ہے' جو دُنیا بھر کے حکمرانوں کے تجاہل عارفانہ کی نذر ہو رہا ہے؟ اگر دُنیا کے تمام ممالک کو اقوام متحدہ کے چارٹر میں مساوی مقام حاصل ہے' تو سچ یہ ہے کہ امریکا کو بھی' جو جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرا چکا ہے' نیوکلیائی ہتھیار رکھنے اور ایٹمی پروگرام جاری رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن وہ طاقت کا فرمان سنانے پر مُصر ہے' اور دُنیا بھر کے حکم راں اس کی دیدہ دلیری کے سامنے ہتھیار پھینک چکے ہیں۔ کوئی اس سے یہ سوال تک کرنے کی جسارت نہیں کرتا کہ اسرائیل کے ایٹمی مرکز' دمونا' کا معائنہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ اسرائیل ایک نیوکلیائی طاقت بن چکا ہے۔ اٹامک انرجی ایجنسی کے چیئرمین' محمد البرادی جو خیر سے نوبل انعام پا چکے ہیں' اسرائیل کی طرف آنکھ تک اُٹھانے کی جرأت نہیں رکھتے' امریکا کو خوش رکھنے کے لیے بار بار ایران کو دھمکاتے رہتے ہیں۔ اور ایران کے پڑوسی ممالک صرف اس اعلان پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہم ایران پر حملے کے لیے امریکا کو اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ گویا' وہ حملے کی مذمّت نہیں کریں گے۔ ویسے بھی افغانستان اور عراق پر مکمل تصرف حاصل کرنے کے بعد امریکا کو ایران کے کسی دوسرے ملک کی سرزمین استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو یہ ممالک اپنے سابقہ بیانات بھول کر فوراً سر تسلیم خم کر دیں گے۔ اور اس کے لیے ان کے پاس یہ ''معقول'' عذر موجود ہوگا کہ شمشیر بکف مجنوں (امریکا) کی ناراضگی مول لے کر وہ اپنی تباہی کو دعوت نہیں دیں گے۔

کیا ایران پر امریکی حملے کا منصوبہ محض ایک سطحی قیاس پر مبنی ہے؟ کیا عراق میں غیر متوقع مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد امریکا زیادہ محتاط ہو جائے گا؟ شاید اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ خوش فہمیوں میں مُبتلا ہیں اور امریکی سامراج کی مجنونانہ تاریخ سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ خود امریکا کے بیشتر سیاسی مبصرین اس تجزیے سے متفق ہیں کہ امریکا کسی بھی صورت ایران سے درگزر نہیں کرے گا۔ وہ پورے مشرق وسطیٰ میں ''جمہوریت'' قائم کرنے کی تمنا رکھتا ہے تاکہ یہاں اس کے اور اسرائیل کے مفادات کو تحفظ حاصل ہو سکے۔ امریکا کے ایک ممتاز انٹیلی جینس

آفیسر نے گذشتہ دنوں یہ اعتراف کیا ہے کہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' عراق کی مہم سے ختم نہیں ہوگی۔ اس کے بعد یقیناً ایران کی خبر لی جائے گی۔ ہم نے بُرے لوگوں اور بُری قوتوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ وہ ہمارے دشمن ہیں' اور ایران ان میں شامل ہے''۔ اس پالیسی کی تکمیل کے لیے رمسفیلڈ زیادہ پُرجوش نظر آتے ہیں۔ شاید اسی لیے اندرون ملک انہیں برطرف کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے' لیکن رمسفیلڈ صدر جارج بُش کے منظورِ نظر ہیں' اور براہِ راست ان ہی سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ اس دوران' صدر بش متعدد احکام جاری کر چکے ہیں' جن کے تحت مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے دس ممالک میں امریکی کمانڈو دستوں اور سپیشل فورس کے کارندوں کو مشتبہ دہشت گردوں کے خلاف ''بھرپور کارروائی'' کرنے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ اب یہ کوئی راز نہیں رہا کہ امریکی ایجنٹوں کی ایک بڑی تعداد افغانستان سے ایران میں داخل ہو کر ایرانی حکومت کے خلاف منفی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ ایسی تمام کارروائیاں پینٹاگون کے زیرِ ہدایت عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ کاغذی طور پر سی آئی اے اپنے اقدامات کے لیے صدر کی منظوری حاصل کرنے کی پابند ہے' لیکن پینٹاگون اس تکلف سے بھی بالاتر ہے۔

فرانس' جرمنی' انگلینڈ اور یورپی یونین کے دوسرے ممالک ایک عرصے سے ایران کو اپنا نیوکلیائی پروگرام ترک کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں لیکن انہیں اب تک اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ابتداء میں یہ محسوس ہوا کہ اس ضمن میں مذاکرات ثمر آور ثابت ہوں گے۔ یورپی یونین کی جانب سے یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ ایران تیل کی پیداوار کے لیے یورپی ٹیکنالوجی' بھاری صنعتی مشینوں اور ایربسوں کے ایک بیڑے کی خریداری کے عوض اپنے نیوکلیائی پروگرام سے دست بردار ہو جائے گا' لیکن اب صدر احمدی نژاد کے تند و تیز بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران حتمی معرکہ آرائی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا ہے۔ امریکا کی بدنیتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورپی یونین کے اصرار کے باوجود وہ ایران سے مذاکرات کے عمل میں شریک ہونے سے انکار کرتا رہا ہے۔ پینٹاگون کے سرکردہ افسر اب بھی شدت کے ساتھ اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ ایران کو مسلسل فوجی حملے کی دھمکی نہیں دی جائے گی تو وہ اپنے پروگرام سے دست بردار نہیں ہوگا۔ اس لیے اس سے مذاکرات کرنے کا عمل بے سُود ہوگا۔ ایرانی صرف دباؤ کی زبان سمجھتے ہیں۔ بھرپور فوجی حملے سے قطع نظر' امریکا اور اسرائیل کے بعض فوجی ماہرین محض ایرانی نیوکلیائی اڈوں کو فضائی حملوں کے ذریعے تباہ کرنے کی حکمت عملی پر زور دے رہے ہیں۔ تاہم ایران نے اس قسم کی تنصیبات ملک کے مختلف اور دُور افتادہ خفیہ مقامات میں پھیلا رکھی ہیں' اس لیے ان پر نشانہ بازی کا عمل آسان نہیں ہوگا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میزائل ڈیلیوری سسٹم پر عبور حاصل کرنے کے لیے ایران کو ابھی مزید تین تا پانچ سال کا عرصہ درکار ہوگا' اور تکنیکی امداد کے لیے اس پر بیرونی دروازے بھی بند ہو چکے ہیں..... امریکا اور اس کے حلیف اس خدشے میں مبتلا ہیں کہ اگر انہوں نے سلامتی کونسل میں ایران کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کے لیے قرارداد پیش کی تو روس یا چین اسے ویٹو کر سکتے ہیں۔ گویا' امریکا کے نزدیک آخری حل جنگ ہی ہے! امریکا کے محبوب اسرائیل کا دباؤ بھی اپنا رنگ دِکھا رہا ہے۔ اسرائیل مذاکرات کے عمل کو مسلسل رَد کرتا چلا آیا ہے۔ اس کے وزیر خارجہ' سلوان شالوم متعدد بار بیان دے چکے ہیں کہ 'جو کچھ ہو رہا ہے' ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ یورپی یونین کا خیال ہے کہ یہ مسئلہ صرف اسرائیل کے لیے پریشان کُن ہے' اس لیے وہ مذاکرات میں اُلجھی ہوئی ہے۔ بہرحال اب تو انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ ایرانی میزائل پورے یورپ تک مار کر سکتے ہیں۔ بظاہر' وہ گاجر اور چابک کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں' لیکن ہمیں تو یہی نظر آتا ہے کہ وہ صرف

گا جرپیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اگر ان سے یہ کام نہیں ہوسکتا تو ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔ اسرائیل ایک ایسے ایران کا وجود برداشت نہیں کرسکتا' جس کے پاس نیوکلیائی بم موجود ہے۔ ہماری فضائی قوت اس معاملے سے خود ہی نمٹ لے گی۔

1981ء میں اسرائیلی فضائیہ نے اوسیراک میں واقع عراق کے نیوکلیائی ری ایکٹر پر میزائل برسا کر تباہ کر دیا تھا' جس کے باعث عراق کا نیوکلیائی پروگرام سات آٹھ سال پیچھے چلا گیا تھا۔ تاہم' ایران لقمۂ تر ثابت نہیں ہوگا' کیوں کہ ایران کے ری ایکٹر زیرِ زمین اور زیادہ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر (غالباً تین درجن) بکھرے ہوئے ہیں۔ امریکی ایجنٹ ان کی سُن گن لینے اور ایران کے مختلف علاقوں کی فضا میں بکھرے عناصر اور مٹی حاصل کر کے ان میں ریڈیو ایکٹو اجزاء تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ امریکی ذرائع یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ امریکی ٹاسک فورس کے اہل کار پاکستان سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر افغانستان سے مشرقی ایران میں داخل ہو کر' خفیہ زیرِ زمین تنصیبات کا سُراغ لگانے میں مصروف ہیں۔ ان ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس معاونت کے عوض پاکستان امریکہ سے یہ یقین دہانی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ وہ ڈاکٹر قدیر خاں کو اپنی تحویل میں لینے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

دفاعی مبصرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ٹامپا' فلوریڈا' میں امریکی سینٹرل کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر میں متعین حکمت کاروں کو بہت پہلے یہ ہدایت دی جا چکی ہے کہ وہ ایران کے خلاف بھرپور اور مکمل فضائی اور زمینی حملہ کرنے کی حکمت عملی تیار کر لیں۔ ایک زمانے میں ایران میں داخل ہونے کے لیے خلیج فارس اور خلیج اومان کا بحری راستہ ہی استعمال کیا جا سکتا تھا' لیکن اب امریکی فوجیں بہ آسانی عراق اور افغانستان کے راستے ایران میں داخل ہوسکتی ہیں' اور اس کے کمانڈو یونٹ وسطی ایشیائی ملکوں میں واقع اس کے اڈوں سے اپنی کارروائی کا آغاز کر سکتے ہیں۔

امریکی حکمت کاروں کا کہنا ہے کہ ایران کی نیوکلیائی تنصیبات کو تباہ کر کے وہ ایران کی ''مُلائیت'' کو فنا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ افغانستان اور عراق پر قبضہ کرنے کے بعد امریکا کی ہیبت مشرق وسطیٰ پر محیط ہو چکی ہے' ایران کو اپنے چُنگل میں لینے کے بعد جنوبی اور وسطی ایشیا کا گوشہ گوشہ اس کا غلام ہو جائے گا' اور اس خطے کے تمام مادی وسائل بلاشرکت غیرے اس کے تصرف میں ہوں گے۔ تاہم بہت سے ذی ہوش مبصرین پیش گوئی کر رہے ہیں کہ چاہے ملائیت قائم رہے یا نہ رہے' امریکا کے فوجی یا فضائی حملے کی صورت میں ایران کے عوام اس کے خلاف پوری قوت سے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ایران کے سیاسی حلقے بھی اس کے نیوکلیائی پروگرام کی تائید کرتے ہیں' کیوں کہ اس طرح ایران اس خطے میں ایک بڑی قوت کے طور پر اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

عراق میں امریکا شدید مزاحمت سے دوچار ہے' اور دوسری طرف دُنیا بھر میں اس کی جارحیت کے خلاف آواز اُٹھائی جا رہی ہے۔ اس صورت میں' ایران پر حملہ آسان ثابت نہ ہوگا۔ وائٹ ہاؤس کو اندرونِ ملک بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا' اور عالمی پیمانے پر بھی اس کی دراز دستیوں کے خلاف تحریک میں ایک نیا اُبھار آئے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایرانی عوام بیرونی طاقت کی اس یلغار کو کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کریں گے' اور قوم پرستی کا جذبہ ان کے درمیان مزاحمت کی ایک نئی اور ناقابلِ تسخیر قوت کو جنم دے گا۔

بے فائدہ دھمکیاں

ایران کے متنازعہ جوہری پروگرام پر ایک سے زیادہ نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں' لیکن موجودہ صورتِ حال کو نہ تو بحرانی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی بحران پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مسئلے کا ایک ممکنہ حل موجود ہے' جو یقیناً ہماری دسترس میں ہے۔

آج کل مختلف افراد' قوتیں اور ملک ایران کے خلاف بیان دے رہے ہیں' لیکن ایک پہلو کو کاملاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ ''جوہری عدم پھیلاؤ کے معاہدے (Non-proliferation Treaty....NPT) کی تقلید واحترام سے ایران کے گہرے مفادات وابستہ ہیں' اس معاہدے کی بین الاقوامیت کو یقینی بنانے کے لیے ایران نے دوسرے ملکوں کا ساتھ دیا اور مقدور بھر محنت کی۔ ایران خود کو اس معاہدے کا قانونی طور پر پابند اور تابع خیال کرتا ہے۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی یا نفی کو وہ اپنے دیانتدارانہ تزویراتی تخمینوں اور روحانی ونظریاتی سوچ کی نفی خیال کرتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے رہنما آیت اللہ علی خامنائی نے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری' حصول' ذخیرہ کرنے اور استعمال کے خلاف ایک حکم یا فتویٰ جاری کر رکھا ہے۔

میں صاف' کھل کر اور غیر مبہم انداز میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایران سمجھتا ہے کہ اس کی قومی سلامتی کا راز علاقائی اور عالمی تعاون میں مضمر ہے۔ علاقائی استحکام کو وہ اپنی ترقی کے لیے ناگزیر خیال کرتا ہے۔ ''وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں'' (WMD) پر کنٹرول کے لیے جتنے عالمی معاہدے آج تک طے پائے' ایران نے ان پر دستخط کیے اور فریق بنا' کیونکہ ہمیں علاقائی استحکام مقصود ہے۔ نہ تو ہم نے طاقت کے استعمال میں کسی کے خلاف پہل کی اور نہ ہی اقوام متحدہ کے کسی رکن ملک کو ڈرایا دھمکایا۔ اگرچہ ہم پر کیمیائی ہتھیار استعمال کیے گئے' تاہم جیسا کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ردعمل کے طور پر ہم نے ایسا نہیں کیا۔ گزشتہ 250 برسوں کے دوران ہم نے کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔

اکتوبر 2003ء سے لے کر تا حال اقوام متحدہ ایران میں متعدد مرتبہ اپنے معائنہ کار بھجوا چکی ہے۔ اب تک مجموعی طور پر 1700 دن ایران کا معائنہ ہو چکا ہے' جو رپورٹیں ہم بوجوہ گزشتہ چند سالوں کے دوران اقوام متحدہ کو نہ بھجوا سکے' ہم نے مذکورہ عرصے کے دوران ان کا ازالہ بھی کر دیا۔ یورینیم کی تبدیلی' ہیئت کی سرگرمیوں' لیزر کی افزودگی' ایٹمی ایندھن کی تیاری اور بھاری پانی کے تحقیقی ری ایکٹر پروگراموں جیسے تمام مسائل حل کیے جا چکے ہیں' حتیٰ کہ یورینیم کی حد درجہ افزودگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تابکاری کی موجودگی کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے۔ یہ تابکاری ثابت

کرتی ہے کہ ایٹمی اسلحہ غیر قانونی طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ ہم نے اس کی بھی تسلی بخش وضاحت پیش کر دی۔ صرف میری بات پر ہی نہ رہیں' بلکہ ''ایٹمی توانائی کی عالمی ایجنسی'' (IAEA) نے جو نتائج اخذ کیے ہیں' وہ بھی ایران کے موقف کی حمایت کرتے ہیں کہ یورینیم کی حد درجہ افزودگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جس تابکاری کا مشاہدہ کیا گیا' اس کا زیادہ تر حصہ بیرونی ممالک سے منوایا گیا۔ ہم نے اپنے ہاں یورینیم کو افزودہ نہیں کیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اپنی جوہری تجربہ گاہوں کے معائنے کی اجازت دینے میں ایران نے دیگر ممالک پر سبقت حاصل کی۔ عالمی ایجنسی نے متعدد مرتبہ ہماری ایٹمی لیبارٹریوں کا دورہ کیا' حالانکہ وہ لیبارٹریاں عسکری تناظر میں بہت اہم اور حساس تھیں۔ ہم نے عالمی ایجنسی کے معائنہ کاروں کو ''ماحولیاتی نمونے'' لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ ایجنسی نے وہاں کسی غیر معمولی سرگرمی کا مشاہدہ نہیں کیا۔ ''ماحولیاتی نمونوں'' کے تجزیے نے ثابت کر دیا کہ ان مقامات پر کوئی ایٹمی مواد نہیں پایا جاتا۔ ایجنسی کا یہ بیان سب سے اہم ہے کہ اسے ایران میں ایٹمی اسلحے کی تیاری کے شواہد نہیں ملے۔ ایجنسی اپنے اس مؤقف کا ایک سے زائد مرتبہ اظہار کر چکی ہے۔

مثال کے طور پر نومبر 2003ء میں ایجنسی نے تصدیق کی کہ ''ابھی تک ایسی کوئی شہادت میسر نہیں آئی' جس کی بناء پر کہا جا سکے کہ ماضی میں ایران نے اپنے جوہری مواد یا سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہو۔ وہ جوہری مواد یا سرگرمیاں جن کا ایٹمی اسلحے کی تیاری سے تعلق ہو سکتا ہے''۔ اس سے ایک سال بعد اور گزشتہ ستمبر میں ''آئی اے ای اے'' نے ایک بار پھر کہا: ''ایران نے جتنا جوہری مواد ڈیکلیئر کیا' اسے شمار کیا جا چکا ہے۔ یہ مواد ممنوعہ جوہری سرگرمیوں میں استعمال نہیں کیا گیا''۔

ایک اور نکتہ بھی فراموش کر دیا گیا ہے۔ ایران مذاکرات کے لیے (ہمہ وقت) تیار ہے۔ اکتوبر 2003ء سے ایران بھرپور کوشش کر رہا ہے کہ جن تین ممالک یعنی برطانیہ' فرانس اور جرمنی کو ہمارے ساتھ مذاکرات کی ذمہ داری سونپی گئی ہے' ان کے ساتھ گفت و شنید جاری رہے بلکہ کئی مرتبہ یہ مشاہدہ کرتے ہوئے کہ مذاکرات بے جان یا نیم جان ہوتے جا رہے ہیں' ہم نے ان کی روح کو تازہ کیا۔ اگست 2004ء سے تاحال ایران 8 دور رس اور قابل عمل تجاویز پیش کر چکا ہے۔ اس دوران ایران نے اور بھی بہت کچھ کیا۔ اعتماد سازی کے لیے ہم نے بعض ایسے اقدامات کیے' جو ہمیں خاصے مہنگے پڑے۔ مثلاً صرف اس لیے کہ مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہوں' 2 سال کے لیے ہم نے یورینیم کی افزودگی پر مبنی وہ سرگرمیاں بھی ترک کر دیں' جو ہمارا استحقاق تھا اور ان پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ مذاکرات کے دوران ایک ''متوازن پیکج'' کے اندر رہتے ہوئے ایران نے مندرجہ ذیل رضا کارانہ اقدامات کیے۔

1- ایران کی پارلیمنٹ میں آئی اے ای اے کا وہ نیا پروٹوکول توثیق کے لیے پیش کیا گیا' جس کے تحت ایجنسی کو (پُرامن) ایٹمی پروگرام میں مداخلت اور معائنے کا حق مل سکتا تھا' بلکہ توثیقی عمل کے دوران پروٹوکول میں جن نئی شقوں کا اضافہ کیا گیا' وہ بھی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دی گئیں۔

2- جن مقامات پر یورینیم کی تبدیلی' ہیئت اور افزودگی کا عمل جاری تھا' وہاں ''آئی اے ای اے'' کے معائنہ کاروں کو مستقلاً اور ہمہ وقت تعینات کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کیا گیا۔

3- ایٹمی اسلحے کی تیاری، انہیں ذخیرہ کرنے اور استعمال پر مستقل پابندی عائد کرنے کے لیے قانون متعارف کروایا گیا۔

4- جوہری مواد کی برآمدات پر کنٹرول میں تعاون کیا گیا، تاکہ ایٹمی مواد غیر ذمہ دار ہاتھوں میں نہ پہنچے۔

5- پلوٹونیم کی ری پروسیسنگ یا تیاری سے مکمل اجتناب برتا گیا۔

6- ایٹمی مواد کی افزودگی کو محدود کر دیا گیا، تاکہ صرف توانائی حاصل کی جا سکے۔ ایٹمی اسلحہ تیار نہ کیا جائے۔

7- تمام افزودہ یورینیم کو فوراً ایندھن کی سلاخوں'' میں تبدیل کر دیا گیا، تاکہ مزید افزودگی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

8- یورینیم کی افزودگی کے پروگرام کو صرف اس حد تک محدود کر دیا گیا کہ ہمارے پاور ریکٹروں اور مستقبل میں ہلکے پانی کے ری ایکٹروں کو ایندھن میسر آتا ہے۔

9- صرف دنیا کے سامنے اپنی نیک نیتی کے اظہار کے لیے ہم نے اپنی جوہری سرگرمیوں کو تحقیق و ترقی تک محدود کر دیا اور یورینیم کی افزودگی کے لیے وہ عمل اختیار کیا، جو غیر متنازعہ تھا۔

10- ہم نے غیر ملکی شراکت کاروں کو بھی قبول کیا، تاکہ نجی یا سرکاری شعبے میں یورینیم کی افزودگی کا معیار کسی سے ڈھکا چھپا نہ رہ جائے۔

ایران حال ہی میں یہ تجویز پیش کر چکا ہے کہ ایٹمی سرگرمیوں، بالخصوص یورینیم کی افزودگی کے عمل پر نظر رکھنے کے لیے ایک علاقائی کنسورشیم قائم کیا جائے۔ اس کنسورشیم میں وہ ملک شامل ہوں، جو ایٹمی ٹیکنالوجی کے حامل ہیں اور وہ کنسورشیم ''آئی اے ای اے'' کے تجویز کردہ تحفظات کا احترام کرے۔

دوسری حکومتوں، بالخصوص روسی فیڈریشن نے ہماری اس پیش کش سے استفادہ کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ایران نے ایٹمی مسئلے کے حل کے لیے اپنی شدید خواہش کا اظہار بھی کیا ہے، لیکن ہم کوئی مذاکراتی حل چاہتے ہیں۔ ایک ایسا حل جس میں ایران کے جوہری حقوق پر زد نہ آئے۔ ہم اپنے ایٹمی پروگرام کے پُرامن ہونے کی ہر ممکن یقین دہانی کرانے کے لیے تیار ہیں۔

دباؤ اور دھمکیوں سے مسائل حل نہیں کیے جا سکتے۔ ان کے حل کے لیے سیاسی اقدامات ضروری ہیں، جن کے لیے ایران تیار ہے۔ ہمیں امید ہے کہ باقی دنیا بھی ہمارے اس اصولی موقف کی غیر مشروط حمایت کرے گی۔ (بشکریہ: نیویارک ٹائمز''..... ترجمہ: شفیق الرحمٰن)

ایران پر حملہ مہنگا پڑے گا

صدر بش کے ایک حالیہ ارشاد کے مطابق ''ایران کے خلاف ایٹمی حملے سمیت تمام آپشن میز پر دھرے ہیں اگر چہ فی الحال امریکہ معاملے کو بات چیت ہی سے حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے''۔.....

مگر افغانستان اور عراق میں انہوں نے جو کچھ کیا اسے دیکھتے ہوئے کوئی یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ ایران کے خلاف فوجی کارروائی نہیں کریں گے۔ اگر وہ یہ حرکت کر گزرے تو اس کے نتائج کتنے بھیانک ہوں گے، یہ بات پوری طرح جاننا مشکل ہے لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ کے لیے یہ تجربہ افغانستان اور عراق دونوں سے زیادہ تباہ کن ہوگا گو کہ وہ ان دونوں ملکوں میں بھی شدید مشکلات کا شکار ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ کے اندر صدر بش کی حمایت مسلسل گھٹ رہی ہے۔ وال اسٹریٹ جرنل کا ایک تازہ جائزہ بتاتا ہے کہ ایک تہائی امریکی بھی اب ان کی جارحانہ پالیسیوں کے حامی نہیں ہیں۔ سابق امریکی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ نے دو چار دن پہلے ہی عراق پر حملے کو بش انتظامیہ کی بہت بڑی غلطی قرار دیا ہے جبکہ کولن پاول، جن کی وزارت خارجہ کے دوران یہ سب شروع ہوا، صفائیاں پیش کر رہے ہیں کہ وہ تو فوجی اقدام کے سرے سے حامی ہی نہ تھے، یہ ڈک چینی ہیں جنہوں نے صدر بش کو گمراہ کیا۔

یہی نہیں بلکہ اپریل کے پہلے دو ہفتوں میں عراق کی جنگ میں اہم ذمہ داریاں انجام دینے والے چھ ریٹائرڈ جرنیلوں نے جن میں سینٹرل کمانڈ کے سابق سربراہ جنرل انتھونی زینی بھی شامل ہیں، عراق میں امریکہ کی پالیسیوں کو مکمل طور پر ناکام قرار دیتے ہوئے صدر بش سے وزیر دفاع رمسفیلڈ کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ کئی تجزیہ نگاروں نے فوجی افسروں کے اس اقدام کو جرنیلوں کی بغاوت کا نام دیتے ہوئے بتایا ہے کہ امریکہ کی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ ڈیوڈ اگنے شس واشنگٹن پوسٹ میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ جنرل کہہ رہے ہیں، 75 فیصد سے زیادہ فوجی افسر یہی خیالات رکھتے ہیں۔ پیٹرک جے بوچانن کہتے ہیں: ''یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امریکی جنرلوں نے اپنے اختلافات کا یہ کھلا اظہار یہ جاننے کے باوجود کیا ہے کہ ان کی اس بغاوت سے امریکہ کے دوستوں اور دشمنوں سب کو یہ پیغام ملے گا کہ امریکی ہائی کمان گہرے اختلافات کا شکار ہو چکی ہے۔ امریکی پالیسی ناکام ہو رہی ہے اور اگر پینٹاگون کی سول قیادت تبدیل نہ کی گئی تو عراق میں شکست ہمارے سر پہ کھڑی ہے''۔ ان کے بقول جنرلوں نے اس طرح کمانڈر انچیف جارج ڈبلیو بش کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ ''رمسفیلڈ سے نجات حاصل کرو ورنہ جنگ ہار جاؤ گے''۔

یہ تو افغانستان اور عراق پر کی گئی فوج کشی کے نتائج ہیں جو امریکہ بھگت رہا ہے۔ اب رہ گئی ایران پر حملے کی بات تو اس کا امریکہ کے لیے زیادہ ہولناک ہونا اس لیے یقینی ہے کیونکہ ایران امریکی جارحیت کا شکار ہونے والے ان دونوں ملکوں کی نسبت ہر اعتبار سے کہیں بہتر پوزیشن میں ہے۔ افغانستان کے طالبان حکمراں اپنے جنگ زدہ ملک اور قانون کی پابندی سے آزاد معاشرے میں مثالی نظم ونسق قائم کر لینے کا معجزہ کر دکھانے کے باوجود دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ ان کی حکومت کو عالمی سطح پر کوئی تسلیم کرنے کو تیار ہی نہ تھا کیونکہ ان کا اسلام عالمی طاقتوں کے حلق سے نہیں اترتا تھا۔ جبکہ عراق پر برسوں سے ایک جابر اور مطلق العنان حکومت مسلط تھی جس کے تعلقات نہ اپنے لوگوں سے خوشگوار تھے نہ باہر کی دنیا سے۔ مگر ایران ایک جمہوری ملک ہے۔ ایرانی قیادت اپنی قوم کے حقیقی نمائندوں پر مشتمل ہے۔ صدر محمود احمدی نژاد عوامی جذبوں کے سچے ترجمان ہیں۔ جدید ایران ایک عوامی انقلاب کا حامل ہے جس نے شہنشاہیت کے سارے جاہ جلال کو پیروں تلے روند کر رکھ دیا۔ ایران کے پاس طویل جنگ کا بھرپور تجربہ بھی ہے۔ عالمی سطح پر بھی ایران کے تعلقات مستحکم ہیں۔ عالم اسلام کے علاوہ روس، چین، بھارت، اور بہت سے دوسرے ملک اس کے خلاف کسی جارحانہ اقدام یا پابندیوں کے کھلے مخالف ہیں۔ بھارت اور پاکستان امریکہ کے رضامند نہ ہونے کے باوجود گیس پائپ لائن کے معاملے میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں جو اس امر کا عملی اظہار ہے کہ ایران کے خلاف جارحیت ہوئی تو ان کا رویہ پہلے سے مختلف ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ افغانستان اور عراق کی نسبت ایران امریکی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی کہیں بہتر اہلیت رکھتا ہے۔ قانون کی اگرچہ آج کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں مگر یہ بہرحال حقیقت ہے کہ آج بھی کم از کم نظری طور پر ''پیشگی حملے'' اور ''احتیاطی جنگ'' وغیرہ کے دو فلسفے جنہیں امریکی قیادت علی الاعلان اپنی حکمت عملی کی بنیاد قرار دیتی ہے، بین الاقوامی قانون کی کھلی خلاف ورزی ہی شمار ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی عدالت انصاف کے فیصلوں کی رو سے کسی ملک پر ایٹمی حملہ کرنا تو کجا محض اس کی دھمکی دینا بھی ناجائز اور غیر قانونی ہے۔ مگر امریکی جیالوں کا کہنا ہے کہ وہ ایران کے خلاف ''بنکر بسٹر'' بم استعمال کریں گے۔ یہ کتنا ہلاکت خیز ہتھیار ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ امریکہ کی نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کے مطابق ''اس ہتھیار کے استعمال سے تابکاری مادوں پر مشتمل گہرے بادل اٹھیں گے۔ ان کے ذریعے یہ تابکاری مواد ہدف بنائے گئے مقام سے بہت دور دور تک پھیل جائے گا۔ یہ دائرہ دوسرے ملکوں تک وسیع ہوگا۔ اس قسم کا ہتھیار اگر بہت کم آبادی والے دور دراز علاقوں میں بھی استعمال کیا جائے تب بھی ہلاک ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے''۔..... اس کے باوجود اسرائیل نواز نو قدامت پرست امریکی حکمراں ٹولہ اگر ایران پر حملے کی غلطی کر ہی بیٹھا، جس پر بظاہر وہ تلا ہوا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایران جواباً کیا کرے گا؟ ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ خامنائی کہہ چکے ہیں کہ ایران کے خلاف جارحیت کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا اور دنیا بھر میں امریکی مفادات پر حملے کیے جائیں گے۔ ایران یہ کام کس طرح کرے گا، اس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔ امریکہ کے ایک غیر سرکاری تحقیقی ادارے انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی اسٹڈیز کے فلیپو پائی لس بینس کا کہنا ہے کہ ایران کے خلاف امریکی حملہ ایٹمی ہو یا روایتی یہ بات یقینی ہے کہ ایران کا ردعمل فوری اور ہلاکت خیز ہوگا۔ ایران کے پاس امریکی مفادات کو نشانہ بنانے کے لیے اپنے اڑوس پڑوس ہی میں انتخاب کے وسیع مواقع موجود ہیں۔ ان میں عراق میں مصروف ڈیڑھ لاکھ امریکی افواج بھی شامل ہیں اور قطر اور عمان کے امریکی اڈے بھی۔ ایران امریکہ سے فوجی صلاحیت کے معاملے میں کتنا ہی پیچھے کیوں نہ ہو، وہ روایتی ہتھیاروں

ہی سے امریکہ کو ٹھیک ٹھاک نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایران کے خلاف اقدام خود عراق کی مزاحمت کار قوتوں میں، جن میں شیعہ اور سنی دونوں شامل ہیں، سخت اشتعال کا سبب بنے گا اور امریکی افواج کے خلاف ان کی کارروائیاں کئی گنا بڑھ جائیں گی۔ خصوصاً سنی تحریکوں کے ساتھ ساتھ مقتدیٰ الصدر کی مہدی ملیشیا بھی، جس نے ڈیڑھ دو سال پہلے امریکی افواج کا جینا دوبھر کر رکھا تھا، از سر نو متحرک ہو جائے گی۔ حزب اللہ کا ردعمل بھی یقیناً شدید ہوگا۔ یوں امریکی افواج کو ایران کی براہ راست کاروائی کے علاوہ کئی مزاحمت کار قوتوں کا بیک وقت کئی سمتوں سے سامنا کرنا ہوگا اور وہ سینڈوچ بن کر رہ جائیں گی۔ اس کے علاوہ ایران کے پاس ایک نہایت اہم ہتھیار تیل کا بھی ہے۔ ایرانی بحریہ کے لیے آبنائے ہرمز بند کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا جبکہ اسی کے راستے مشرق وسطیٰ کا بیشتر تیل باقی دنیا تک پہنچتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی اسٹڈیز کے تجزیہ کار پوچھتے ہیں کہ ''اگر ایرانی نیوی امریکہ کے ایک آئل ٹینکر کو آبنائے ہرمز میں غرق کر کے آئل ٹریفک بلاک کر دے تو کیا ہوگا؟'' ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں میں پوری دنیا میں تیل کے بحران کی وجہ سے کہرام مچ جائے گا۔ زندگی کا کارواں ٹھپ ہو جائے گا اور پوری عالمی معیشت کا بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ کیا عالمی برادری امریکہ کے جنگجو حکمرانوں کے ایڈونچر کے ان نتائج کا سامنا کرنے کو تیار ہے؟ اگر امریکہ نے اپنے فضائی حملوں کا یہ حشر دیکھنے کے بعد ایران میں اپنی افواج داخل کرنے کا اقدام کیا تو ایران ایک نہایت شاندار گوریلا وار شروع کر سکتا ہے اور اطلاعات ہیں کہ ایرانی افواج ان دنوں گوریلا جنگ کی مشقیں کر رہی ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ایران نے امریکی حملے کی صورت میں پوری دنیا میں امریکی مفادات کو ہدف بنانے کے لیے چالیس ہزار رضاکار تیار کر لیے ہیں جو خودکش حملوں کے ذریعے اپنا کام کریں گے۔ عالمی ذرائع ابلاغ کی تازہ ترین رپورٹیں یہ ہیں کہ ایران کا بچہ بچہ اپنے وطن کے دفاع کے لیے جان دینے کو تیار ہے۔ اس طرح جو امریکہ ابھی ایک اسامہ بن لادن ہی کو رو رہا ہے، اسے دنیا بھر میں لاکھوں ایرانی یا ایران کے حامی خودکش حملہ آوروں کا بھی خیر مقدم کرنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ یہ سودا امریکہ کے لیے بہت مہنگا ہوگا۔

ایران بھی امریکیوں کے لئے قبرستان

12 ربیع الاول کا دن مسلمانوں کے لئے ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دن انسانیت کیلئے امن اور عدل وانصاف قائم کرنے والے عظیم انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے 23 سال کے قلیل عرصے میں ایک ایسے معاشرے میں جو قتل و غارت اور خون خرابے میں مقابلہ بازی کا قائل تھا، ایک غیر خونی انقلاب (Bloodless Revolution) برپا کیا جس میں دونوں اطراف کے یعنی مسلمانوں اور کفار کے 918 انسان قتل ہوئے۔ انسانیت کیلئے امن وسکون کا یہ نظام قائم کرنے کیلئے 83 جنگیں لڑی گئیں لیکن ہر جنگ میں خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ انسانی جانوں کا ضیاع کم سے کم ہو۔ اس عظیم انقلاب کے داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) دہشت گرد کے طور پر، دوسرے الفاظ میں اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور پر ظاہر کرنے کیلئے مغربی ممالک خاکے بھی شائع کر چکے ہیں، جس پر دنیا بھر کے 1 ارب 47 کروڑ مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔ یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ مسلمانوں کے جذبات ربیع الاول کے مہینے میں ہی ماند پڑ گئے ہیں جو ایمانی لحاظ سے دیکھا جائے تو بہت کمزور پہلو ہے۔

ایسے میں ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے 12 ربیع الاول بمطابق 11 اپریل کو دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے مزید خوشی اور تسلی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ:

''میں سرکاری طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ایران ان ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو نیوکلیئر ٹیکنالوجی رکھتے ہیں۔ یہ ایرانی قوم کے دفاعی جذبے کا نتیجہ ہے۔ ہم عالمی قوانین کے مطابق یہ پروگرام اس وقت تک جاری رکھیں گے، جب تک ہم اس کو ایک صنعتی درجے تک نہیں پہنچا دیتے''۔

یہ اعلان اقوام متحدہ کے پانچ مستقل ارکان کے اس مطالبے کے ٹھیک 11 دن بعد کیا گیا جس میں ایران سے کہا گیا تھا کہ وہ 30 دن کے اندر اندر یورینیم کی افزودگی کا عمل بند کر دے ورنہ عالمی تنہائی کیلئے تیار ہو جائے۔ اس کے جواب میں اقوام متحدہ میں ایران کے سفیر جاوید ظریف نے واضح کیا تھا کہ ایران پر اس قسم کی دھمکیاں کارگر نہیں ہوں گی اور وہ کسی دباؤ میں آنیوالے نہیں۔ ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق ایران نے 1967 میں ہی ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کیلئے ایک ادارہ جس کا Organization of Iran Atomic Energy ہے، قائم کر لیا تھا

اور1970 میں ایرانی صدر محمد رضا پہلوی کے دور میں 20 نیوکلیئر اسٹیشن خود امریکہ کے تعاون اور مدد سے قائم کیے گئے تھے۔ بعد ازاں 1979 میں ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد یہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہو گیا۔ 1983 میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے عالمی ادارے IAEA کی ایک ٹیم ایران میں نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی موجود سہولیات کا جائزہ لینے کیلئے آئی، جس کے بعد یورینیم افزودہ کرنے کیلئے تعاون اور مدد فراہم کرنے کے منصوبوں کے حوالے سے معاہدے کئے گئے جس میں نیوکلیئر پاور ری ایکٹر ٹیکنالوجی اور دیگر ایٹمی فیولز کے حصول کے معاہدے شامل تھے، لیکن اس وقت بھی امریکی دباؤ کی وجہ سے ان معاہدوں پر کام نہ ہو سکا۔ 1984 میں ایران نے ریڈیو پر اعلان کیا اور یورینیم کی افزودگی کیلئے دیگر ممالک سے تعاون طلب کیا، جس کے بعد 2002 تک چین اور روس کے ساتھ مختلف معاہدوں کے ذریعے ایران نے مختلف وقفوں کے ساتھ یورینیم کی افزودگی کیلئے کوششیں جاری رکھیں ۔ اکتوبر 2003 میں انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (IAEA) نے انسپکٹرز کی ایک ٹیم کے ذریعے ایران کے ایٹمی ری ایکٹر منصوبوں کا جائزہ لیا اور 11 نومبر 2003 کو اپنی رپورٹ میں واضح کیا کہ:

''ایران میں ایٹم بم بنانے کی کوششوں کے کوئی شواہد نہیں ملے''۔

لیکن ہمیشہ کی طرح امریکہ بہادر نے الزام لگاتے ہوئے فرمایا "Impossible to believe"

''2004 میں ہی ایران کے وزیر خارجہ کمال خیرازی نے واضح کر دیا تھا کہ ایران اپنے نیوکلیئر پروگرام پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرے گا۔ اور یہ ایک ناقابل واپسی راستہ ہے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے مطابق 27 جولائی 2004 میں ہی ایران نے IAEA کی طرف سے یورینیم پلانٹس پر لگائی جانیوالی سیلیں اتار دیں اور دوبارہ یورینیم کی افزودگی پر کام شروع کر دیا۔

2004 سے 2006 تک مسلسل امریکہ اور اس کے اتحادی ایران پر زور دیتے رہے کہ وہ یورینیم کی افزودگی ترک کر دے، لیکن ایران بھی اپنے جائز مؤقف پر ڈٹا رہا کہ ایران پرامن مقاصد کیلئے یورینیم کی افزودگی جاری رکھے گا، ایران کے مقاصد جنگی نہیں ہیں بلکہ یہ ایران کا دفاعی حق ہے جو بین الاقوامی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

ایران کی ان تمام تر یقین دہانیوں کے باوجود امریکہ مسلسل دھمکیوں کے ذریعے ایران کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق 8 مارچ 2006 کو امریکہ نے اقوام متحدہ پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ایران نے اپنا جوہری پروگرام نہ روکا تو اسے اس کے سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔ ایران نے اس کے جواب میں کہا کہ ''امریکہ نقصان پہنچانے کا اہل ہے۔ اگر امریکہ یہی راستہ چننے کی خواہش رکھتا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔'' جوہری ٹیکنالوجی کے حصول کے بعد امریکہ بہادر کا کہنا ہے ''ایران غلط سمت جا رہا ہے۔'' اس کے باوجود ایرانی صدر نے سائنسدانوں پر زور دیا ہے کہ وہ صنعتی پیمانے پر یورینیم کی افزودگی تک اپنا کام جاری رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مغربی ممالک پر زور دیا کہ وہ ایران کے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے حق کو تسلیم کریں۔

اس تمام تر اہم اور پیچیدہ صورتحال کے تناظر میں اہل فکر و نظر بحث کر رہے ہیں کہ کیا امریکہ ایران پر حملہ کرے گا یا نہیں اور کیا یہ حملہ ایٹمی بھی ہو سکتا ہے اور ایران اس حملے کا جواب دینے کی کتنی صلاحیت رکھتا ہے اور کیا مسلم ممالک ایران کے ساتھ کسی قسم کا عملی تعاون کریں گے یا افغانستان

اور عراق کی طرح اس دفعہ بھی خاموش تماشائی بنے رہیں گے؟ ان تمام تر خدشات پر بحث بھی ضروری ہے لیکن زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان محرکات، عوامل اور اسباب کا جائزہ لیا جائے جس کے پیش نظر امریکہ کو ایٹمی حملہ کرنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں ہو رہا۔

امریکہ کا کہنا ہے کہ ایران کے جوہری پروگرام سے علاقے میں امن کی صورتحال کو خطرات پیش آسکتے ہیں۔ اسی طرح کے مفروضوں کو بنیاد بنا کر امریکہ اس سے قبل افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ عراق میں امریکہ کو صدام حسین کا فوجی ذہن بالکل پسند نہیں آیا کیونکہ اس نے عراق پر (جنگ کے بغیر) امریکی تسلط کے خواب کی تعبیر میں اس کا ساتھ نہیں دیا جبکہ اس کے برعکس پاکستان میں باوردی صدر امریکہ کے نزدیک جمہوریت کی علامت ہے۔ اسی طرح افغانستان میں پاکستان کی قائم کردہ طالبان حکومت کو مضبوط ہونے سے پہلے ہی ختم کرنا اس لئے ضروری تھا کہ طالبان نے تو آکر امریکہ کی سپر میسی ہی سے انکار کر دیا تھا۔ یہ تمام تر باتیں کسی بھی صورت میں ایک سپر پاور کیلئے کیونکر قابل قبول ہو سکتی تھیں؟ تیسرے نمبر پر اسلامی جمہوریہ ایران ہے اور اگر یہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خطے (بلکہ پوری دنیا) میں دو اسلامی طاقتیں ایسی ہو جائیں گی جو ایٹمی اسلحے سے لیس ہوں گی اور یہ کسی طرح بھی امریکی مفاد میں نہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق امریکی صدر بش نے اسٹیٹ آف یونین میں خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہہ بھی دیا ہے کہ ان کی پریشانی کی اصل وجہ ایران کا ایٹمی پروگرام نہیں بلکہ وہاں کی مذہبی قیادت ہے۔ عراق کے بعد، القاعدہ اور طالبان حکومت کے خلاف مسلسل امریکی جارحیت، جہاد کا نام لینے والوں کی سرکوبی، حتیٰ کہ ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا نصب العین رکھنے والوں کو بھی جہادیوں کے ہی خلاف لڑانے پر اب تک امریکہ بظاہر کامیاب نظر آرہا ہے لیکن ایران کی فوجی جنگی صلاحیت اور سابقہ امریکی حملوں کے تناظر میں اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو حقیقی صورتحال اس کے بالکل برعکس اور مسلمانوں کیلئے خوش آئند ہے۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق جس میں انہوں نے نیویارک میگزین کا ایک آرٹیکل نقل کیا ہے جو سابق امریکی فوجی شیمور ہرش نے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایران پر حملے سے متعلق دو سوال ہیں۔ ایک یہ کیا ایران پر امریکی حملہ ممکن ہے اور دوسرا یہ کہ اس حملے کی نوعیت کیا ہوگی۔ اس کے جواب میں وہ لکھتا ہے کہ کسی نہ کسی مرحلے میں حملے کا امکان تو ضرور ہے مگر فی الحال زور اس بات پر ہے کہ سفارتکاری کے ذریعے ایران کے جوہری پروگرام کو روکا جائے (اگر حملہ ہوا تو جوہری ہتھیاروں کا استعمال بھی ہو سکتا ہے) جوہری حملے سے بیشمار مسائل پیدا ہونگے (جو کسی بھی طرح انسانیت کے حق میں نہیں)۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ 'بنکر بسٹر' کے استعمال سے ریڈیائی لہریں پیدا ہوں گی جو ہزاروں شہریوں کی موت کا سبب بن سکتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے سیاسی طور پر منفی اثرات سامنے آئیں گے یعنی امریکہ کا ایسے مسلم ملک پر جوہری حملہ کرنا جو بذات خود ایسے ہتھیاروں سے لیس نہیں بلکہ صرف اس کا ارادہ رکھتا ہے۔ تیسرے اس سے امریکہ کے اپنے اندر سیاسی اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ اصولی طور امریکہ نئے بنکر بسٹر بنانے سے اجتناب کر رہا ہے۔ اس معاملے میں حملے کے قانونی جواز کا بھی سوال ہے۔ آگے چل کر ہرش یہ بھی کہتا ہے کہ اگرچہ امریکہ میں ایک اور بم 'بک بلو' کی تیاری پر بھی کام ہو رہا ہے۔ جس کے اثرات جوہری ہتھیار سے کسی طور بھی کم نہیں ہوں گے، ہرش کا یہ بھی کہنا تھا کہ وائٹ ہاؤس کے رویے سے بھی یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایران کو محض ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ اپنا جوہری پروگرام روک دے۔ ہرش کے الفاظ میں واشنگٹن ایرانی صدر احمدی نژاد کو

''ریڈولف ہٹلر'' سمجھتا ہے، جبکہ اس تمام تر کے برعکس وائٹ ہاؤس نے جوہری حملے کی اطلاعات کی پیشن گوئی کو ناقص قرار دیتے ہوئے اس کی تردید کی ہے۔ وائٹ ہاؤس کے قونصلر ڈین ہارٹلٹ کا کہنا تھا کہ جو لوگ معمول کی طرح دفاعی اور انٹیلی جنس منصوبہ بندی کی بنیاد پر اس قسم کے حتمی اندازے لگا رہے ہیں ان کی معلومات بالکل ناقص ہیں۔

امریکی سنٹرل کمانڈ کے سابق سربراہ ریٹائرڈ جنرل انتھونی زنی نے کہا ہے کہ ایران پر حملے کا منصوبہ خطرناک ہے، ایران سے متعلق کسی بھی فوجی منصوبے پر عمل آسان نہیں ہے۔ ہمیں یہ نہیں تصور کر لینا چاہئے کہ یہ بس ایک حملہ ہوگا اور پھر سب ختم، ایرانی یقیناً جواب دیں گے اور ایران کے قرب وجوار میں کئی ممکنہ اہداف موجود ہیں۔

عراق پر امریکی حملے میں ایک تحقیقی ادارے کی رپورٹ کے مطابق گذشتہ 22 اپریل 2006 تک 1 لاکھ سے زائد عراقی عوام ہلاک ہو چکے ہیں جبکہ CNN کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکی فوجیوں کے ہلاک ہونے کی تعداد 23 ہزار 81 ہے، اور امریکی فوجیوں کے زخمی ہونے والوں کی تعداد 17 ہزار 648 جبکہ 8 ہزار 15 فوجی لاپتہ ہیں امریکی فوجیوں کے علاوہ برطانیہ کے 104، اٹلی کے 27، یوکرائن کے 18، پولش کے 17 بالجیریا کے 13، سپین کے 11 اور دیگر 20 بھی ہلاک ہو چکے ہیں، جبکہ غیر عراقی صحافی، ڈاکٹر، انجینئرز ہلاک شدگان کی تعداد بھی 311 کے قریب ہے۔ یہ سلسلہ روزانہ جاری ہے اس کے برعکس امریکہ نے جو اعداد وشمار جاری کئے ہیں وہ سپر پاور کے خوف کو پوری دنیا پر واضح کرنے کیلئے کافی ہیں۔ امریکی اعداد وشمار کا گراف پچھلے تین برسوں میں امریکی 2,343 اور برطانیہ 103 اور دیگر یورپین ممالک کے مجموعی ہلاک شدگان کی تعداد 105 ظاہر کر رہا ہے۔

CNN ایک غیر جانبدار عالمی خبر رساں ادارہ ہے، اس کی رپورٹ اور امریکہ کے اپنے سرکاری اعداد وشمار کا اگر موازنہ کیا جائے تو صرف امریکی فوجیوں کی تعداد میں ایک بہت بڑے فرق کے علاوہ دیگر ممالک اور برطانیہ کے ہلاک شدگان کی تعداد بالکل ملتی جلتی ہے اور حقیقت میں امریکہ اپنے فوجیوں کی ہلاکتوں پر پردہ ڈال کر دنیا کے سامنے اپنی طاقتور فوج کا بھانڈا نہیں پھوڑنا چاہتا۔

امریکہ کے چھوٹے شہروں کے ایئرپورٹس پر لاتعداد ڈیڈ باڈیز (مرے ہوئے فوجیوں کی لاشیں) مسلسل آ رہی ہیں اور ان میں سے اکثر امریکہ کی دور دراز ریاستوں، چھوٹے دیہاتوں کے فوجی ہیں۔ واشنگٹن اور بڑے شہروں یا قریب کی ریاستوں کے فوجی نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کی وجہ سے اتنا شور بھی نہیں مچتا پھر ان فوجیوں کے مرجانے پر ان کے گھر والوں کو چپ رکھنے کیلئے اچھا خاصا معاوضہ دیا جا رہا ہے۔ دوسری بات انہوں نے یہ بتائی کہ امریکی معیشت دن بدن تباہی کی طرف جا رہی ہے، جس کی تصدیق گذشتہ دنوں ضرب مومن کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ عراق کی جنگ میں امریکی اعداد وشمار کے مطابق اس وقت تک تقریباً 2 ٹریلین ڈالر خرچ کیا جا چکا ہے۔ یہ رقم دنیا کے 109 ممالک کے مجموعی بجٹ کے برابر ہے۔

امریکہ کی معاشی تباہی کا اندازہ بی بی سی کی اس رپورٹ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عراق کی جنگ کے سبب امریکہ میں کھانے پینے کی اشیاء میں چار گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ جبکہ امریکہ میں 1 لاکھ 10 ہزار کمپنیاں بند ہو چکی ہیں، جس سے امریکہ کے 65 لاکھ لوگ بے

روزگار ہو چکے ہیں۔ واضح رہے کہ اس وقت امریکہ دنیا کا واحد ملک ہے جس کا دفاعی بجٹ دنیا کے آٹھ بڑے ممالک کے مجموعی دفاعی بجٹ سے بھی زیادہ ہے۔ 2004 میں امریکہ کا دفاعی بجٹ 437.111 بلین ڈالر سالانہ تھا، جبکہ 2006 میں 419.3 بلین ڈالر (متفرقات میں سے استعمال ہونے والے کروڑوں ڈالرز اس کے علاوہ ہیں) اس کے برعکس دنیا کے بڑے ممالک چین، روس، برطانیہ، جاپان، فرانس ، جرمنی، اٹلی، سعودی عرب، انڈیا اور دیگر تمام ممالک میں کسی کا بھی دفاعی بجٹ 51 بلین ڈالر سے زیادہ نہیں۔ ایک عالمی ادارے SIPRI کی رپورٹ کے مطابق امریکہ پوری دنیا کی دفاعی ضروریات کا 47% اپنی ملٹری پر خرچ کرتا ہے۔ تیسری بات جو انہوں نے اس وقت مجھے بتائی کہ امریکہ کا خاندانی نظام بھی بالکل تباہ ہو چکا ہے۔

معاشی، معاشرتی اور جنگی لحاظ سے بری طرح شکست خوردہ ملک اب محض ذرائع ابلاغ کے محاذ پر میڈیا پروپیگنڈہ کے ذریعے اور محض دھمکیوں سے وہ مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے جو شائد ایران کی حد تک وہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اگر ایک مفروضے کے طور پر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے جس طرح بعض تجزیہ نگار جن پر عمومی طور پر امریکی رعب غالب ہے یہی کہہ رہے ہیں کہ امریکہ حملہ کر سکتا ہے اور یہ حملہ فضائی ہوگا کیونکہ جوہری حملہ کیلئے فی الوقت امریکہ کے پاس کوئی بھی سیاسی یا فوجی جواز نہیں۔ فضائی حملے میں امریکہ کو جو نا قابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے اس کے تصور سے بھی امریکی سمجھدار دانشور بش بہادر کو آگاہ کر چکے ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہونا چاہئے کہ اگر اس جنگ میں اسلامی ممالک نے ساتھ نہ بھی دیا تو پوری دنیا کی اسلامی تحریکیں اور بالخصوص افغانستان اور پاکستان میں جہادی ذہن رکھنے والی تحریکوں کو نہیں روکا جا سکے گا۔ اور بعید نہیں کہ بعض اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بھی غیرت آ جائے۔

صدر بش اس وقت بدمست ہاتھی کی طرح تمام اسلامی دنیا پر امریکی پرچم لہرانے کے لئے تمام آپشن کے استعمال پر امریکی سیاسی حریفوں اور حلیفوں کو قائل کرنے کے ساتھ پوری دنیا کی بڑی طاقتوں کو اپنے ساتھ ملانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ امریکہ کے اتحادی اس دفعہ امریکہ کا کتنا ساتھ دیں گے یہ تو زیادہ امریکہ کے سوچنے کا کام ہے۔ لیکن ایک بات جو آج تک ایرانی قیادت اور پوری ایرانی قوم نے اسلامی اور مغربی دنیا پر واضح کی ہے یقیناً قابل مبارکباد ہے کہ امریکہ چاہے جتنے بھی اتحادیوں کو لیکر آ جائے ایرانی قوم تنہا بھی ہاتھی والوں کا مقابلہ کرے گی اور یہ بات ہاتھی والوں پر بھی واضح ہے کہ ابابیلوں کے پتھروں میں کتنی طاقت ہے اگر انہیں فلسطین، عراق اور افغانستان میں یہ بات سمجھ نہیں آئی تو ایران میں یقیناً واضح ہوگی۔ امریکہ ابھی تک ایران میں اپنا کوئی ایک حمائتی بھی پیدا نہیں کر سکا۔ حتیٰ کہ امریکی خفیہ اداروں کی نقل و حرکت بھی ایران میں مشکل ہو گئی ہے۔ ایسے میں امریکہ کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ افغانستان اور عراق سے اپنی باقی ماندہ زندہ لاشیں اٹھا کے لے جائے کہیں اسے اپنا مردہ جسم بھی یہاں ہی چھوڑ کر نہ جانا پڑے۔

حملے کے تناظر میں چند اہم تجاویز

امریکہ ایران پر زمینی حملہ اور ایئر فورس کے ذریعے محدود حملے سمیت ایٹمی حملہ کرنے کے مختلف آپشنز پر غور کر رہا ہے۔ یہ بات گزشتہ دنوں صدر بش نے چینی صدر سے ملاقات سے ایک روز قبل کہی کہ ''ہمارے لئے تمام آپشنز کھلے ہیں''۔ ویسے بھی ہیروشیا اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے والی امریکی قیادت سے یہ خطرہ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایران کے خلاف بھی کسی وقت ایسی ہی بے رحمانہ ظالمانہ کاروائی نہ کر دے جیسا کہ اس سے پہلے جاپان کے خلاف کر چکی ہے۔

امریکہ ایران پر حملہ کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اس سوال کا جائزہ لیا جائے تو کچھ اس طرح کا جواب سامنے آتا ہے.....ایران کی مذہبی قیادت کا خاتمہ اور بقیہ اسلامی ممالک کو انتباہ کہ اگر کسی دوسرے ملک میں بھی اسلامی قیادت برسر اقتدار آئی تو اسے برداشت نہیں کیا جائے گا، ایران پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد افغانستان اور عراق پر مزید گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنا، ایران کے ایٹمی پروگرام کو تباہ کرنے کے بعد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا گھیراؤ کرنا جو بعد ازاں واحد اسلامی ملک کے پاس ایٹمی پروگرام ہوگا۔ ایران پر حملہ کر کے اسرائیل کو محفوظ کرنا، مشرق وسطیٰ میں موجود تیل پر کم از کم آئندہ 10 سال تک مکمل کنٹرول حاصل کرنا، مشرق وسطیٰ کی سیاست اور قیادت کو نیو ورلڈ آرڈر (جو درحقیقت امریکی بالادستی کا نظریہ ہے) کے تابع کرنا، روس اور چین سمیت تمام ممالک کو یہ پیغام بھی دینا کہ وہ امریکی عزائم کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کریں علاوہ ازیں پاکستان کو توڑ کر اس خطے کا ایک نیا نقشہ ترتیب دینا جس میں بلوچستان کو افغانستان میں شامل کر کے افغانستان کی سرحدوں کو گوادر کے سمندر تک لانا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے مغربی اتحادی اس ترقی یافتہ دور میں جبکہ جمہوریت، آزادی اور تمام اقوام کی سلامتی سمیت ہر ملک کی جغرافیائی حدود اور سرحدوں کو تسلیم کیا جا چکا ہے۔ فوجی طاقت کے ذریعے ان کی آزادی کو چھیننے اور وسائل کو لوٹنے کے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اس صورت حال نے ''عالمی امن'' کو انتہائی سنگین خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ عالمی قوانین، عالمی برادری اور یو این او جن کا فیصلہ کردار ہونا چاہئے انہیں امریکہ نے مفلوج اور بے بس کر دیا ہے جس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ امریکہ تو جارحانہ عزائم روکنے والی مغربی طاقتوں کو اپنے اتحاد میں لے آیا ہے لیکن چھوٹے اور کمزور ممالک آپس میں متحد نہیں ہو پا رہے حالانکہ کسی بھی جارح قوت کو وسیع تر اتحاد کے ذریعے ہی شکست دی جا سکتی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دنیا کو محفوظ بنانے کیلئے امریکہ کے جارحانہ عزائم کے سامنے تمام چھوٹے بڑے ممالک آپس کے نظریاتی اختلافات اور علاقائی

تنازعات کو پس پشت ڈالتے ہوئے متحد ہو جائیں کہ انصاف، مساوات اور برداشت کے ذریعے دنیا میں موجود کشیدگی کو خوشگوار ماحول میں تبدیل کیا جائے گا۔ تمام ممالک کی آزادی، سلامتی مفادات اور عالمی تعلقات میں ترجیحات پر اس کا حق اور اختیار برابری کی بنیاد پر یقینی بنایا جائے گا تا کہ کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک کو بلیک میل نہ کر سکے۔ بہر حال مذکورہ خطرات جو ایران پر ممکنہ امریکی حملے کی صورت انتہائی خوفناک صورتحال اختیار کر سکتے ہیں ان کے بروقت خاتمے کے لئے چند تجاویز درج ذیل ہیں۔

(1) روس، چین، بھارت اور پاکستان جو اس خطے میں چار ایٹمی طاقتیں ہیں ان کا ایک فوری مشترکہ اجلاس ہونا چاہئے جس میں ایران پر ممکنہ امریکی حملے کو روکنے کے لئے اہم فیصلے کئے جائیں ہمیں یقین ہے کہ 4 ایٹمی طاقت کے حامل ممالک کا ردعمل امریکہ کے لئے پریشانی اور خوف کا سبب بن سکتا ہے۔ مذکورہ اجلاس کے انعقاد کیلئے تہران اور ماسکو کو جلد از جلد خفیہ سفارتکاری شروع کر دینی چاہئے بہتر ہوگا کہ اس مجوزہ اجلاس کی میزبانی بھارت یا روس کریں۔ (2) او آئی سی کا فوری اجلاس طلب کیا جائے جس میں محض ایران کے موقف کی حمایت ہی کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بات کہی جائے کہ ایران پر حملہ تمام مسلم ممالک پر حملہ تصور کیا جائے گا علاوہ ازیں او آئی سی حالات کی نزاکت، صورتحال کی سنگینی اور امریکہ کی کمزوریوں کو نظر میں رکھتے ہوئے افغانستان اور عراق میں موجود تمام اتحادی افواج کے فوری انخلاء کا مطالبہ کر دے۔ یہ مطالبہ امریکہ کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں ہوگا جبکہ او آئی سی یہ پیشکش بھی کر دے کہ اگر غیر ملکی افواج کا انخلاء مختصر ٹائم فریم میں کیا جاتا ہے تو افغانستان اور عراق میں امن، تعمیر نو اور شفاف انتخابات کے انعقاد کے لئے او آئی سی ایو این او کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہے خاص طور پر اتحادی افواج کے انخلاء کی صورت میں اسلامی ممالک کے فوجی دستے تعینات کئے جا سکتے ہیں۔ (3) تہران کو چاہئے کہ وہ عالمی برادری کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں موجود انسانی حقوق کی تنظیموں، سابق حکمرانوں، سیاستدانوں، ریٹائرڈ جرنیلوں اور سفارتکاروں، دانشوروں اور معروف صحافیوں سمیت مختلف مذاہب کے علماء اور دیگر مذہبی شخصیات کو ایران مدعو کرے جہاں ایرانی قیادت اس ''عالمی قیادت'' کے سامنے اپنا مقدمہ رکھے بعد ازاں کوشش کی جائے کہ مذکورہ ''عالمی کانفرنس'' ایک مشترکہ اعلامیہ کے ذریعے نہ صرف امکانی بیرونی حملے کی مذمت کرے بلکہ عالمی امن کی حفاظت کیلئے ٹھوس تجاویز اور قابل عمل لائحہ عمل بھی سامنے لائے۔ (4) کویت پر عراق کے قبضہ کے دوران عالمی اسلامی تحریکوں کے رہنماؤں کے ایک وفد نے بغداد جا کر صدام حسین سے ملاقات کی تھی اور انہیں کویت خالی کرنے کا مشورہ دیا تھا تا کہ خطہ کو جنگ سے بچایا جا سکے اسی طرح اس وقت بھی اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عالمی اسلامی تحریکوں کا ایک نمائندہ وفد تہران کا دورہ کرے جہاں وہ ایرانی قیادت اور عوام کے ساتھ نہ صرف بھرپور یکجہتی کا اظہار کرے بلکہ تہران میں ایک ''عالمی اسلامی کانفرنس'' کے فوری انعقاد کیلئے بھی صلاح مشورے کرے۔ علاوہ ازیں ایرانی قیادت کے مشورے کے ساتھ عالمی سطح پر ایک پُر امن احتجاج کی بھی منصوبہ بندی کی جائے مجوزہ احتجاج خاص طور پر مغربی ممالک کے اندر بھرپور ہونا چاہئے۔ (5) آخری تجویز یہ کہ جب تک ایران پر امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کے حملے کا خطرہ موجود ہے اس وقت تک مسلمان ملک دہشت گردی کی جنگ میں تعاون روک دیں کیونکہ ایران پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ممکنہ حملے کے خطرے سے خود ان ملکوں کی سلامتی کو بھی خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ امید ہے مذکورہ تجاویز پر تہران، ریاض، ماسکو، بیجنگ، نیو دہلی اور اسلام آباد

میں سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے گا کیونکہ وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے اور بعد از وقت فیصلے کسی تباہی کا ازالہ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ زمین پر فساد برپا کرنے والوں کو ناکام و نامراد کرے.... آمین ثم آمین!

ایران پر حملہ زیادہ دور نہیں

دسمبر 2006ء کے درمیانی عرصے کے دوران کسی وقت بھی جنگ کا آغاز متوقع ہے۔ روس نے ایران کے ساتھ 70 کروڑ ڈالرز کے عوض ''ایئر ڈیفنس میزائل سسٹم'' فروخت کرنے کا جو سودا کیا ہے، اس کے باعث جنگ قریب تر آ گئی ہے۔

یہ جنگ ایران اور اسرائیل کے درمیان ہوگی، لیکن اختتام سے قبل جنگ کے شعلے پورے مشرق وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور امریکہ بھی اس میں شامل ہو جائے گا۔ اس جنگ کا سب سے بڑا اور اہم ترین ورثہ کئی نسلوں پر محیط عدم استحکام ہوگا اور امریکی برتری کی صدی اختتام پذیر ہو جائے گی۔ بش انتظامیہ روس کی طرف سے ایران کو میزائلوں کی فروخت کے مضمرات اور اس سودے کے اندر چھپے خطرات کا ادراک نہیں کر پا رہی، لیکن جو لوگ خطرے کی علامات کا مشاہدہ کرنا جانتے ہیں، ان کی نظروں سے کچھ بھی اوجھل نہیں۔

ایران کے جوہری پروگرام پر عالمی دباؤ جوں جوں بڑھ رہا ہے، امریکہ اور اسرائیل کے خلاف ایرانیوں کی سوچ مزید جنگجویانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے کہا: ''اسرائیل ایک جعلی مملکت ہے، جو منطقی طور پر مزید نہیں چل سکتی''۔ ایران کے بااختیار اور اہم ترین رہنما آیت اللہ علی خامنائی نے کہا: ''اگر امریکہ نے ایران کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا تو ایران ردعمل کے طور پر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے امریکی مفادات کو شدید زک پہنچائے گا۔ اسرائیل نے بھی لفاظی کے ذریعے ماحول کو خاصا گرم کر دیا ہے۔ وزیراعظم ایہود المرات نے اسرائیل کے اس دعوے پر زور دیا کہ ''کسی میں اتنی جرات و ہمت یا صلاحیت نہیں کہ ہمیں تباہی سے دوچار کر سکے''۔

یہ صورت حال مشاہدہ کرنے والوں کو خلجان میں مبتلا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جون 1981ء میں اسرائیل نے بغداد کے نزدیک عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر کامیاب یکطرفہ فضائی حملہ کیا تھا، لیکن ایران کی ایٹمی تنصیبات مختلف شہروں میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی اور خفیہ ہیں، جن پر اسرائیل کی طرف سے کیا جانے والا پیشگی حملہ نسبتاً مشکل ہوگا، تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیل ایسی ایک کوشش کر لینے کا شدید خواہاں ہے۔ بلاشبہ اس بارے میں ٹھوس شواہد دستیاب نہیں ہیں کہ ایران جارحانہ نوعیت کی ایٹمی صلاحیت کا حامل ہے اور اس کے خلاف فضائی حملہ پرازخطرات ہوگا تاہم اسرائیل کی طرف سے کیا جانے والا حملہ علاقائی استحکام کے لئے حد درجہ نقصان دہ ثابت ہوگا، لہٰذا اسرائیل کے پاس ٹھوس وجوہ موجود ہیں کہ وہ ایران پر حملہ کرنے کی بجائے سفارتی کاوشوں کے مثبت نتائج کا انتظار کرے۔

روس جس خطرناک راستے پر چل پڑا ہے، ممکن ہے اس کا طرز عمل اسرائیل کے صبر کے بندھن توڑ دے اور پُر امن سفارتی حل کا انتظار اس کے لئے ممکن نہ رہ جائے۔ روسی رہنما جمہوریت اور عالمی تعاون کے بارے میں گھسے پٹے بیانات جاری کرتے رہتے ہیں، لیکن دراصل روس ایک ''پیچیدہ ڈبل گیم'' کھیل رہا ہے۔ روس نے اسرائیل کے لئے ایک جاسوس سیارہ فضا میں بھیجا، جسے آخر الذکر ایران کی ایٹمی تنصیبات کی مانیٹرنگ کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی دن روسی رہنماؤں نے اپنے ارادے کی توثیق کر دی کہ اگر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایران کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی تو روس اس کی مخالفت کرے گا اور ساتھ ہی ایران کے ہاتھ ایم آئی ایئر ڈیفنس میزائل سسٹم کی فروخت کے معاہدے کو حتمی شکل دے دی۔ روس کی قومی سلامتی کونسل کے نائب سربراہ نکولائی سپاسکی نے بڑے واضح اور غیر مبہم لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ ''حالات جو بھی ہوں'' ہم نے ایران کے ساتھ عسکری تعاون کے جو وعدے کر رکھے ہیں۔ انہیں ہر صورت ایفاء کیا جائے گا''۔

اگر روس کا فروخت کردہ ایئر ڈیفنس سسٹم ایران اپنی جوہری تنصیبات کے گرد نصب کر لے تو مشرق وسطیٰ کے عسکری اعداد و شمار میں ایک ڈرامائی تبدیلی کا مشاہدہ کیا جا سکے گا اور علاقائی جنگ کے خطرات قابل ذکر حد تک بڑھ جائیں گے۔ روسی ایئر ڈیفنس سسٹم کی تنصیب کے بعد ایران کے فضائی دفاع کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جائے اور اسرائیل اس وقت ایران کی ایٹمی تنصیبات کو یکطرفہ طور پر تباہ کر دینے کی جو صلاحیت رکھتا ہے، وہ فضا میں تحلیل ہو جائے گی۔ اسرائیل کے کانوں کو گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ ستمبر میں روس کا فراہم کردہ ایئر ڈیفنس سسٹم ایران کی ایٹمی تنصیبات کے گرد نصب کر دیا جائے گا۔ اسرائیل کی طرف سے کوئی بھی فضائی حملہ ستمبر سے قبل تو کامیاب ہو سکتا ہے، اس کے بعد کامیابی کی امید دم توڑ جائے گی۔

اگر اسرائیل اور ایران کے درمیان کھلا تصادم ہوتا ہے تو نتیجتاً ایران میں بے شمار سولین بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اس صورت میں اسلامی دنیا میں پہلے سے موجود اسرائیل مخالفت جذبات میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا، اس کے بعد اسرائیل اور امریکہ کے خلاف دہشت گردی بڑھ جائے گی کیونکہ اخر الذکر اسرائیل کا سب سے بڑا غیر ملک سرپرست ہے۔ اگر امریکہ اسرائیل اور ایران کے باہمی تصادم میں براہ راست شریک ہو گیا تو مشرق وسطیٰ میں اس کے خلاف آگ بھڑک اٹھے گی۔ دہشت گرد حملوں میں اضافہ ہو گا اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے امریکی اثر و رسوخ میں کمی واقع ہو جائے گی..... بلکہ شاید یہ رسوخ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

.....تو پھر آخر روس کیا چاہتا ہے۔ ایک روسی سیاسی تجزیہ نگار آندے پائنٹ کوفسکی کا کہنا ہے کہ اگر مشرق وسطیٰ میں جنگ چھڑتی ہے تو روس میں تیل اور گیس کے بڑے صنعتکار فکر مند نہیں ہوں گے۔ بالخصوص اگر امریکہ اس جنگ کے جال میں پھنس جائے اور تیل کے نرخ بلند رہیں تو انہیں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ لیکن ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی کہ مشرق وسطیٰ میں ایک نئی جنگ کی راہ نہ روکی جا سکے۔ اگر امریکہ ایک خاموش لیکن ٹھوس دھمکی دے دے کہ وہ جولائی میں پیٹرز برگ میں ہونے والی جی ایٹ ممالک کی سربراہ کانفرنس کا بائیکاٹ کر دے گا تو ممکن ہے کہ روس کے صدر متاثر ہو جائیں اور ایران کو ایئر ڈیفنس سسٹم منتقل نہ کریں۔ مزید برآں روس کے ساتھ وعدہ کر لیا جائے کہ اسے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن'' (WTO) میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی نیز تیل اور گیس کے روسی صنعتکاروں کو ڈبلیو ٹی او کے بورڈ میں بھی شامل کر لیا جائے گا تو ممکن ہے بات

بن جائے۔ اگر روس کے صدر ولادی میر پیوٹن ایران کے ساتھ میزائلوں کی فروخت کا معاہدہ منسوخ کر دیں تو سفارتکاری کے لئے مزید وقت مل جائے گا۔ اس طرح شاید مسئلہ ایران کا کوئی مذاکراتی حل سامنے آجائے۔

بدقسمتی سے بش انتظامیہ گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔ عراق نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرا رکھی ہے۔ تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر بھی امریکہ سخت پریشان ہے۔ ادھر ملک کے اندر صدر بش کی مقبولیت میں روزمرہ بنیادوں پر کمی کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ وجوہات کی بناء پر وہ روس کی اس تباہ کن فتنہ انگیزی پر توجہ نہیں دے رہا، جبکہ گھڑی کی ٹک ٹک مسلسل سنائی دے رہی ہے۔ (بشکریہ: ''ڈیلی ٹائمز''..... ترجمہ شفیق الرحمٰن میاں)

ایٹم بم کی ہولناک تباہی

امریکہ برادر اسلامی ملک ایران پر ایٹمی حملے کی تیاری کر رہا ہے مسلمان ہونے کے ناطے کیا یہ ہم برداشت کریں گے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو ایٹم کی ہولناک تباہی کی نذر ہونے دیں گے یہ سوال میں ایک ارب چالیس کروڑ مسلمانوں سے پوچھتا ہوں۔ جو امریکی جارحیت (متوقع) کے خلاف چُپ سادھے بیٹھے ہیں۔ مصیبت کی اس گھڑی میں ایرانی مسلمان بھائیوں کو تنہا چھوڑ دینا کہاں کا انصاف ہے۔ آیئے ایٹم بم کی تباہ کاریوں پر ایک نظر ڈال کر اپنے گریبان میں جھانکیں۔

ایٹمی ہتھیار کس حد تک تباہی پھیلا سکتے ہیں؟ یہ معاملہ تمام دنیا کی حکومتوں کے خفیہ رکھے جانے والے معاملات میں سے ایک ہے۔ مختلف سائز کے بموں کی تباہ کاری؟ یہ راز ہے لیکن یہ راز اب ایک کھلے راز کی شکل میں ہے۔

ایک مرتبہ بالٹی مور یونیورسٹی میں امریکہ کے ایک جونیئر وزیر دفاع کو ایک کلاس میں لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر سوال و جواب کے سیشن میں انہیں مختلف سائز کے بموں کی تباہ کاریوں کے بارے میں اظہار خیال کرنے کو کہا گیا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ایسی معلومات جن سے کسی ہتھیار کی تباہ کاری کی صلاحیت کو ماپا یا جانچا جا سکے اسے راز کہا جاتا ہے۔ جب ایک طالب علم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ایسی معلومات تو بغیر کسی مشکل کے مارکیٹ میں دستیاب اور کتابوں میں موجود ہیں۔ وزیر دفاع نے سادگی سے وہی جواب دہرایا کہ ''یہ راز ہے'' وہ ایسے سامعین سے مخاطب تھے جو پہلے سے ہی اس موضوع پر معلومات رکھتے تھے۔ اس صورتحال میں ایک طالب علم بے ساختہ بول اٹھا ''شہریوں کے لیے یہ راز کی بات ہو سکتی ہے مگر کسی دشمن کے لیے نہیں۔

بہت عرصہ برطانیہ میں حکومت نے بی بی سی کو ایک فلم War Games دکھانے سے روک دیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ لوگ حقیقی انداز میں ایک چھوٹے سے بم کی ہولناک تباہ کاریاں دیکھیں گے تو ان کے ذہنوں پر بہت برا اثر پڑے گا۔ سچ یقیناً یہی تھا کہ جب لوگ ایٹم بم کی خوفناک تباہیاں دیکھیں گے تو وہ حکومت کی ایٹمی تیاریوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اگر ہم سنجیدگی سے ایٹمی ہتھیاروں سے پھیلنے والی تباہی کا جائزہ لیں تو ہم کبھی بھی اسے امن قائم کرنے کا ذریعہ یا راستہ نہیں کہہ سکتے۔ ایٹمی تباہ کاریوں سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد ہماری سوچ میں ایک بڑی تبدیلی آ جائے گی۔

آج کے چھوٹے ایٹم بموں کی طاقت کو سمجھنے کے لیے ان کا موازنہ دوسری جنگ عظیم کے بڑے ایٹم بموں سے کرنا ہوگا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے جانے والے بم موجودہ دور میں ایٹمی ہتھیاروں کے خاندان میں ایک شیر خوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم کو موجودہ ایک میگاٹن (سب سے چھوٹے) بم کے برابر لانے کے لیے 50 سے ضرب دینا پڑے گی ایک میگاٹن ایک ملین ٹن بارود کے برابر ہوتا ہے 1952ء کے اوائل میں تیار کیا جانے والا ہائیڈروجن بم تین میگاٹن کا ہتھیار تھا اور تباہ کاری کے لحاظ سے تین ملین ٹی این ٹی کے برابر تھا۔ 1961ء میں ایک نئے ہائیڈروجن بم کا تجربہ سوویت یونین نے کیا تھا جو 57 میگاٹن تھا۔ اگر دوسری جنگ عظیم میں کیے جانے والے فضائی حملوں کی طرز کے حملے 156 برس تک کیے جائیں تو ان کی مجموعی طاقت اس ایک ہائیڈروجن بم کے برابر بنتی ہے۔

اس وقت کا جدید درمیانے درجے کا ایٹم بم ایک بڑے شہر پر گرایا جائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اگر ایسا ہو تو اس کے پہلے نتیجہ کے طور پر اموات ہوں گی۔ ان اموات کو گنتی میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اگر آپ ایک بڑے شہر کا نقشہ لیں تو ایٹم بم کے پھٹنے سے متاثر ہونے والے علاقے کو ظاہر کرنے کے لیے آپ کو مرکزی جگہ کے چاروں طرف 20 کلومیٹر کا دائرہ لگانا ہوگا۔ اس کے بعد قدرے بڑا دائرہ جس کا فاصلہ 55 کلومیٹر ہوگا۔ یہ دائرے ایٹم بم کی آگ سے متاثر ہونے والے علاقہ کو ظاہر کرے گا۔ خطرناک ترین ریڈی ایٹر شعاعوں سے متاثرہ علاقے کو ظاہر کرنے کے لیے کسی دائرے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ شعاعیں ہوا کے ساتھ دور دراز علاقوں تک بہت کم وقت میں پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

ایک 20 میگاٹن بم کی طاقت کتنی ہوسکتی ہے؟ یہ بم نیویارک میں واقع ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ کی اونچائی سے چار گنا اونچے ٹی ان ٹی (بارود) کے پہاڑ سے بھی زیادہ طاقت کا حامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ملین ٹرکوں پر مشتمل ایک کارواں سے بھی زیادہ طاقتور جبکہ ہر ٹرک 20,000 پاؤنڈ ٹی این ٹی لدا ہوا ہو۔ اگر ایک بڑی اور ٹھوس چٹان پر پھٹے تو اس کے اندر اتنا بڑا گڑھا بنا دے کہ 20 منزلہ عمارت بھی اس گڑھے میں سما جائے اور اس گڑھے کی چوڑائی تقریباً آدھا میل ہو۔ اس دھماکے کی وجہ سے ہوا کی لہروں پر شدید دباؤ پڑے گا' ہوا کی لہریں تیزی سے مرکزی مقام کے چاروں طرف حرکت شروع کر دیں گی۔ طوفانی شکل میں چلنے والی ہوا کی رفتار 1500 کلومیٹر فی گھنٹہ ہوگی۔ شدید دباؤ کی وجہ سے ایک بڑا خلا پیدا ہو جائے گا۔ اس خلا کو پر کرنے اور اس کے دباؤ کو کم کرنے کے لیے اردگرد کے علاقوں کی ہوا تیزی سے اس طرف حرکت کرے گی۔

موجودہ دور کا چھوٹا ایٹم بم پھٹنے کی وجہ سے زیادہ تر اموات عمارتیں گرنے کے باعث ہوں گی۔ طوفانی ہواؤں کی وجہ سے دیواروں اور دوسری سخت چیزوں سے ٹکرانے کے باعث بھی بے شمار جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔

اس خوفناک تباہی کا دوسرا منظر یہ ہے کہ ٹرک اور دوسری تمام ٹرانسپورٹ ہوا میں اڑ کر زمین پر آ گرے گی اور پھٹی ہوئی تیل کی بوتلوں کی مانند اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیں گی۔ اس وقت بہت تیزی سے زیر زمین پٹرول کے ذخائر بھی پھٹ جائیں گے۔

مرکزی مقام کے 20 کلومیٹر اردگرد کے علاقے میں ایک منزلہ مکانات اور ان کی چھتیں مکمل طور پر جل جائیں گی۔ ایٹمی حملے سے ہسپتال تباہ ہو جائیں گے۔ ان کے ذخائر ختم ہو جائیں گے۔ ذرائع آمد و رفت کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ تیز اور طوفانی ہوائیں آگ کے خطرناک شعلوں کو اپنے ساتھ دور تک لے جائیں گی۔

کسی بھی ایٹمی حملے کی صورت میں آسمان کے چاروں طرف تیز روشنی نمودار ہوگی اور اس کے بعد آگ کا ایک بہت بڑا گولہ سطح زمین سے اوپر اٹھے گا جو سورج کی طرح گرم لیکن روشنی میں سورج سے کئی گنا تیز ہوگا۔ اس کی چوڑائی تقریباً آٹھ کلومیٹر ہوگی۔ یہ ایک گرم ہوا کے غبارے کی مانند ہوگا جو نظر آنے والے اور نظر نہ آنے والے تابکار اور گرم ترین مادے خارج کرے گا۔ اس دوران 32 کلومیٹر کے اردگرد کے علاقے میں لوگوں کے اجسام پر ملبوسات جلنا شروع ہو جائیں گے۔ کپڑوں کے ساتھ کاغذ اور گتے کی مصنوعات بھی آگ پکڑ لیں گی اور اپنے اردگرد تمام اشیاء کو جلا ڈالیں گی مرکزی مقام کے گرد تقریباً 64 کلومیٹر تک لوگوں کو آگ میں جلنے کی صعوبت برداشت کرنا پڑے گی۔ آگ کا ٹھاٹھیں مارتا 60 کلومیٹر چوڑا سمندر زمین کے ساتھ لپٹ کر چلے گا اس کی تباہی کا اندازہ ان لوگوں کو دیکھ کر بھی لگایا جا سکتا ہے جو مرکزی مقام کے 450 کلومیٹر کے اردگرد اس کا سامنا کریں گے۔ اس ماحول میں ایسے مادے جو جلنے کی صلاحیت بہت کم رکھتے ہیں بھی جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ پچھلی جنگوں میں ایٹم بم کے پھٹنے اور اس کی آگ سے ہونے والے نقصانات تقریباً ملتے جلتے ہیں لیکن تابکاری کے اثرات بالکل جدا اور یقینی طور پر نئے ہوں گے۔ بم کے زمین پر پھٹنے سے بہت زیادہ تابکاری پھیلتی ہے لیکن ایسا فضا میں ہو تو اس کے اثرات قدرے کم ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضا میں بم پھٹنے سے تابکار مادے ہوا میں بخارات کی شکل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تابکاری کے نقصانات تابکار مادوں کے ظہور کے فوراً بعد با آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ تابکاری سے متاثر ہونے والے افراد کے بدن تابکار مادوں کا ایک مجموعہ بن کر رہ جائیں گے۔ تابکاری کے نقصانات کے ماپنے کے لیے Roentger کہلاتا ہے۔ ایک Roentgen ایک انسان کے جسم میں موجود خلیوں کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ Roentgens کی زیادہ مقدار انسان کے اعصابی نظام کو مکمل طور پر ناکارہ بنا دیتی ہے یہ معدے کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے علاوہ انسانی خون کو بھی بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ تابکاری سے متاثر ہونے والے افراد کے جسموں میں سوراخ بن جاتے ہیں جن کا رنگ گہرا نیلا ہوتا ہے۔ تابکاری کے نتیجے میں جلنے والے افراد بیماریوں کی آماجگاہ بن جائیں گے۔ ایسا اس لیے ہوگا کہ ان میں قوت مدافعت کم ہو جائے گی اور ان کے زخم بہت عرصہ تک ٹھیک نہیں ہوں گے۔ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو زیادہ زخمی تو نہیں ہوں گے لیکن بروقت طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے یا طبی سہولیات کی کمی کی وجہ سے مر جائیں گے یا مستقل معذور بن کر رہ جائیں گے۔

جب کوئی شخص تابکاری والی ہوا میں سانس لیتا ہے یا تابکار مادوں سے متاثرہ کوئی چیز کھا لیتا ہے تو یہ تابکار مادے اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کی ہڈیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

وہ لوگ جو زمینی دھماکے کے بعد زندہ بچ جائیں گے اور تابکاری والے ماحول میں رہیں گے ان کی زندگی چند ہفتوں پر مشتمل ہوگی۔ اس کے باوجود جو لوگ زندہ رہیں گے ان کے اندر ان گنت معذوریاں پیدا ہو جائیں گی جن کی تکلیف نہ صرف یہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی برداشت کرنا پڑے گی۔ ایک عام ایٹمی جنگ متعلقہ علاقے میں زندہ بچنے والوں کو معذور، پاگل اور ناکارہ کر کے رکھ دے گی۔

موجودہ زمانے میں 20 میگاٹن بم ایک چھوٹے درجے کا ہتھیار ہے۔ اس وقت ایک میگاٹن سے لے کر 200 میگاٹن کے بم دنیا کے مختلف ممالک کے پاس موجود ہیں۔ جاپان پر گرائے جانے والے چھوٹے اور آج کے مقابلے میں کم طاقت والے ایٹم بم تھے لیکن یہ بم جن شہروں پر

استعمال ہوئے وہاں کے لوگ ابھی تک ان کے اثرات سے باہر نہیں نکل سکے۔ اب ذرا اس تباہی اور ہلاکتوں کو ان ایٹمی ہتھیاروں سے ضرب دیں جو امریکہ، روس اور دیگر ممالک کے پاس موجود ہیں تو اچھی طرح سمجھ آ جائے گا کہ اگر اب یہ بم استعمال ہوئے تو حالت کیا ہوگی۔ صرف امریکہ کے پاس کتنے ہتھیار ہیں؟ اس وقت تو کچھ نہیں جا سکتا البتہ فروری 1968ء میں سٹیٹ سیکرٹری MC NAMASA نے یہ انکشاف کیا تھا کہ امریکہ کے پاس 4500 ایٹمی ہتھیار ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ متذکرہ بالا تعداد امریکہ کے موجودہ ذخیرہ سے بہت ہی کم ہے۔ یہی صورتحال دیگر ممالک کے ایٹمی ذخیروں کی بھی ہے۔ اب اگر کہیں بھی چھوٹے سے چھوٹا بم استعمال ہوا تو تباہی اس قدر زیادہ ہوگی کہ زخمی اور ہلاک ہونے والوں کے بارے میں اعداد و شمار حاصل کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ یہ صدمہ اتنا ہولناک ہوگا کہ انسانی روح کے تمام جذبے ماند پڑ جائیں گے اور زندہ بچ جانے والوں پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ وہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کے جذبوں سے عاری ہوں گے۔

ذرا تصور کریں کہ جب کوئی قوم یا معاشرہ تباہ ہو رہا ہوگا۔ اس ملک کے ادارے اور انتظامی ڈھانچہ سب کچھ ملیامیٹ ہو چکا ہوگا۔ شاید اس لیے ایٹمی جنگوں کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں ایک جملہ بار بار پڑھنے کو ملتا ہے ''جو زندہ بچ جائیں گے وہ مرنے والوں پر رشک کریں گے''۔

ایٹمی جنگ کے بعد مزید کیا ہوگا؟ حد سے زیادہ تباہی کی وجہ سے کبھی حل اور کبھی ختم نہ ہونے والے طبی مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ پانی کی عدم دستیابی، خوراک اور رہائش کا مسئلہ اور دوسرے بہت سے مسائل پیدا ہوں گے۔ تباہ ہونے والے ملک یا قوم کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ وہ شکل اختیار کر لے گا جس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

مستقبل کی کسی بھی ممکنہ جنگ کے نتائج پہلی ایٹمی جنگوں کے نتائج سے ملتے جلتے ہوں گے لیکن ان کی تباہی کا حجم اس قدر وسیع ہوگا کہ یہ ایک بالکل نئی صورتحال نظر آئے گی۔ افزائش اور نشوونما کا عمل رک جائے گا۔ تابکاری کے اثرات کی وجہ سے کوئی فصل پیدا نہیں ہو سکے گی نیز حشرات، جانوروں اور پودوں کا توازن بگڑ جائے گا۔ طاعون اور اس سے ملتے جلتے دوسرے وبائی امراض اس قدر پھیلیں گے کہ ان کے قلع قمع کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔ تباہی کے نتیجے میں مٹی کے ناکارہ ہونے کا عمل کئی نسلوں تک جاری رہے گا۔

ایٹمی حملے کے بعد پیدا ہونے والی مشکلات اور مسائل پر قابو پانے میں رکاوٹوں کو سمجھنے کے لیے ایک ٹرک ڈرائیور کی مثال لیجیے۔ عام طور پر ایک ڈرائیور اپنے مالک کے احکامات حاصل کرتا ہے اور اس کا معاوضہ تنخواہ کی شکل میں وصول کرتا ہے۔ ایٹمی حملہ کے وقت وہ کسی دور دراز ایٹمی حملہ کے مقام پر ہوتا ہے۔ ایٹمی حملہ کے مقام پر اس کا باس ہلاک ہو چکا ہے اور بینک تباہ ہو چکا ہے۔ ڈرائیور کو اپنے خاندان کی فکر لاحق ہے۔ وہ دور دراز علاقے سے اپنے خاندان کے پاس پہنچنا چاہتا ہے جو اس کے لیے انتہائی مشکل ہے جس علاقے میں وہ جانا چاہتا ہے اس کی تباہی اور وہاں پھیلی ہوئی تابکاری کے بارے میں اسے کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اسے متاثرہ علاقے میں موت ہی موت دکھائی دیتی ہے۔ وہ ایک ایسی پریشانی میں مبتلا ہے جس کا اسے پہلے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس کی کیفیت کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔

ایٹمی ہتھیاروں نے جنگ کے تصور کو کس قدر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ جنگ اب وہ نہیں ہے جو کبھی ہوا کرتی تھی، دراصل انسان تجربات تو

حاصل کرتا ہے لیکن اس سے سبق نہیں سیکھتا۔ موجودہ زمانے میں لفظ ''جنگ'' کے وہ معانی نہیں جو کبھی ہوا کرتے تھے۔ اب ایٹمی مقابلے کی جنگ نہیں بلکہ اسے قومی تباہی کا نام دینا زیادہ بہتر ہوگا۔

موجودہ زمانے میں ایٹم بم کی تباہی سے متعلق جاننے کی کوشش کرنا اور اس کے نقصانات پر سوچ بچار کرنا امن کی طرف پہلا قدم ہے۔ امن قائم کرنے کا شعور پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایٹم بم کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس خوفناک طاقت کے سامنے کسی قوم کی بے بسی پر غور و فکر کریں۔ دنیا کے سب لوگ مل کر اس کرہ ارض کو محفوظ مقام اور امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں اور آگ کے شعلوں میں نیست و نابود بھی کر سکتے ہیں۔

ایران پر حملے سے خطے میں تابکاری پھیل جائے گی

ایران پر حملے کا وقت طے ہوتے ہی امریکی بحری بیڑے کے ذریعے خلیج فارس میں ایک ایئر کرافٹ کیئریئر جنگی محاذ قائم کر دیا جائے گا۔ یہ بیک وقت حملے اور ناکہ بندی کا کام بھی کرے گا۔ مختصر سے وقفے میں امریکہ کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ یہاں کم از کم 2 بحری بیڑے تعینات کر دے جن پر سو سے زائد طیارے موجود ہوں جبکہ سینکڑوں کروز میزائل بھی یہاں سے داغے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح زمین سے پرواز کرنے والے سینکڑوں طیاروں کو امریکی فوج مختصر وقت میں اسمبل کر سکتی ہے جبکہ بمباری کے کام آنے والے امریکی ون بی اور بی ٹو بمبار طیارے ایران کے باہر کسی بھی امریکی اڈے سے پرواز کر سکتے ہیں۔ امریکہ نے اپنے مہلک اور خطرناک تیارے اسلحے کی پرواز ممکن بنانے کے لئے برطانوی اڈے فیئر فورڈ پر انتظامات مکمل کر لیے ہیں جو گلوسیسٹر شائر میں واقع ہے۔ ایرانی ایٹمی تنصیبات کی تباہی کے لئے موجودہ اہداف میں تہران ریسرچ ری ایکٹر کلائے الیکٹرک سنٹر اور ریڈیو آئسوٹوپ مرکز شامل ہیں یہ سب تہران میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ اصفہان نیوکلیئر ٹیکنالوجی سنٹر بھی ممکنہ بڑے اہداف میں امریکی نظر میں ہیں۔ یہاں تجرباتی ادارے ہیں اور دیگر کئی اقسام کا تحقیقی کام ہوتا ہے۔ اراک میں تنتز کا افزودہ پلانٹ بھی امریکی اہداف میں موجود ہے۔ جبکہ ایک ہزار میگاواٹ کا ایٹمی بجلی گھر / ری ایکٹر جو بوشہر میں واقع ہے۔ امریکی نقشے میں سرخ دائرے میں موجود ہے اسی ری ایکٹر کی اہمیت کافی مسلم ہے اور امریکیوں کا کہنا ہے کہ بوشہر میں یورینیم افزودگی کا کام عروج پر ہے۔ اگر اس کو تباہ کیا جاتا ہے تو پھر یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یورینیم کی آلودگی کہاں تک پھیلے گی لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ تابکار اثرات صرف ایرانی ساحلوں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لیں گے بلکہ اس کے مہلک اور تباہ کن اثرات کویت، سعودی عرب، بحرین، قطر اور متحدہ عرب امارات تک کے ساحلوں کو سخت متاثر کریں گے۔ ان اثرات کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ تابکار اثرات سے انسانی و حیوانی زندگی اجیرن ہوگی دوسرے یہ کہ خطے میں تیل کی تنصیبات اور پیداوار بھی سخت متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔

تسلسل کے ساتھ کیے جانے والے حملوں کا سارا زور اس پر ہوگا کہ ایرانی ماہرین، سائنسدانوں اور دیگر عملے کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس کا واضح مطلب ہوگا کہ ایٹمی شعبے کا آئندہ کام مفلوج ہو جائے کیونکہ جب ایران کے پاس تکنیکی عملہ ہی نہیں ہوگا تو آئندہ اپنے کام کیسے چلائے گا۔ اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر امریکیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایٹمی ری ایکٹروں پر حملے کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی ریسرچ، لیبارٹری اور دیگر تکنیکی جگہوں پر

بھی بمباری کر کے انہیں تباہ کر دیا جائے تا کہ مستقبل میں ایرانی ایٹمی مراکز کو پیشہ وارانہ معاونت میسر نہ ہو سکے اور ان کے لئے تکنیکی ڈھانچہ کھڑا کرنا ناممکن ہو جائے۔ اس قسم کے حملوں اور طریق کار کو امریکی فوج میں صرف پیش نہیں کیا گیا بلکہ اسے انتہائی اہم گردانا گیا ہے۔ جو آپریشن کا ایک اہم حصہ ہے۔

ایرانی ایٹمی پلانٹس کی تباہی کے لئے منصوبہ امریکہ نے کافی پہلے ہی تیار کر لیا تھا۔ تنصیبات کے ساتھ ساتھ افرادی قوت کی تباہی ایک ایسا امریکی پلان ہے جو ایرانی ایٹمی پروگرام کو آئندہ کئی برسوں کے لئے مفلوج اور ناکارہ بنا دے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ جن مراکز میں غیر ملکی ماہرین کام کر رہے ہیں اس پر بمباری ضرور کی جائے گی تا کہ ان کی ہلاکت کے سبب مستقبل میں کوئی غیر ملکی اہلکار یا ماہر ایرانی تنصیبات میں کام کرنے پر آمادہ نہ ہو جو واضح طور پر ایران کی شکست لیکن امریکی برتری ہوگی۔ ادھر ایران کے پاس اپنے دفاع کے لئے معمولی فضائی قوت ہے اس کے اثاثوں اور تنصیبات کی تعداد زیادہ لیکن فضائیہ کم ہے امریکی حملے کے نتیجے میں ایرانی دفاعی کوششیں کس حد تک مربوط ثابت ہوں گی یہ دیکھنا باقی ہے۔ لیکن ایرانی قوت اتنی نہیں کہ وہ امریکی ایئر فورس پر حملہ کر سکے یا اس کو کوئی زک پہنچا سکے امریکی فضائیہ کی بھرپور کوشش ہوگی کہ وہ تہران اور دیگر حصوں میں کمانڈ اینڈ کنٹرول کا نظام تباہ کر دے یہ نظام ویسٹرن کمانڈ ائیر بیس تہران سے منسلک ہے۔ جو اپنے طریقہ کار پر عمل کر کے خود کو تبریز، ہمدان، وزفول، امیدی، شیراز، اصفہان سے مربوط و منسلک رکھتا ہے۔ دوسری طرف یہ بوشہر کا سدرن کمانڈ ائیر بیس جو بندر عباس اور چاہ بہار کو آپسی رابطے میں منسلک رکھتا ہے یہ کافی اہم ہے امریکہ کی کوشش ہوگی کہ وہ اپنے ریڈار جام سسٹم کے استعمال کر کے ایرانی کمانڈ اینڈ کنٹرول کو مفلوج و معطل کر دے اور اسی اثنا میں طیاروں کو بھیج کر اہداف کو نشانہ بنائے اگر ایرانی فضائیہ کے طیارے اس سلسلے میں مزاحمت کریں گے تو طیاروں ہی کے ذریعے ان کو فضا میں روکا اور مار گرایا جائے گا۔ واضح رہے کہ ایران کے پاس موجود ایف 14 ٹام کیٹ اے طیارے ڈاگ فائٹ (فضا میں دوبدو مقابلے) کے لئے لاجواب ہیں اور یہ 45 کے لگ بھگ ایرانی فضائیہ کے پاس موجود ہیں۔ شاہ ایران کی حکومت گرنے سے پہلے امریکہ نے ایران کو اس اس وقت کے جدید ترین اے ڈبلیو جی نائن ریڈار اور 79 ایف 14 ٹام کیٹ اے ٹائپ طیارے دیئے تھے۔ ایرانی فضائیہ انہیں اپنی سی بساط کے مطابق اپ گریڈ کر کے چلا رہی ہے جبکہ امریکی اطلاعات کے مطابق کم از کم 30 ٹائم کیٹ طیارے ایسے ہیں جو اچھی حالت میں موجود ہیں۔

ایرانی میزائل پروگرام کے لئے ریسرچ اور تکنیکی امداد فراہم کرنے والے ادارے اور تنصیبات امریکی اہداف میں سرفہرست ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ ان کے سدباب کر کے اور انہیں شناخت کے ساتھ تباہ کر دے کیونکہ متحرک تنصیبات کی تباہی بہت ضروری خیال کی جا رہی ہے۔

امریکی فورسز کے پاس ایرانی اہم تنصیبات اور فوجی مراکز سمیت دیگر سائنس کے مکمل اور جامع نقشے موجود ہیں جبکہ اس نے خلائی سیاروں سے ایران کی جاسوسی بھی کی ہے یہ سلسلہ مستقل بنیادوں پر جاری ہے اور حاصل شدہ معلومات اور تصاویر امریکی محکمہ دفاع کو فراہم کر دی جاتی ہیں جس طرح امریکیوں نے ایرانی ایٹمی تنصیبات اور فوجی مراکز کی جاسوسی کی ہے اور اہم تصاویر اور نقشے سے امریکی فضائیہ اپنے تمام بلیو پرنٹ بنا چکی ہے جن میں حملے سے لیکر راستہ میں ری فیولنگ سہولیات تک شامل ہیں جبکہ ان کے ساتھ اسی اہداف کا کامیاب حملوں کے لئے کم از کم 2 سو کروز

میزائل بھی تیار کیے جائیں گے۔امریکی بمباری اور ایرانی ایٹمی تنصیبات کی تباہی کا معاملہ چند گھنٹوں سے لیکر 3 یا 4 دنوں تک محیط ہوسکتا ہے۔لیکن یہ ایرانی ردعمل پر انحصار کرتا ہے کہ امریکہ یہ حملے مزید کتنے دنوں تک جاری رکھے۔امریکہ ایرانی تیل اور گیس کی فراہمی کے راستوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہے اور اس کا یہ عزم ہے کہ وہ ہرمز سے نکلنے والی تمام شاہراہوں پر چیک رکھے کہ وہاں سے تیل کی ٹرانسپورٹیشن نہ ہونے دے اور ایرانی معیشت پر کاری ضرب لگائے۔ایران نے اپنے ساحلی مقامات پر جو میزائل بیٹریز نصب کی ہیں ان کی تباہی کے لئے بھی پلان موجود ہے۔ایران کے پاس درجنوں تیز رفتار موٹر بوٹس موجود ہیں جو اسلحہ سے لیس ہیں۔امریکہ نے ان غیر معمولی گن بوٹس پر بھی چیک رکھا ہے اور اپنے بحری جہازوں کی بچت کے لئے انہیں جلد از جلد تباہ کرنے سے گریز نہیں کیا جائے گا۔بوشہر کا مرکزی ڈاکیارڈ بھی امریکی اہداف میں اہم جبکہ معروف بندرگاہ بندر عباس جہاں ایرانی آپریشنل ہیڈ کوارٹر موجود ہے' یہاں ایران نے روس کے تعاون سے کیلو کلاس آبدوزیں رکھی ہوئی ہیں جبکہ چاہ بہار میں ایرانیوں نے گن شپ بوٹس اور چھوٹے جہازوں کا بیڑہ رکھا ہوا ہے ان اہم مقامات کے علاوہ بحریہ اور فضائی قوت پوری کوشش کریں گی کہ جزیرہ خرز اور ہرمز کے جنوب مغرب میں واقع بیس ابوموسیٰ کا بھرپور تحفظ کیا جائے جہاں ہلکی بحری قوت رکھی گئی ہے ایران کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنے دفاع میں بہت سے آپشنز رکھتا ہے۔ایران چھوٹی بحریہ اپریل 1988ء میں بنی امریکی ٹینکر جنگ کے دوران کافی نقصان اٹھا چکی ہے اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ ایرانی بحریہ اپنے اہداف پر جو حملے کرے گی وہ چھوٹے اور انتہائی تیز رفتار ہوں گے ان میں اسپیڈ بوٹس کا کردار انتہائی تیز رفتار اور ہلاکت خیزی مشہور ہے ویسے بھی ایرانی یہ طے کر چکے ہیں کہ انہیں موت کو گلے لگانا ہے۔

ایران کے پاسداران انقلاب اس حوالے سے کافی معروف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ایرانی حملہ آور امریکی ٹینکروں کی تباہی کے لئے بھرپور کوشش کریں یعنی جس طیارہ بردار جہاز سے ایران پر حملے ہوں گے ایرانی حملہ آور انہیں تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔یہاں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ایرانی پاسداران کے کچھ یونٹس حملہ ہوتے ہی عراق کا رخ کریں گے اور وہاں اپنی حامی ملیشیا کے ساتھ مل کر امریکی اہداف کو نشانہ بنائیں گے۔اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر امریکہ پوری کوشش کرے گا کہ ایرانی زمینی فوج کے مراکز اور پاسداران کے یونٹس کو نشانہ بنایا جائے۔یہ یونٹس عراق سرحد کے قریب ہی واقع ہیں ان میں ابادان' خرن شہر' امواز' وزفولائد اور ماہ آباد شامل ہیں یہ تمام شہر امریکی اہداف کا ایک حصہ ہیں یہاں پاسداران انقلاب کے اہم مضبوط یونٹس موجود ہیں ان یونٹس کی دیگر علاقوں تک رسائی روکنے کے لئے شاہراہوں اور پلوں کی بربادی امریکی منصوبے کا حصہ ہے۔

ایران پر امریکی اور اسرائیلی حملے کا نتیجہ ہلاکتوں اور زخمیوں کی صورت میں بھی نکلے گا۔یہاں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ہلاکتوں اور زخمیوں کی کیا کیفیت ہوگی لیکن 2 نکات بہت اہم ہیں۔پہلا یہ کہ چند ہفتوں پر محیط حملوں میں ہلاکتوں اور زخمیوں کا صحیح اندازہ مہینوں بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔لیکن عوامی ہلاکتوں اور زخمیوں کا اندازہ ایرانی میڈیا اور کمرشل میڈیا یعنی الجزایرہ وغیرہ کی رپورٹوں سے کیا جاسکتا ہے۔ہر امریکی حملے کے نتیجے میں ممکن ہوگا کہ ایرانی عوام کی ہلاکتیں ہوں گی کتنی ہوں گی یہ حملے کی نوعیت پر انحصار کرتا ہے۔عوام کے لئے ممکن نہیں کہ وہ فوجی اہداف یا مراکز سے دور بھاگیں۔ہر دو جگہوں پر عوامی حفاظت کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ حملوں سے کیسے بچا جائے اور نہ ہی ان کو بچانے کے لئے کچھ کیا گیا ہے۔عام

افراد کی موت کا تخمینہ ہزاروں میں لگایا جاتا ہے اگر ایران نے اپنے ردِعمل کا اظہار کیا تو پھر یہ اموات بڑھ سکتی ہیں۔ کیونکہ ایرانی ایٹمی پروگرام میں معاونت کرنے والے عناصر کی اغلب تعداد شہری آبادی کے ساتھ ساتھ موجود ہے ان عناصر میں ٹیکنیکل سپورٹ کے مراکز شامل ہیں۔ ایران پر حملے کے نتیجے میں جنگ صرف اسی صورت میں پھیل سکتی ہے جب ایران اپنے ردِعمل کا اظہار کرے گا۔

ایران کا دفاعی نظام اور خصوصاً ائیر فورس فرسودہ ہے اس لئے وہ امریکی حملے کا براہِ راست سامنا نہیں کرے گا اور اس سے مزاحمت کی توقع کم ہے اور امریکہ نے ان حملوں کا جو مربوط منصوبہ بنایا اس میں ایران کی مخصوص سائٹ پر حملے شامل ہیں چونکہ وسیع تر مزاحمت کا تصور کم ہی پایا جاتا ہے اگر ایران حملوں کی مزاحمت کرتا ہے یا اپنا ردِعمل ظاہر کرتا ہے تو اس صورت میں امریکی پلان تبدیل ہو جائے گا جو پہلے ہی تیار کیا جا چکا ہے۔

امریکہ سب سے زیادہ اپنے طیارہ بردار جہازوں کی حفاظت پر توجہ مرکوز کرے گا کیونکہ یہ واضح اہداف ہیں جو نیشنل گارڈ سمیت ایرانی دفاعی یونٹوں کی نظر میں ہیں۔ ہرمز سے منسلک یونٹوں کے بارے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں جلد بازی میں تیار کیے ہوئے ایٹمی ہتھیار بھی موجود ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہاں موجود ہر یونٹ کو ضرور نشانہ بنایا جائے گا۔ یہ جنگ ممکنہ طور پر مارچ 2006ء کے آخری ہفتوں میں شروع ہونے کا خدشہ تھا۔

اگر ایرانی حملے میں ایران کی ایٹمی تنصیبات تباہ ہو جاتی ہیں تو ایران اپنی پوری کوشش کرے گا کہ کسی بھی طرح ان تنصیبات کو فوری طور پر خفیہ طریقے سے جلد از جلد دوبارہ تعمیر کر لے اور پھر ان کا اعلان ایک ایٹم بم کے حامل ملک کے طور پر سامنے آ سکتا ہے۔ لیکن اس کا بنیادی نکتہ یہ ہوگا کہ جب ایران اپنی ایٹمی سائٹس دوبارہ تعمیر کرے گا تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ تعمیرات آئندہ کسی حملے میں تباہ نہ ہو سکیں یعنی اس کی ساخت اور مضبوطی پر غور کیا جائے گا اور انہیں پچھلے طریقے کی نسبت زیادہ مضبوط بنایا جائے گا۔

ایران کا ایک دفاعی حربہ حزب اللہ ہے جو جنوبی لبنان کا ایک مضبوط حصہ ہے یہ ایک مسلح ملیشیا ہے جب امریکہ اور اسرائیل ایران پر حملہ کریں گے تو یہ لازم ہے کہ ایران کی حامی حزب اللہ اسرائیل پر حملوں کا آغاز کرے گی۔ حزب اللہ کے پاس دیگر ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ زمین سے زمین پر مار کرنے والے جدید ترین میزائلوں کی ایک وسیع رینج ہے۔ یہ میزائل اتنے اہم ہیں کہ ان کی شمالی اسرائیلی شہر حیفہ تک مار ممکن ہے جہاں صرف عوام یا آبادی ہے ان حملوں کا نتیجہ خود اسرائیل حملوں کی صورت میں نکل سکتا ہے یہ درست ہے کہ حزب اللہ فی الوقت سیاسی معاملات میں الجھی ہوئی ہے اور مزاحمت کے حوالے سے زیرِ زمین رہ کر بھی کام کر رہی ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ حزب اللہ اسرائیل پر اس طرح حملے نہ کر سکے جس طرح وہ ماضی میں کرتی رہی ہے ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ایران پر امریکی حملے کے بعد لبنانی عوام کی حمایت حزب اللہ کے ساتھ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے امریکہ اور اسرائیل کے لئے پریشانیاں بڑھ سکتی ہیں۔

ویسے بھی چین اور روس سلامتی کونسل کے مستقل ممبر ہیں حالیہ روسی قیادت امریکی حملے کو مستحسن نگاہوں سے نہیں دیکھتی اگر وہ پڑوسی ممالک پر امریکی حملے کی مخالفت نہ کرے تو اس کے لئے خطے میں کافی مشکلات ہو سکتی ہیں۔ ایران پر امریکی حملے کا عالمی طور پر کیا ردِعمل ہوگا یہ کہنا ابھی کافی مشکل ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ مسلم کمیونٹی اسے سخت تنقید کا نشانہ بنائے گی۔ گو ایران کی عرب ریاستوں اور القاعدہ کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں

ہیں لیکن حملے کی صورت میں ان کی حمایت خود بخود بڑھے گی۔ اور اس سے امریکہ مخالف مہم شروع ہو سکتی ہے جس کے عالمی تناظر میں اثرات کافی اہم ہوں گے۔ نائن الیون کے بعد القاعدہ کی طاقت پھیل چکی ہے۔ اس کے ساتھ تعلق کے شبے میں کم از کم 70 ہزار افراد مقید کیے جا چکے ہیں' درجنوں ہلاک کیے جا چکے ہے۔ ایک اہم نکتہ خودکش حملہ ہے جس کا ارتقا بڑی تیزی کے ساتھ ہوا۔ یہ کافی تیزی سے پھیلے ہیں اور بنیاد پرست تنظیموں کے لئے اس میں بڑی دلچسپی پائی جاتی ہے۔ لیکن مخصوص جغرافیائی حالات میں انفرادی حملے کم ہو رہے ہیں جن تنظیموں کے حملے کم ہوئے ان میں تامل ایلا/سری لنکا۔ کرد/عراق وترکی' حزب اللہ/ لبنان فلسطین/ اسرائیل وفلسطین شامل ہیں۔ یہ تنظیمیں اپنے مخصوص مقاصد کے لئے حملوں کا اجرا کرتی رہی ہیں لیکن جو سب سے اہم نکتہ ہے وہ یہ کہ خودکش حملوں میں پڑے لکھے اور سمجھ دار لوگوں کا کردار بہت اہم ہے یہ لوگ موقع مناسب دیکھ کر حملوں کا آغاز کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کا کامیاب حصول ممکن بناتے ہیں۔ یہ لوگ سٹیلائٹ اور چینلز اور انٹرنیٹ کا بخوبی استعمال کر کے دور دراز ممالک میں موجود اپنے اہداف پر کامیابی سے پہنچتے ہیں اور خودکش حملہ کر دیتے ہیں۔

امریکی جارحیت کے سابقہ نتائج

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ 9 ستمبر کے واقعہ سے پہلے امریکہ کی خوفناک وار مشین نے ساری دنیا کو ہراساں کر رکھا تھا مگر جب اثر انگیزی کا وقت آیا تو پانچ جہازوں کو ہائی جیک کر کے چار گھنٹے امریکہ کی فضاؤں میں بغیر کسی مزاحمت کے ہائی جیکر نہ صرف اڑاتے رہے بلکہ اپنے اپنے ٹارگٹوں پر درست نشانے لگاتے رہے اور امریکہ کی مالی اور عسکری طاقت کے سمبلوں تک کو مسمار کر ڈالا تھا امریکن صدر اور نائب صدر جان بچانے کے لئے پناہ گاہوں میں دبکے رہے۔ جونہی یہ اچانک واردات ختم ہوئی تو پھر امریکی حیثیوں نے تو فضاء میں اڑنا شروع کیا میڈیا نے اپنی اپنی کہانیاں گھڑ کر دنیا کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ کروسیڈی صدر نے کروسیڈ کا اعلان کرنے کے بعد اسلامی دنیا کو بطور خاص ملزم گردانتے ہوئے یہ آپشن دی کہ خیریت چاہتے ہو تو میرے دام فریب میں آ جاؤ ورنہ میری وحشت ناک جنگی مشین کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ پہلے سے فیصلہ شدہ مفروضہ کے مطابق افغانستان پر حملہ کر دیا گیا کیونکہ ایک تو وار مشین کا فیلڈ ٹیسٹ کرنے کے لیے یہ ملک موزوں ٹارگٹ تھا جہاں شمالی افغانستان کے چند ٹکوں کے بدلے بکنے والوں کو با آسانی خرید لیا اور تیسرا طالبان کی طرز حکومت میں سے طاقت کے محور لرز اٹھے تھے اسے سیٹل ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے اس کے علاوہ جو گرد و نواح کی حکومتوں کا بلا چون و چرا امریکہ کی بیعت اختیار کر لینا حملہ کی کامیابی کی ضمانت تھی چنانچہ بمباروں نے بغیر کسی مزاحمت کے کھلے بندوں کارپٹ بمبنگ کر کے ہر جاندار اور بے جان مخلوق کو زمین دوز کر دیا۔ میزائلوں کی بارش سے انسان چرند اور پرند سب زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گرد و نواح میں ایران محض بغض معاویہ یعنی نظریاتی اختلاف کی وجہ سے طالبان کا سخت مخالف تھا شمالی افغانستان میں ازبک اور تاجک طالبان سے شکست کھانے کے بعد انتقام لینے کے موقعہ کے منتظر تھے تاجکستان' ازبکستان اور باقی سنٹرل ایشین سٹیٹس امریکہ کی اطاعت قبول کر کے اپنی اپنی حکمرانیوں کو بچانا چاہتے تھے پاکستان پہلے ہی سے روسی حملہ کے دوران فرنٹ لائن سٹیٹ بننے کے مزے اڑا چکا تھا چنانچہ اب پھر اسی رول کو ادا کرنے پر راضی ہو گیا امریکی دہشت کا یہ کتنا بھیانک منظر ہے کہ کمزور اور پس ماندہ ممالک جو نظریاتی طور پر رزاق کی طاقت تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے تھے مگر دنیاوی طور وہ سب اپنی سلامتی کی خاطر دین کے تقاضوں سے با آسانی نظریں چرا لیتے تھے۔ اگر اسی خطہ کے بیس پچیس کروڑ آبادی کے ممالک جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے پر تیار ہو جاتے تو حملہ آور کو دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا مگر ایسی اللہ کی اطاعت مسلمان حکمرانوں میں نہ پہلے تھی نہ اب ہے ہاں البتہ کروڑوں میں وہاں کے پروانوں کے دلوں میں جو ان ممالک میں بستے ہیں عشق مصطفیٰ کی آگ سلگتی رہتی ہے اور وہ اسلامی نظریہ کی عظمت کے لیے جانوں کا نذرانہ دیتے رہتے ہیں امریکہ کو مڈل ایسٹ کی ریاستوں' سنٹرل ایشیا اور پاکستان میں سمندری اور ہوائی اڈے قائم کرنے میں کوئی وقت پیش نہ آئی افغانیوں کے خلاف مطلوبہ اطلاعات بغیر کسی دقت کے فراہم ہو گئیں۔

چنانچہ اس حالت میں طالبان اور ان کے حمایتی صرف جانیں ہی بچا سکتے تھے اور اگر کوئی Ambush کا موقعہ مل سکے تو دشمن سے دو چار ہاتھ کر لیتے۔ آٹھ مہینوں میں ہر قسم کے بمبار لڑاکا طیارے اور میزائلوں کا بھرپور فیلڈ تجربہ کیا گیا اس سے میرنیز اور دیگر امریکن فوجیوں کو بڑا مزا آیا نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ ہی کوئی مارا گیا جہاں تک حمایتی ممالک کا تعلق تھا ان کی ایئر پورٹس اور فوجیوں کو آہستہ آہستہ گراؤنڈ آپریشن میں دھکیلا گیا تاکہ مقررہ وقت پر سب کچھ کسی بغل بچہ اور فرنٹ لائن سٹیٹ کے حوالے کر کے اپنے اصل مقصد یعنی عراق پر حملہ کرنے کے لیے وسائل دستیاب ہو سکیں۔ چنانچہ دیکھ لیں آج پانچ سالوں کے بعد بھی امریکہ کے حمایتی افغانستان میں مزاحمت سے برسرپیکار ہیں اور امریکہ چار سالوں سے عراقی دلدل میں کل وقتی طور پر الجھا ہوا ہے افغانستان پر حملہ کر کے بہانہ تو ٹوین ٹاورز کی مسماری کا تھا جس سے یورپ اور کچھ دوسرے ممالک نے ارادہ ہمدردی حمایت بھی کی مگر عراق پر حملہ صدر بش کی غیر معمولی اضطرابی کیفیت کا نتیجہ تھا کیونکہ صدام نے بش سینئر کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ افغانستان میں زبردست کامیابی کے پیش نظر صدر بش نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے سیکورٹی کونسل کو غیر متعلقہ کر دیا اور خود ساختہ الزامات کی بنا پر کہ صدام تباہی پھیلانے والے ہتھیار تیار کر رہا ہے حملہ کرنے کی حمایت حاصل کر لی۔ ساری دنیا نے احتجاج کیا مگر صدر بش سمجھتا تھا کہ اس کی فوج افغانستان میں کامیاب فیلڈ تجربہ حاصل کرنے کے بعد چند دنوں میں عراق پر قبضہ کر لے گی اس کے حمایتی برطانیہ کا بھی یہی خیال تھا یہی وجہ ہے کہ عراق پر حملہ کرتے وقت جنگ کے مسلمہ اصولوں کی پیروی نہ کی گئی چاروں طرف سے حملہ کرنے کی کوشش کی گئی حملہ آور دستوں کو اسی لیے پہلے دو ہفتوں میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ ہوئی مگر جونہی صدام نے گوریلا کے لیے اپنی افواج کو پھیلا دیا تو امریکن فوجیں تیزی سے آگے بڑھنے لگی مگر گوریلوں نے ناک میں دم کر دیا بغداد میں پہنچنے کے بعد جن مشکلات اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑا اس سے میرنیز کے غبارے سے ہوا نکل گئی پورے ملک میں فدائین کامیابی سے حملے کرنے لگے خودکش حملوں نے پوری امریکن قوم کو ہراساں کر دیا فلوجہ میں مزاحمت کو دور کرنے کے لیے Atomatic Tipped Weapo استعمال کرنے پڑے شام اور عراق کی سرحد پر ہفتوں جنگ لڑنی پڑی مگر مزاحمت میں جب کوئی کمی نہ آئی تو افغانستان کی طرز پر عراقیوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا ایک نام نہاد عراقی حکومت ترتیب دی گئی مگر فدائین کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں سے تنگ آ کر امریکی فوجی چند بڑی چھاونیاں قائم کرنے پر مجبور ہو گئیں جہاں سے خودکش حملہ سے نپٹنے کے لیے ہیلی کاپٹر بورن کے رپیٹرز دستے استعمال کیے گئے اتنے سال لاکھوں افغانیوں اور عراقیوں کی نسل کشی کرنے کے بعد دونوں ملکوں میں ایک جعلی جمہوریت کو متعارف کر کے امریکی فوج پس منظر میں چلی گئی لیکن فدائین اب بھی جہاں چاہتے ہیں وہاں خون آلود کارروائی کامیابی سے کر لیتے ہیں امریکی فوجوں کے مورال کا یہ حال ہے کہ جو دو سال پورا کر لیتا ہے وہ واپس نہیں آتا بیماروں اور زخمیوں سے عراق، کویت اور جرمنی میں ہسپتال بھرے پڑے ہیں ریٹائرڈ جرنل کھل کر وزیر دفاع کی غلط حکمت عملی پر تنقید کر رہے ہیں صدر بش ہزار خواہش کے باوجود دلدل سے نکل نہیں پا رہا اب ایران پر حملہ کا اعلان کیا جا رہا ہے لیکن یہ ایک چال ہے کہ اس بہانے سے امریکی فوجوں کو واپس امریکہ بھجوایا جا سکے گا طاقت کے نشہ میں بے گناہ مخلوق خدا کے قتل عام کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

21ویں صدی کا ہٹلر.....بُش

تاریخ غیر معمولی اچھے اور برے لوگوں کو کبھی نہیں بھولتی۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ کے ہاتھ عظمت آتی ہے تو کچھ کے بدنامی' البتہ مقبولیت دونوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ گزشتہ صدی میں ہٹلر کو اقوام عالم میں وہی ''شہرت'' حاصل تھی جو آج امریکی صدر بش کو ہے۔ دونوں کا نام سنتے ہی ایک خاص قسم کی نفرت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ حال ہی میں ان دونوں شخصیات پر مختلف سروے کے حوالے سے ایک تحقیقاتی رپورٹ تیار کی گئی جس سے یہ بات سامنے آئی کہ بش انہی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے جن پر ہٹلر کاربند تھا۔ شخصی اعتبار سے بھی دونوں میں بڑی مماثلت ہے۔ دونوں میں غصہ' تکبر' نفرت اور انتقام کے جذبات اپنے پورے جوبن پر نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اسی مغربی رپورٹ کے حوالے سے بش اور ہٹلر کی شخصیات کا موازنہ کیا گیا ہے۔ مغربی طاقتوں نے امریکہ کی سربراہی میں نازی جنگ کے خاتمے پر اس کے مجرموں کے خلاف عدالتی کارروائی کا آغاز کیا تو ان مجرمان پر چار طرح کے الزامات لگائے گئے تھے۔ پہلا الزام اقتدار چھیننے اور آمرانہ حکومت قائم کرنے کی سازش' دوسرا الزام' دوسرے آزاد ممالک کے خلاف جارحانہ یکطرفہ کارروائیاں' تیسرا الزام جنگی قوانین کی خلاف ورزی اور چوتھا اور آخری الزام اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے کا تھا۔

بش حکومت کے خلاف بھی مذکورہ بالا الزامات کو سامنے رکھتے ہوئے عدالتی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک نازی کے خلاف پہلے الزام کا تعلق ہے تو اس معاملے میں ایسا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن بش کے معاملے میں ایسا ہوا تھا کیونکہ 2000ء میں الیکشن کے حتمی نتائج کا اعلان ہونے سے قبل ہی صدر بش نے خود کو فاتح قرار دے دیا تھا۔ مقبول عوامی ووٹ حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد وہ فلوریڈا میں شکست کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ تو سپریم کورٹ کی مہربانی ہے جس کی بدولت وہ صدر بن گئے۔ 2004ء میں دوسری مرتبہ بھی وہ رجعت پسند حلقے کی سازشوں کی بدولت برسر اقتدار آئے۔ حالانکہ انتخابات سے ایک دن قبل تک ریپبلکن پارٹی فاتح سمجھی جارہی تھی لیکن بعد میں بش کو دوسری مرتبہ صدر بننے کا پورا پورا موقعہ فراہم کیا گیا۔ اگر اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ امریکہ کے اندر بش کی مقبولیت کا گراف ابھی بہت نیچے نہیں گرا لیکن عالمی رائے کی بھی تو کچھ اہمیت ہے۔ یورپ اور خاص طور پر مسلمان اسے امن کے لئے بہت بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بات محض مشاہداتی نہیں بلکہ اس سلسلے میں مغرب میں متعدد سروے کرائے جاچکے ہیں جن سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بش جب سے برسر اقتدار آئے ہیں ایک دن بھی سکون سے نہیں گزرا۔ اس کے ہر عمل سے بدلے' جھوٹے' نفرت' غصے اور تکبر کے جذبات کی بو آتی ہے۔ کبھی وہ تعاون حاصل کرنے کے لیے مغربی ممالک پر دباؤ

بڑھاتا ہے تو بھی مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی دھمکی دیتا نظر آتا ہے۔ یہ محض زبان سے پھسلے ہوئے الفاظ نہیں بلکہ یہ سب کچھ بڑی سوچی ترکیب کا نتیجہ ہے اسی کی بنا پر ایران کو ''برائی کی جڑ'' اور اب اگلا ہدف قرار دیا جا رہا ہے۔

امریکہ کے اندر بھی بش نے جمہوریت کے نام پر آمریت قائم کی ہوئی ہے اور کسی بھی ایسی پالیسی کو برداشت نہیں کیا جاتا جو ان کے خلاف ہو۔ کولن پاول کو وزارت خارجہ سے اسی لیے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا گیا کہ اب وہ رمزفیلڈ کی پالیسیوں سے زیادہ متفق نہیں تھے۔ وزارتوں کے علاوہ خفیہ ادارے بھی اس امتیازی سلوک سے بالاتر نہیں ہیں۔ صرف ان افسروں کو آگے لایا جا رہا ہے جو بش پالیسی کی پوری حمایت کرتے ہیں۔ میرٹ نام کی چیز تو محض اب افسانہ بن کر رہ گئی ہے۔ امریکہ میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جیسا تیسری دنیا کے کسی ملک اندر قواعد وضوابط کو پامال کیا جاتا ہے۔

امریکہ خود آزادی صحافت کا علمبردار بنا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ انہی حقوق کا غاصب ہے۔ افغانستان اور عراق جنگ کے حوالے سے جھوٹی اطلاعات کو پروپیگنڈے کے ٹول کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ خلیجی ٹی وی چینل الجزیرہ کو جنگ کی اصل صورتحال نشر کرنے پر بدلے کا نشانہ بنایا گیا۔ صرف یہی نہیں افغانستان اور عراق کے اندر بہت سے صحافیوں کو دہشت گرد قرار دیا گیا اور ان پر میزائل سے حملے بھی کیے گئے۔ سی این این کو امریکی فوج کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ وہ جیسا چاہتے ویسی معلومات دنیا بھر میں پھیلا دی گئیں۔ تو پھر کیسی صحافت اور کیسی آزادی صحافت۔ عراق کے شہر فلوجہ کا جو حال ہوا اس سے سب باخبر ہیں۔ لڑاکا طیاروں سے اس شہر پر بموں کی بارش کی گئی جس سے بے شمار جانی ومالی نقصان ہوا لیکن اصل حقائق کو پھر بھی چھپایا گیا اور بتایا گیا کہ صرف دہشت گردوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ حالانکہ غیر جانبدار ذرائع کے مطابق شہر میں ہر جگہ لاشیں بکھری پڑیں تھیں۔ جنگ عظیم دوئم میں بھی تو یہی ہوا تھا۔ ہٹلر کی تسکین اور برطانیہ کا سر نیچا کرنے کے لیے اسی میڈیا کو بروئے کار لایا گیا تھا۔

ہٹلر کے اوپر دوسرا الزام آزاد ممالک کے خلاف یکطرفہ جارحانہ کارروائی تھا جو کہ بش پر بھی عائد ہوتا ہے۔ بش نے دو آزاد ممالک پر جھوٹے الزامات کی آڑ پر نہ صرف حملہ کیا بلکہ وہاں ابھی تک قبضہ بھی جما کر بیٹھا ہوا ہے اور تیسرے آزاد ملک پر حملے کے لیے مناسب موقع اور بہانے کی تلاش میں ہے۔ بش کا دعویٰ ہے کہ اس کی اس پالیسی کی وجہ سے عراق میں جمہوریت قائم ہوئی اور افغانستان کو آزادی نصیب ہوئی ہے۔ ہٹلر نے پولینڈ، چیکوسلواکیہ، آسٹریا، فرانس اور متعدد دوسرے ممالک پر حملہ کرنے کی وجہ اسی چیز کو قرار دیا تھا۔ ساری دنیا اس وقت ظلم کی خاموش تماشائی ہے۔ امریکہ اور یورپ بھر میں عراق پر امریکہ کے قبضے کے خلاف آوازیں بلند کی گئیں لیکن لاحاصل نیویارک سے برلن تک بش مخالف تحریک شروع ہوئی مگر حکومت نے اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے کردار پر انگلیاں اٹھیں اس نے جب عراق پر امریکی حملے کو سراسر غیر قانونی اور غیر اخلاقی قرار دیا تو امریکی اخبارات نے اس کو ''دوغلے'' ہونے کے خطابات سے نوازا۔

نازیوں پر عائد کیے جانے والا تیسرا جرم جنگی قوانین کی خلاف ورزی تھی انہوں نے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اگر دیکھا جائے تو امریکہ نے بھی عراق اور افغانستان میں کچھ کم نہیں کیا۔ اس نے بھی بے گناہ انسانوں کی جان لی اور جنیوا سمیت تمام معاہدوں کو توڑتے ہوئے صرف انتقامی

جذبے سے کام لیا۔ فلوجہ میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور ہنستے بستے شہر کو بالکل ویران کر دیا۔ جنگ کے دوران پکڑے جانے والے قیدیوں سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا گیا۔ ہٹلر کسی بھی معاہدے کو خاطر میں نہ لایا۔ اس کا خیال تھا کہ ایسے تمام معاہدے صرف اور صرف غریب اور پسماندہ ممالک کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ہوتے ہیں جبکہ جرمنی تو کسی بھی طرح پسماندہ ملک نہیں تھا۔ بش نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس نے جنیوا سمجھوتے کی خلاف ورزی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اقوام متحدہ کے وجود کو بھی جھٹلایا ہے۔ امریکہ نے بش کی قیادت میں عالمی عدالت انصاف کو ٹھکرا دیا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے کسی بھی فوجی کو اس عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اس کے جرائم کی سزا سنائی جائے یا اس کے فوجیوں کے دلوں میں جنگ لڑتے وقت اس بات کا احساس ہو کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ سابق عراقی صدر صدام حسین کو کسی نامعلوم جگہ پر رکھا گیا ہے ریڈ کراس کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے حالانکہ ریڈ کراس حاصل ہونے والی معلومات کو عوام تک پہنچاتی لیکن پھر ایسا کیوں؟ جرمنی نے جب آسٹریا پر قبضہ کر لیا تھا تو ہٹلر کے حکم پر آسٹریا کے وائس چانسلر کو سکچنگ کو قید کر کے مختلف طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے کمرے میں جو بیس گھنٹے لائٹ جلتی رہتی۔ اس کے نزدیک اونچی آواز میں ریڈیو لگا دیا جاتا تا کہ وہ سو نہ سکے۔ اسے ہفتہ میں صرف ایک تولیہ استعمال کرنے کو دیا جاتا۔ اسے ایس ایس گارڈ کے بیت الخلا صاف کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ بش انتظامیہ صدام حسین سے کیسا سلوک کر رہی ہے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا' شاید اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جا رہا ہو۔ گوانتاناموبے میں مسلمان قیدیوں کے ساتھ امریکی فوجیوں کی طرف سے پیش آنے والے واقعات کے سامنے رکھتے ہوئے ہر طرح کی توقع کی جا سکتی ہے۔

صرف اور صرف عراق میں جنگ کے دوران میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ امریکی فوج کو مسلمانوں کو قتل کر کے وہی خوشی حاصل ہو رہی ہے جو نازیوں کو یہودی قتل کرتے ہوئے محسوس ہوتی تھی۔ امریکی فوج کے لیے تو تمام عراقی دہشت گرد ہیں چاہے مرنے والا ایک دس سال کا بچہ ہو یا پھر عورت' دیکھا جائے تو دونوں واقعات میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو نشانہ بنایا گیا۔

گوانتاموبے میں مسلمان قیدیوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی تمام تر ذمہ داری امریکی سیکرٹری دفاع رمزفیلڈ پر عائد ہوتی ہے۔ جب اس کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو صدر بش پینٹاگون میں اس سے آ کر ملے اور اسے استعفیٰ پر مجبور کرنے کی بجائے اس کی تعریف کی۔ عوام سے اس واقعہ کی معافی مانگتے ہوئے بھی بش کی جسمانی حرکت وسکنات بتا رہی تھی کہ اسے اس واقعہ کا کوئی افسوس نہیں' اسے بس الجھن تھی تو صرف اس چیز کی کہ اس واقعہ کو عوام کے ذہنوں سے کیسے نکالا جائے۔ ہٹلر نے بھی یہودیوں کو اسی طرح ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

ہٹلر پر چوتھا اور آخری الزام اخلاقی جرائم پر مبنی تھا۔ یہ جرم بش پر بھی پوری طرح لاگو ہوتا ہے۔ عراق پر قبضے کے بعد عراقی عجائب گھر جس میں میسوپوٹیمیا تہذیب کے نادر نمونے موجود تھے اسے چوروں اور لٹیروں کے ہاتھوں لٹنے دیا گیا۔ لیکن پٹرولیم کے ذخائر کی پوری طرح حفاظت کے اقدامات کیے گئے۔ ہٹلر ایک فوجی جرنیل تھا لیکن بش تو عوام کا منتخب کردہ نمائندہ ہے لیکن اس کے باوجود بش میں ہٹلر کی طرح آمریت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس کا منہ بولتا ثبوت اس کا وہ بیان ہے جو اس نے دوسری مرتبہ صدر منتخب ہونے کے بعد دیا۔ بش نے کہا تھا کہ وہ کانگرس اور سینٹ کو وہاں تک ساتھ لے کر چلیں گے جہاں تک یہ دونوں ادارے اس کی پیروی کر سکے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی تمام تر حتمی فیصلے امریکی صدر کی

مرضی کے مطابق ہوں گے۔

دنیا کی کوئی بھی فوج یا حکومت کس قدر ظالم ہوسکتی ہے۔ایک ایسی حکومت اور فوج جو معصوم شہریوں' بچوں' عورتوں اور بزرگوں کے خلاف بھی تباہ کن ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے گریز نہ کرے۔قیدیوں پر روزانہ جبر وتشدد اور ہتک آمیز سلوک اس کا معمول بن چکا ہو تو اس کے بارے میں عمومی اور عالمی رائے کیا ہوسکتی ہے؟ بش کے حکم پر عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے واقعات بھی سامنے آچکے ہیں۔

اطلاعات کے مطابق امریکی فوج نے مزاحمت کاروں کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال بھی کیا۔لیکن عالمی برادری نے اس پر کوئی سخت ردعمل ظاہر نہیں کیا جو بے حسی کی بدترین مثال ہے۔فلوجہ میں امریکی فوج کی طرف سے مزاحمت کاروں پر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال ایک خوفناک المیہ ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف مزاحمت کاروں کی ایک بڑی تعداد دردناک اور اذیت ناک موت کا شکار ہوگئی بلکہ کیمیائی ہتھیاروں میں استعمال کی جانے والی فاسفورس نے بڑی تعداد میں عام شہریوں کی ہڈیوں پر سے گوشت کو جدا کردیا بلکہ اس خطرناک گیس سے ان کی ہڈیاں بھی راکھ کی طرح ہوگئیں۔فلوجہ پر کی جانے والی اس بمباری کے متعلق ایک سال قبل اٹلی کے سرکاری ٹیلی وژن نے ایک رپورٹ پیش کی تھی۔امریکہ نے پہلے تو اس رپورٹ کو مسترد کردیا اور دعویٰ کیا کہ اس نے فلوجہ پر بمباری میں سفید فاسفورس کا ہرگز استعمال نہیں کیا تاہم بعد میں بتایا گیا کہ فاسفورس روشنی کے ذریعے کے طور پر استعمال کی گئی تھی۔لیکن اب امریکہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس نے مسلح جہادیوں کے خلاف عام قسم کے کیمیائی ہتھیار استعمال کیے تھے۔

عراق میں امریکی بمباری کے چشم دید گواہ صحافیوں نے بھی اس حوالے سے عام انکشافات کیے ہیں۔دہر جمیل نامی فری لانس صحافی کے مطابق اسے ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے پاس متعدد ایسے مریض لائے گئے جن کی جلد پگھل چکی تھی۔جن زخمیوں اور نعشوں کو میں نے دیکھا انہیں دیکھ کر بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کے خلاف تباہ کن جنگی ہتھیار استعمال کیے گئے تھے۔ان کے زخم امریکی بربریت کی واضح علامت بن چکے تھے۔لبنان براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے کیمرہ مین برہان فصیح کا اس حوالے سے کہنا ہے کہ وہ جنگ کے ابتدائی آٹھ روز تک عراق میں رہا۔اس آٹھ دنوں میں میں نے تباہ کن بمباری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔جلی ہوئی نعشوں سے گلی بھر چکی تھیں۔اکثر نعشیں ایسی تھیں کہ ان کے جسموں میں کوئی گولیاں نہ تھیں جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کی موت کیمیائی ہتھیاروں کے باعث ہوئی۔

بش نے صدام حسین کے خلاف اقدام اس بناء پر کیا تھا کہ اس کے پاس تباہ کن کیمیائی ہتھیار موجود تھے۔لیکن جب اس نے خود یہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے استعمال کیے تو یقیناً اس کے پیچھے یہی سوچ کارفرما ہوگی کہ غیر امریکی خاص طور پر عراقیوں کا خون اتنا مہنگا نہیں۔لہٰذا اسے سستا سمجھ کر بہانے میں کوئی ڈر نہیں ہونا چاہیے۔بش نے عراق کے شہریوں کو جس بربریت کا نشانہ بنایا ہے ابھی تک بربریت اختتام کو نہیں پہنچی۔ نجانے کب تک وہ عراقیوں کے خون کو سستا سمجھ کر بے دریغ بہاتا رہے گا۔

ایران پر ممکنہ امریکی حملہ..... پاکستان کا موقف

پاکستان کے وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے واضح کیا ہے کہ پاکستان ایران پر کسی بھی امریکی جارحیت کا حصہ بنے گا اور نہ مدد کریگا۔ ایران پر حملہ کی صورت میں مسلم دنیا میں بڑی تباہی ہوگی اور علاقہ بھی شدید عدم استحکام سے دوچار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ مسئلہ ڈپلومیسی سے حل کرنے پر زور دے رہے ہیں۔

ایران کے خلاف امریکہ کے عزائم کھل کر سامنے آچکے ہیں، اگرچہ اب تک اسے اپنے اتحادیوں کی تائید وحمایت بھی حاصل نہیں ہوئی اور وہ ایران کے خلاف سلامتی کونسل سے پابندیاں لگوانے میں بھی ناکام رہا ہے۔ ایران کے بارے میں حالیہ متفقہ قرارداد سے بھی امریکہ اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکا مگر وہ کسی کی پروا کئے بغیر ایران پر حملے کی تیاری کررہا ہے اور صدر بش نے گذشتہ روز کھل کر کہا ہے کہ ایرانی جوہری تنصیبات پر ایٹمی حملے کا آپشن موجود ہے۔ صدر بش نے کہا کہ جو لوگ ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کو خطرناک سمجھتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں۔ امریکہ عراق میں مشکلات اور اندرونی مخالفت کے باوجود ایران کے خلاف اسی طرح کی پراپیگنڈا مہم چلا رہا ہے، جس طرح اس نے صدام حسین اور اس کے مہلک کیمیائی ہتھیاروں کے خلاف چلائی تھی حالانکہ اب یہ ثابت ہوچکا ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا ڈرامہ صرف عراقی تیل پر قبضے اور صدام حکومت کے خاتمہ کے لئے رچایا گیا۔ آج تک کیمیاوی ہتھیار تو برآمد نہیں ہوئے، لیکن عراق میں صورتحال اتنی خراب ہوچکی ہے کہ ہمسایہ ممالک کی سلامتی کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں جبکہ سابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاول سرعام یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں کیمیاوی ہتھیاروں کے حوالے سے غلط اطلاعات فراہم کی گئیں اور انہوں نے انہی گمراہ کن اطلاعات کی بنا پر سلامتی کونسل میں امریکہ کا مقدمہ لڑا۔

عراق میں امریکی غلطیوں کا اعتراف موجودہ وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ اتحادی افواج ان غلطیوں کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں، چھ امریکی جرنیلوں نے انہی غلطیوں کی بناء پر وزیر دفاع رامز فیلڈ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ استعفیٰ دیں کیونکہ انہوں نے امریکہ کو ایک ایسی جنگ میں الجھا دیا ہے جو بالآخر ویت نام کی طرح سپر پاور کے گلے پڑسکتی ہے مگر صدر بش مسلسل رامز فیلڈ کی حمایت کررہے ہیں اور رامز فیلڈ نے بھی ان جرنیلوں کے مطالبہ کو مسترد کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے امریکی ذرائع ابلاغ میں ایک سنجیدہ بحث چھڑ گئی ہے۔ نیوز ویک، ٹائم اور واشنگٹن پوسٹ جیسے اخبارات وجرائد نے اس بحث میں حصہ لیا اور امریکی انتظامیہ کو ہوش کے ناخن لینے کی تلقین کی ہے۔

عراق کا سبق تو یہ تھا کہ امریکہ اپنی فوج واپس بلا کر وہاں کے عوام کو اپنی حکومت منتخب کرنے اور اپنی مرضی سے ملکی معاملات چلانے کا موقع فراہم کرتا جبکہ آئندہ کسی ملک کو جارحیت کا نشانہ بنانے کا حتمی فیصلہ کر لیا جاتا مگر امریکہ کے کروسیڈی صدر کے دماغ پر ایک ہی دھن سوار ہے کہ ان تمام مسلم ممالک کا ''مکو'' ٹھپ دیا جائے جو اسرائیل کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں یا عالم اسلام کی قیادت کے اہل ہیں۔ وہ جہاد کی طرح مسلم ممالک کی اقتصادی ترقی اور دفاعی خود کفالت سے بھی خوفزدہ ہے اور باری باری مسلم ممالک کو جارحیت کا نشانہ بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اسرائیل کا خاتمہ چونکہ ایران کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے، اس لئے فوری دباؤ ایران پر ہے۔ عراق میں ایرانی اثر و رسوخ بھی امریکی ناراضگی کا سبب ہے جبکہ ایران کے ایٹمی پروگرام کے بہانے وہ پاکستان کو بھی دباؤ میں لا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ گزشتہ روز وفاقی وزیر مذہبی امور محمد اعجاز الحق نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صاف طور پر اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ مسلم ممالک متحد نہ ہوئے تو ایران کے بعد پاکستان کی باری آسکتی ہے۔ مسلمان متحد ہو جائیں تو کوئی غیر مسلم غلبہ نہیں پا سکتا۔ یہ بیان حالات کی سنگینی اور مذموم امریکی عزائم کو واضح کرتا ہے۔

ایران ابھی تک اپنے مؤقف پر ڈٹا ہوا ہے، وہ این پی ٹی کا رکن ہونے کی وجہ سے پرامن مقاصد کے لئے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا مجاز ہے لیکن امریکہ کسی مسلمان ملک کا یہ حق بھی تسلیم نہیں کرتا، حالانکہ عالمی ادارہ جوہری توانائی کے سربراہ محمد البرادی بار بار یہ کہہ چکے ہیں کہ اسرائیل ایٹم بم بنا چکا ہے اور وہ اپنے ایٹمی پروگرام کے معائنے کی اجازت دے مگر اسرائیل کی طرح امریکہ بھی یہ بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ تاہم یہ ایک حوصلہ افزا بات ہے کہ امریکی محکمہ خارجہ نے واشنگٹن میں ایرانی حکومت کے ایک سینئر عہدیدار محمد نہاد ندیان کی موجودگی کا انکشاف کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ابھی تک امریکہ نے مذاکرات کا راستہ ترک نہیں کیا۔

ان حالات میں پاکستان کی طرف سے ایران کے خلاف امریکہ سے کسی قسم کا تعاون نہ کرنے کا اعلان خوش آئند، اسلامی اخوت کے تقاضوں اور قومی مفادات سے ہم آہنگ ہے کیونکہ جس طرح وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے کہا ہے ایران پر حملے سے مسلم دنیا میں زبردست تباہی ہوگی اور ارد گرد کے تمام ممالک عدم استحکام کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ حقیقت بھی ہے، تاہم ایران پر حملہ صرف مسلم ممالک ہی نہیں یورپ اور امریکہ کے لئے بھی منفی مضمرات کا حامل ہوگا جس کا احساس امریکی قیادت کو کرنا چاہئے۔ سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کے دورۂ اسلام آباد کے موقع پر پاکستانی اور سعودی قیادت میں اس امر پر اتفاق پایا گیا کہ ایرانی مسئلہ مذاکرات سے حل کیا جائے اور جارحیت کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم پاکستان کی صرف یہی ذمہ داری نہیں کہ وہ ایران پر امریکی حملے کی حمایت نہ کرے یا امریکہ سے تعاون نہ کیا جائے بلکہ ہمیں کھل کر اس کی مخالفت کرنی چاہئے اور اپنے نان نیٹو اتحادی کو روکنے کے لئے اثر و رسوخ استعمال کرنا چاہئے۔ کروسیڈی صدر بش کو بھی اب ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ وہ ایک طرف تو ایٹمی پھیلاؤ کے خلاف مہم چلا رہے ہیں، دوسری طرف ایران کو ایٹمی حملے کی دھمکی دے رہے ہیں اور یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ 1945ء کے مقابلے میں آج صورتحال کس قدر مختلف ہے اور ایٹمی حملے سے خطے کو کس تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پاکستان کو ایک پرامن اور نیوکلیئر مسلم ریاست کے طور پر ان امریکی بیانات کی کھل کر مذمت اور مخالفت کرنی چاہئے کیونکہ اگر آج چپ سادھ لی گئی تو اعجاز الحق کے خدشے کے مطابق اگلی باری پاکستان کی ہوگی۔

امریکہ کے خلاف روس چین اتحاد

روس اور چین کے ساتھ امریکہ کی بڑھتی ہوئی مخالفت نے ان دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ دونوں ممالک واشنگٹن کی مخالفت کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں دو سپر طاقتوں کے حکمرانوں کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ روسی صدر ولادی میر پیوٹن کی چینی صدر ہو جن تاؤ سے پانچ ملاقاتیں ہو چکی ہیں ان کے درمیان ایک اہم ملاقات 21'22 مارچ کو ہوئی۔ روسی صدر ولادی میر پیوٹن نے ایک ہزار افراد کے وفد کے ساتھ چین کا دورہ کیا جن میں سرکاری اور کاروباری افراد شامل تھے۔ روسی صدر کے مطابق ان کی یہ ملاقات اور دورہ انتہائی کامیاب رہا۔ دونوں ممالک کے درمیان اہم معاملات طے پائے' نئے معاہدے ہوئے' پرانوں میں توسیع کی گئی ہے۔ اس طرح روس اور چین ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے ہیں۔

روسی صدر پیوٹن نے بیجنگ میں چائنہ کی ''ایئر آف رشیا'' کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی۔ دوطرفہ تجارتی اور ثقافتی تعلقات نے ان دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اگلے سال روسی حکومت بھی ''ایئر آف چائنہ'' کی تقریب کا اہتمام کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔

بیجنگ میں سائنو رشیا فورم کا اہتمام کیا گیا جس میں دوطرفہ تجارتی تعلقات جن میں پچھلے سال 37.1 فی صد اضافہ ہوا تھا ان میں مزید بہتری اور چین کی روس سے تیل خام مال اور ہتھیاروں کی بڑھتی ہوئی مانگ کے حوالے سے بات چیت ہوئی۔

روسی صدر کے دورے کا اصل مقصد چین کے ساتھ تیل اور گیس کے معاہدے کرنا تھا۔ ان کے ساتھ وفد میں تیل کا ڈان روز نیفٹ' گیس سپلائی کرنے والی گیس پروم اور پائپ لائن کے ٹرانس نیفٹ شامل تھے۔ روس اور چین کے درمیان تقریباً 29 معاہدے ہوئے جن میں سے اہم گیس پائپ لائنوں کے حوالے سے تھا۔ سب سے اہم ڈیل دو پائپ لائنوں کی ہوئی جو 10 ملین ڈالر کی لاگت سے مشرقی اور مغربی سائبریا سے چائنہ تک بچھائی جائیں گی۔ روس نے سالانہ 60 سے 80 بلین کیوبک گیس چین کو فراہم کرنے کا معاہدہ کیا ہے جو کہ 2004ء میں سپلائی کی جانے والی گیس سے دگنی مقدار ہے۔

روس کا چائنہ کے ساتھ گیس کا یہ معاہدہ یورپی ممالک سے تنازعہ جنم لینے کے جواب میں کیا گیا ہے کیونکہ روس کی 70 فی صد گیس یورپی ممالک کو سپلائی ہوتی ہے۔ یورپی ممالک سے روس کے تعلقات گیس کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے خراب ہوئے۔ جن کے جواب میں روسی صدر نے

چین کے ساتھ یہ معاہدے کیے ہیں ان معاہدوں کے یورپی ممالک پر اثرات مرتب ہوں گے۔

یورپی ممالک کے حوالے سے روسی کمپنی گیس پروم کے ترجمان سرجے کیریانوو نے کہا ہے کہ یورپ کے ساتھ جاری گیس کے معاہدوں پر عمل درآمد کیا جائے گا اور آئندہ یورپ کے لیے گیس کی سپلائی میں اضافہ کیا جائے گا۔ اب یہ یورپ پر منحصر ہے کہ وہ اس کو بڑھانا چاہتے ہیں یا نہیں۔

روس دنیا میں سب سے زیادہ گیس کے ذخائر رکھنے والا ملک اور تیل پیدا کرنے والا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس وقت چین صرف اپنی درآمد کا 5 فی صد تیل روس سے درآمد کرتا ہے۔ چین کے ساتھ پائپ لائن کے حالیہ معاہدہ جس کی تکمیل 2010ء تک ہونی ہے اس سے روس کی گیس کی سپلائی دگنی ہو جائے گی۔

چین جو کہ دنیا میں تیل کا دوسرا بڑا خریدار ہے روس سے تیل کی خریداری کا شائق ہے۔ بیجنگ میں روسی صدر نے اعلان کیا تھا کہ روس اور چین کے درمیان پائپ لائن ''ایسیو'' تعمیر کی جائے گی لیکن اس کی تعمیر کے لیے کسی مخصوص وقت کا تعین نہیں۔ اب چین کے ساتھ تیل کی ترسیل ریل کے ذریعے ہو رہی ہے۔ روس اس سال 15 ملین ٹن تیل بحری جہاز کے ذریعے چین کو سپلائی کرے گا جو پچھلے سال سے دگنی مقدار ہے۔

روس اور چین کے درمیان پائپ لائن کے متعلق تمام معاملات طے ہو چکے ہیں اور قیمتوں کے معاملے پر بھی دونوں میں اتفاق ہو چکا ہے۔ روس اس وقت چین کی توانائی کے حصول میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ بین الاقوامی توانائی ایجنسی کے مطابق گیس اس وقت پوری دنیا میں توانائی کا 21 فی صد پورا کرتا ہے اور 2030ء تک گیس کوئلے کی جگہ لے لے گی۔ اس وقت دنیا میں تین ممالک روس، ایران اور قطر گیس کے ذخائر میں سرفہرست ہیں۔

امریکہ کا عراق کے خلاف جنگ اور ایران کو دھمکیاں یورپ اور ایشیاء میں امریکہ مخالف ممالک کے سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ چاہتا ہے۔ اس لیے متبادل ذرائع کی تلاش یورپی ممالک اور خاص طور پر چین، جاپان اور انڈیا کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے متبادل کے طور پر روس کی اہمیت واضح ہے۔

ماسکو کارنجی سنٹر کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈسٹری ٹرینن نے کہا ہے کہ اب روس گیس اور تیل کی سپلائی کے معاملات کو بہتر اور مضبوط کر رہا ہے۔ انیسویں صدی میں تسار الیگزنڈر نے کہا تھا کہ روس کے دو حلیف ہیں ایک آرمی اور دوسرا نیوی۔ اب ٹرینن نے کہا ہے کہ روس کے دو حلیف گیس اور تیل ہیں۔

روس کو تیل اور گیس کی مضبوط مارکیٹ چین کی صورت میں ملنے سے اس کو ایک مضبوط ہتھیار کے طور پر استعمال کرے گا۔ اس سے پہلے بھی روس گیس اور تیل کو یوکرائن، جارجیا اور آرمینیا کے خلاف استعمال کر رہا ہے اور یہ بالواسطہ طور پر جرمنی اور فرانس کے لیے دھمکی ہی ہے جو روس کے خلاف سیاسی پریشر ڈال رہے ہیں۔

نومبر میں مشرقی ایشیاء کی کانفرنس میں پیوٹن کو بلایا گیا تھا کیونکہ روس کی ایشیاء میں تیل کی سپلائی کے لیے اہمیت بڑھ رہی ہے۔ روسی صدر نے 2008ء میں 6 ملین کیوبک میٹر گیس ساؤتھ کوریا اور ٹوکیو کو فراہم کرنے کی پیشکش کی۔ دسمبر میں روس نے پائپ لائن کی مرمت کا کام شروع کیا

جس پر 5 بلین ڈالر لاگت آئے گی اس پائپ لائن سے جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک کو گیس سپلائی ہوتی ہے۔ گیس پر وم نے یوکرائن سے اب گیس کی زیادہ قیمت کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ مطالبہ صرف دھمکی نہیں بلکہ یورپی ممالک کو گیس کی سپلائی بھی روک دی گئی۔

روس کے اخبارات نے چین کے ساتھ گیس کے حالیہ معاہدے کو بہت اہم قرار دیا ہے ان کے مطابق روس کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور یہ معاہدے نہ صرف چین کے ساتھ ہوئے ہیں بلکہ مشرقی ایشیاء کے دیگر ممالک کے ساتھ بھی ہیں اس طرح روس کا یورپی ممالک کو تیل کی سپلائی کا انحصار کم ہوگا اور چین کا یہ معاہدہ روس میں انقلاب لائے گا۔ وڈومنری کے مطابق 2011ء تک نہ صرف یورپ بلکہ ایشیاء بھی روس کی گیس پر انحصار کرے گا۔

اب روس اور چین مل کر امریکہ کے عراق اور افغانستان قبضے اور وسطی ایشیاء میں اس کی افواج کی موجودگی کے حوالے سے اپنی خارجہ پالیسیاں ترتیب دے رہے ہیں جبکہ امریکہ روس کے خلاف اس کی سابقہ ریاستوں اور چین کے خلاف اپنے اتحادیوں جاپان' جنوبی کوریا' آسٹریلیا اور انڈیا کو استعمال کر رہا ہے۔

روس اور چین نہ صرف تجارتی حوالے سے متحد ہیں بلکہ دفاعی حوالے سے بھی متحد ہیں۔ روسی اور چینی صدر مشترکہ طور پر مفادات کے حصول کے لیے متحد ہوئے ہیں ان کے اتحاد سے امریکہ کو ایران کے خلاف اقتصادی پابندیوں اور حملے میں رکاوٹ کا سامنا ہوگا۔

ایران اور روس کا امریکہ کے خلاف نیا اتحاد

ایرانی وزارت خارجہ کے افسران دانتوں میں انگلیاں دبائے بیٹھے تھے کہ اس روسی پیشکش کا کیا جواب دیا جائے جس نے ایران کے مقتدر حلقوں میں سنسنی دوڑا دی تھی۔ عالمی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ دوست احباب بھی ایران پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ روسی پیشکش کا جواب دینے کے لیے دفتر خارجہ میں یہ آخری اعلیٰ سطحی اجلاس تھا۔ ''یہ درست ہے کہ روس ہمارا پرانا دوست ہے۔ ہم اس پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔ ہماری یہ دوستی گزشتہ ڈیڑھ دہائیوں میں وقت کی کئی آزمائشوں پر پوری اتری ہے۔ اس کی یہ موجودہ پیشکش بھی اگرچہ روس کی ہمارے ساتھ دوستی کی مظہر ہے لیکن مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم اس پیشکش کو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ روس کی پیشکش قابل عمل نہیں ہے اس پیشکش کو ایرانی حکومت تو کجا ایک عام ایرانی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ ایران کا جوہری پروگرام کسی دوسرے ملک میں منتقل کرنا تو بہت دور کی بات ہے ہم اس وقت کسی دوسرے شہر میں بھی منتقل نہیں کریں گے۔ ایسا کرنا ایک طاقتور ایران بنانے کے عزم سے سرمو انحراف کے مترادف ہوگا ہم ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ایران کا ایٹمی پروگرام روس منتقل کرنے کے حوالے سے ہم روس کی پیشکش شکریہ کے ساتھ مسترد کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک ناقابل عمل تجویز ہے۔'' وزیر خارجہ کے اختتامی کلمات کے بعد اجلاس برخاست کر دیا گیا۔ یہ اس سلسلے کا حتمی اجلاس تھا۔

ایران روس کا پرانا ''پولیٹیکل'' اتحادی ہے۔ روسی حکمران خطے میں امریکہ کی بڑھتی ہوئی مداخلت اور دلچسپی کے پیش نظر ایران کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ایران کے روس کے ساتھ دفاع کے شعبے میں روایتی اور غیر روایتی تعاون کے کئی معاہدے موجود ہیں۔ روس ایران کو جدید اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ ایٹمی شعبے میں بھی روس نے ایران کی بھرپور معاونت کی ہے۔ روس کی طرف سے ایران کو ایٹمی پروگرام اپنے ملک منتقل کرنے کی پیشکش بھی دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ روس واضح طور پر دیکھ رہا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی خطے میں اس کے اثر و رسوخ کو مسلسل کم کرنے کے درپے ہیں اور اس مقصد کے لیے نہ صرف چین بلکہ روس کے گرد بھی گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے لیکن آج روس اسی اور نوے کی دہائی کے آخر والا روس ہرگز نہیں رہا۔ گزشتہ ڈیڑھ دہائی میں اس نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ روس دوبارہ خطے میں اپنے آپ کو مضبوط کر رہا ہے۔ افغانستان میں ملنے والا زخم بھلا کر اب روس پاکستان کے ساتھ بھی اپنے تعلقات استوار کر رہا ہے۔ روس بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ امریکہ اس خطے میں تحفظ کے لیے گھس رہا ہے۔ اس سے واضح طور پر خود روس کے مفادات پر زد پڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ روس خطے میں اپنے مفادات کے

تحفظ کے لیے نیا گیم پلان تیار کر چکا ہے۔ روس کا یہ گیم پلان بڑا دلچسپ ہے۔ امریکی منصوبہ سازوں کی سمجھ میں اب یہ گیم پلان آ رہا ہے لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد جب درجنوں نئی ریاستوں نے جنم لیا اور سوویت یونین کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو کریملن نے اس پر طیش کھانے کے بجائے جاپانی فلاسفی پر عمل کیا یعنی شکست کا غم سینے سے لگائے رکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر کے خود کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ روس کی خاموشی کا عمل پندرہ برس پر محیط رہا ہے۔ اس دوران امریکہ نے پہلے 90ء کے آغاز میں عراق پر حملہ کیا تو خاموش رہا پھر 2001ء کے اختتام پر امریکہ نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بھی روس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کے دو سال بعد ہی جب امریکہ بغداد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو بھی روس کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت ظاہر نہیں کی گئی۔ ان گزرے ہوئے پندرہ برسوں میں واحد عالمی سپر پاور ہونے کے زعم میں امریکہ مسلسل مصروف کار رہا ہے۔ امریکہ نے اپنی توانائیاں صرف بھی کی ہیں جبکہ روس کو بھرپور موقع ملا کہ وہ اپنی غلطیوں سے نہ صرف یہ کہ سبق سیکھے بلکہ خود کو سمیٹتا بھی رہے اور اپنی توانائیوں کو کسی خاص اور ضروری وقت کے لیے بچا کر بھی رکھے۔ خود امریکیوں کو بھی اس ساری صورتحال کا ادراک ہے لیکن اسے یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ وہ فطرت کا پہیہ متعین رخ پر چلنے سے روک سکے۔

اسی گیم پلان کے ایک اہم حصے کے طور پر روس نے خاموش رہ کر اپنے اتحادیوں کو مضبوط بنانے کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے ایران کے ساتھ روس کا جوہری تعاون اس کی عمدہ مثال ہے۔ روس کی طرف سے ایران کو ملنے والا بہت سا اسلحہ افغانستان اور عراق میں اتحادی افواج کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ 2002ء میں ایران میں اپنے پہلے دورے کے دوران روس کے اول نائب وزیر خارجہ ویاچیسلیف ٹربنی کوف نے کہا تھا ''روس امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا کہ ایران برائی کا محور ہے۔ ایران خطے کا ایک ذمہ دار ملک اور روس کا اتحادی دوست ملک ہے۔'' روس کی اس سوچ کے پیچھے کئی عوامل کارفرما ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امریکہ کے برعکس روس کو کبھی بھی کسی ملک کے تباہ کن ہتھیاروں سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ نہ ہی اس نے کبھی اس حوالے سے شور مچایا ہے۔ حتیٰ کہ روس نے کبھی اپنے قریبی حریف چین کے خلاف بھی اس طرح کا پروپیگنڈا نہیں کیا۔ روس کو جہاں بھی یہ خطرہ محسوس ہوا ہے کہ امریکہ وہاں اپنی عسکری قوت بڑھا رہا ہے وہاں روس نے خطے کے اتحادی ممالک کو عسکری لحاظ سے مضبوط کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ شمالی کوریا' لیبیا' شام' عراق اور اب ایران اس کی واضح مثالیں ہیں۔ یہ بات بھی بڑی دلچسپی کی حامل ہے کہ مذکورہ ممالک روسی اسلحے کی بڑی مارکیٹیں ہرگز نہیں ہیں لیکن روس نے اپنے تعلقات پر آنچ نہیں آنے دی۔ مذکورہ ممالک میں سے اس وقت ایران ہی ایسا واحد ملک ہے جو پورے قد کے ساتھ امریکہ کے مقابلے میں کھڑا ہے۔ عراق اس وقت امریکہ کے مقابلے میں کھڑا ہے۔ امریکہ کا دست نگر ہے۔ شمالی کوریا کے ساتھ معاملات طے پا چکے ہیں۔ شام حالات سے مجبور جان کنی کی حالت میں ہے جبکہ لیبیا نے بھی گزشتہ برس گھٹنے ٹیک دیئے تھے اس لیے روس ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کا ایران جیسا اہم اتحادی بھی امریکہ کے سامنے بے دست و پا ہو کر رہ جائے۔ ایران کے ساتھ روس کے حد سے بڑھے ہوئے عسکری اور جوہری تعاون کی وجہ بھی بظاہر یہی ہے۔

سرد جنگ کا دور ختم ہونے کے بعد عالمی سطح پر اسلحے کی کھپت میں کافی کمی واقع ہوئی ہے یوں بھی روس کو ایران' شام' چین اور انڈیا جیسے ممالک کی بطور گاہک ضرورت ہے جو اس کا کم قیمت اسلحہ خرید سکیں۔ روس ان ممالک کو اپنی عسکری' جوہری اور میزائل ٹیکنالوجی دھڑا دھڑ فروخت کر رہا ہے۔

گزشتہ برس ایران نے اپنے جس پہلے میزائل کا تجربہ کیا تھا اس کی ٹیکنالوجی بھی ایران نے روس سے ہی حاصل کی تھی۔ روس کی یہ حکمت عملی اور گیم پلان انتہائی کامیاب رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نہ صرف اس خطے میں روس مضبوط ہوا ہے بلکہ 2001ء کے بعد روس اسلحے کا سب سے بڑا ایکسپورٹر بھی بن کر ابھرا ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں روس نے دنیا کے بیشتر ممالک کو چالیس فی صد اسلحہ برآمد کیا جو امریکہ سمیت دنیا کے دیگر اسلحہ ساز ممالک سے کہیں زیادہ ہے۔ اگرچہ روسی اسلحے کا وہ معیار نہیں ہے لیکن روس کی حکمت عملی یہی رہی ہے کہ دنیا کو زیادہ سے زیادہ اسلحہ انتہائی مناسب قیمت پر فروخت کیا جائے۔ روس کی گیم پلان یا بساط کا تیسرا مرحلہ اب شروع ہو رہا ہے۔ افغانستان اور عراق میں گردن تک امریکہ کو پھنسانے کے بعد اب روس کی خواہش ہے کہ امریکہ کوئی تیسرا محاذ بھی کھول لے تاکہ وہ اپنی ہی طاقت سے خود کو ختم کر لے لیکن اب ایران کو اپنے لیے ترنوالہ بنانے کے لیے 2004ء میں امریکی سی آئی اے نے تہران کو جوہری بموں کے کچھ ایسے ڈیزائن دیئے تھے جن میں خفیہ طور پر کئی نقائص چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اگر ان ڈیزائنوں کے مطابق جوہری ہتھیار تیار کرنے کی کوشش کی جاتی تو نہ صرف یہ کہ ایران اس میں کامیاب نہ ہوتا بلکہ امریکہ کو قبل از وقت پتہ بھی چل جاتا۔'' گزشتہ دنوں لاس اینجلس ٹائمز نے یہ سٹوری بریک کر کے ہر طرف سنسنی پھیلا دی۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق ایران نے جوہری بموں کے یہ نمونے روسی سائنسدانوں کو دکھائے تو انہوں نے اس راز کو فاش کر دیا جس پر ایران سی آئی اے کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنے سے بچ گیا۔ سی آئی اے کی اس سازش کے بعد ایران جوہری حوالے سے عالمی مارکیٹ سے کچھ بھی خریدنے کے معاملے میں انتہائی محتاط ہو گیا ہے۔ ابھی حال ہی میں ''بش انتظامیہ کی سی آئی اے کی خفیہ تاریخ'' نامی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں اس حوالے سے کافی تفصیل موجود ہے۔ نیویارک ٹائمز کے اعلیٰ حکام کے مطابق یہ رپورٹ انہیں بھی ملی تھی لیکن وائٹ ہاؤس کی درخواست پر انہوں نے یہ رپورٹ شائع نہیں کی۔ اس وقت جسٹس ڈیپارٹمنٹ تحقیقات کر رہا ہے کہ اس سطح کی خفیہ اطلاعات ''لیک'' کس طرح ہوئیں۔ نیویارک ٹائمز نے یہ رپورٹ ایک برس تک شائع نہیں کی لیکن لاس اینجلس ٹائمز کے سبقت لے جانے پر انہوں نے وائٹ ہاؤس سے کافی احتجاج بھی کیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق سی آئی اے حکام کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ انہوں نے ایران کو جوہری بموں کے ڈیزائن کے بلیو پرنٹس میں جو نقائص چھوڑے ہیں وہ روسی سائنسدانوں اور آلات سے چھپے نہ رہیں گے۔ یہ ڈیزائن ایران کو بیچنے کے لیے سی آئی اے نے مڈل مین استعمال کیے تھے مبادہ کہ ایرانیوں کو شک نہ پڑ جائے۔ سب سے دلچسپ امر یہ ہے کہ سی آئی اے نے مڈل مین کے لیے روسی کمپنی کو استعمال کیا تھا۔ رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ڈیزائنوں میں موجود نقائص دور کرنے کے بعد یہ اکیسویں صدی کے جدید ترین جوہری بموں کے نمونے بن جاتے ہیں۔ امریکہ کے لیے اس وقت مصیبت یہ ہے کہ اس نے خود یہ ڈیزائن ایران کے حوالے کیے ہیں۔ آج اگر ایران دنیا کی دوسری اسلامی ایٹمی طاقت بن جاتا ہے تو اس کا سارا ''گناہ'' خود امریکہ کے اپنے سر جاتا ہے۔ آج اگر امریکہ ایران کو برائی کا محور قرار دیتا ہے تو یہ دراصل کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے کے مترادف ہے۔

روس کے ایران کے ساتھ جس طرح کے جوہری' معاشی اور جغرافیائی تعلقات ہیں ان میں اگر امریکہ ایران پر حملہ آور ہوتا ہے تو روس کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ وہ خود کو اس ساری صورت حال میں الگ تھلگ رکھ سکے۔ حملے کے بڑھتے ہوئے خدشات کے پیش نظر ایران کی سب سے بڑی

خواہش یہی ہے کہ وہ امریکہ کو عراق کے قضیئے میں الجھائے رکھے۔ گزشتہ اڑھائی برس سے ایران کو اس حکمت عملی میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ امریکہ اس صورتحال سے کس طرح نبٹتا ہے اس وقت امریکہ کے پاس کئی آپشنز ہیں۔ کوئی واضح راستہ نہ پا کر دیوار سے بھیگی بلی کی طرح انتہائی حواس باختگی کے عالم میں امریکہ ایران کی جوہری تنصیبات پر بڑا حملہ کر سکتا ہے لیکن ایسا اس لیے ممکن دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اسی طرح کے حملے کی مشرق وسطیٰ اور خود یورپ کی طرف سے ازحد مخالفت کا امکان بدرجہ اتم موجود ہے۔ علاوہ ازیں ایران کے اندر سے زبردست مزاحمت ہوگی' اس طرح کے حملے سے بچنے کے لیے ایران نے اپنی جوہری تنصیبات کسی ایک جگہ بنانے کی بجائے ملک بھر میں پھیلا رکھی ہیں۔ امریکہ کی بہت زیادہ سپاہ عراق میں پھنسی ہوئی ہے اس لیے شاید خود امریکہ بھی اس آپشن پر زیادہ توجہ نہ دے۔ امریکہ کے پاس دوسرا آپشن یہ ہے کہ وہ ایران میں پہلے سے جاری پابندیاں نہ صرف برقرار رکھے بلکہ مزید تجارتی' اقتصادی اور عسکری پابندیاں عائد کرتا رہے۔ یہ بڑی آسان حکمت عملی ہے اور اس کے دوررس اثرات بھی مرتب ہوتے رہیں گے لیکن اس سے ایران کی جوہری تنصیبات کے حوالے سے کوئی فوری تبدیلی ممکن نہیں ہو سکے گی۔ پابندیوں سے تہران کو عالمی سطح پر تنہا کرنے میں مدد ملتی رہے گی۔ کیوبا اور عراق کے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے امکان یہی ہے کہ امریکہ اسی حکمت کو جاری رکھے گا۔ ایران کی موجودہ حکومت کو گرانا بش انتظامیہ کے لیے ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ آخری آپشن یہ ہے کہ امریکہ اپنے اتحادی اسلامی ممالک' بین الاقوامی جوہری توانائی کے ادارے (IAEA) اور اقوام متحدہ کے ذریعے کثیر الجہتی ڈپلومیسی جاری رکھے اور ایران کو اس بات پر راضی کر لے کہ وہ ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کے لیے یورینیم افزودہ کرنے سے باز رہے۔ اس مقصد کے لیے امریکہ کئی طرح سے اور کئی حوالوں سے تہران کے ساتھ گفتگو جاری رکھے ہوئے ہے لیکن امریکہ اور تہران دونوں جانتے ہیں اس ڈپلومیسی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جس قدر وقت گزرتا رہے گا اس کا زیادہ فائدہ ایران کو پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایران نے کبھی ڈپلومیسی سے انکار نہیں کیا۔ ایران یورپی یونین اور دیگر عالمی برادری کے ساتھ اپنے تعلقات کی نزاکت اور اہمیت کو بخوبی سمجھتا ہے۔ ایران کو ایٹمی قوت بننے سے روکنے کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادی ہر وہ راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار دکھائی دیتے ہیں جس سے ان کی مرادیں بھر آئیں۔ آج کل ایران کی بھارت کے ساتھ گاڑھی چھن رہی ہے۔ گیس و تیل پائپ لائن کے معاملے پر بھی ایران کے بھارت کے ساتھ مفادات وابستہ ہیں۔ دوسری طرف امریکہ نے بھارت کے ساتھ کئی عسکری اور جوہری معاہدوں پر دستخط کر رکھے ہیں۔ امریکہ بھارت کو اپنا اسٹریٹیجک پارٹنر بھی قرار دے چکا ہے۔ ایران کو ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے سے باز رکھنے کے لیے امریکہ بھارت کو بھی استعمال کر رہا ہے۔ بھارت کی طرف سے اس مرتبہ اپنے یوم آزادی کے موقع پر سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کو بطور مہمان خصوصی شرکت کے لیے دعوت اور آمد نے ایران کے کان کھڑے کر دیئے ہیں کیونکہ ایران کے ماضی میں کبھی بھی سعودی عرب سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔ اس کے برعکس کئی دہائیوں تک دونوں ممالک کے درمیان سفارتی روابط بھی انتہائی اونچ نیچ کا شکار رہے۔ ماضی میں سعودی عرب نے مسئلہ کشمیر پر ہمیشہ پاکستانی مؤقف کی نہ صرف حمایت کی بلکہ وہ مسئلہ کشمیر کے ایک خاموش فریق کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ سعودی عرب امریکہ کا بھی اتحادی ہے اور ''دہشت گردی'' کے خلاف عالمی جنگ میں امریکہ اور سعودی عرب کافی عرصہ سے ایک ہی محاذ پر نبرد آزما ہیں۔ شاہ عبداللہ کو اپنے جشن آزادی میں شرکت کے لیے بھارت امریکہ کو بھی استعمال کر رہا ہے اگر اس معاملے پر امریکہ نے بھارت کی مدد کی تو یقیناً اس کے جواب

میں وہ بھی اپنے مطالبات رکھے گا اور اس وقت اس کا اہم ترین مطالبہ یہی ہے کہ بھارت سفارتی محاذ پر ذاتی حوالے سے ایران پر دباؤ ڈالے۔ یہ دباؤ کئی لحاظ سے اس وقت نظر بھی آتا ہے جب تیل و گیس پائپ لائن کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ اگرچہ کافی عرصہ کے بعد گزشتہ برس ایران کے سعودی عرب کے ساتھ تعلقات معمول کی سطح پر آنے کے لیے پیش رفت شروع کی گئی تھی۔ اطراف میں اعتماد کی کمی کے باعث یہ عمل سرعت کے بجائے سست روی کا شکار ہو گیا۔ عالمی سطح پر ایران کو تنہا کرنے کے لیے امریکہ نے بڑی وسیع بساط بچھا رکھی ہے لیکن اس کو کامیابی نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ایران کی ''جیوسٹریٹیجک'' پوزیشن ایسی ہے جو اسے بیرونی حملے سے اب تک بچائے چلے جا رہی ہے۔ ایران کی جیوسٹریٹیجک اہمیت کم کرنے کے لیے امریکہ کو کافی طویل انتظار کرنا پڑے گا۔ اتنا طویل انتظار کہ تب تک شاید ایران کے ہاتھ اس کا ''گوہر مقصود'' آ جائے اور دنیا دیکھتی ہی رہ جائے۔

وہ اہم ممالک جنہیں امریکہ نے ''برائی کا محور'' قرار دے رکھا ہے ان میں ایک ایران بھی شامل ہے۔ افغانستان کے بعد عراق پر حملہ ہوا تو سوال ابھرنا شروع ہو گئے کہ اب امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا نیا نشانہ کون سا ملک ہوگا۔ شام کی سرحدوں پر خطرے کا سورج کسی حد تک سرنگوں ہونے لگا تو امریکہ کا اگلا ہدف واضح ہو گیا' یہ ایران تھا۔ اگر بغداد سے موصل اور مادی سے بصرہ تک عراقی مزاحمت کاروں نے اتحادی افواج کو ناکوں چنے نہ چبوا دیئے ہوتے تو اس وقت تہران کی گلیوں اور بازاروں میں آگ اور خون کا کھیل شروع ہو چکا ہوتا۔ یہ ایران کی خوش قسمتی ہے کہ اب تک کئی عوامل اسے کسی بڑے امتحان سے بچاتے چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان میں یہ بحث بڑی شد و مد سے جاری ہے کہ اگر کسی بھی ممکنہ و غیر ممکنہ صورتحال میں امریکہ نے ایران پر حملہ کر دیا تو اس صورتحال میں پاکستان کا کیا کردار ہوگا؟ عراق کے معاملے میں پاکستان کا اتنا اہم کردار اس لیے بھی نہیں رہا تھا کہ عراق کے ساتھ نہ تو پاکستان کی کوئی سرحد ملتی ہے اور نہ ہی ماضی میں پاکستان کے ساتھ عراق کے روابط کبھی دوستانہ رہے تھے بلکہ عراق بھارت تعلقات کے تناظر میں دونوں اسلامی ممالک کے درمیان ایک قسم کی سرد مہری پائی جاتی تھی لیکن ایران کے معاملے میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ایران پہلا ملک ہے جس نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ ایران کے ساتھ پاکستان کی طویل سرحد بھی لگتی ہے اور پاک ایران تعلقات ہمیشہ دوستانہ اور انتہائی خوشگوار رہے ہیں۔ افغانستان کے حوالے سے پاکستان کے کردار کے پیش نظر اکثر تجزیہ نگار یہی کہتے ہیں کہ پاکستان امریکہ کا ساتھ دے گا اور شاید افغانستان کی طرح ایران کے معاملے میں بھی ''لاجسٹک سپورٹ'' فراہم کی جائے لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ افغانستان کی صورتحال یکسر مختلف تھی۔ ایران کا معاملہ قطعاً اس کے برعکس ہے۔ ایران کے معاملے میں پاکستان امریکہ کو اس قسم کی معاونت فراہم نہیں کر سکتا۔ طویل سرحد اور پرانی دوستی کے پیش نظر پاکستان کے لیے یہ بھی ناممکن ہوگا کہ وہ خود کو اس ساری صورتحال سے الگ کر لے اس مقصد کے لیے پاکستان کی بھرپور کوشش ہے کہ یہ سارا معاملہ پرامن طریقے سے حل ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے پاکستان نے دنیا کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا ہے۔ خود عالمی ادارے معترف ہیں کہ پاکستان نے عالمی جوہری توانائی کے ادارے (IAEA) کے ساتھ ہمیشہ بھرپور تعاون کیا ہے۔ گزشتہ برس یکم دسمبر کو جب آئی اے ای اے کے ڈائریکٹر جنرل محمد البرادی اسلام آباد کے دورے پر آئے تو انہوں نے اس کا برملا اعتراف بھی کیا۔ ''پاکستان ہم سے بہترین تعاون کر رہا ہے۔ میں یہ مکمل طور پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ گزشتہ برس سے پاکستان نے ہمارے ساتھ جس طرح تعاون کیا' اس سے ایران کے

حوالے سے بے شمار معاملات اور مسائل حل کرنے میں مدد ملی ہے۔'' یہ البرادی کا کہنا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے پاکستان خطے میں کسی بھی طرح کی ناخوشگوار اور منفی صورتحال سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے لیکن جب معاملات میں زیادہ گہرائی میں جانے کے لیے البرادی نے ایران کے ساتھ جوہری تعاون کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے براہ راست ملاقات نما تفتیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اسے مثبت جواب نہیں ملا بلکہ حکومت پاکستان کی طرف سے اسے بچگانہ خواہش اور پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا گیا۔ اس ساری صورت حال میں یہ کہنا کہ اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو پاکستان امریکہ کو ''لاجسٹک سپورٹ'' قسم کی کوئی معاونت فراہم کرے گا یا امریکہ کا ساتھ دے گا تو یہ ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ خطے میں اس طرح کی کوئی گڑبڑ پاکستان کے مفاد میں بھی نہیں ہے اس لیے پاکستان نے امریکہ اور عالمی اداروں کو اپنا ہر طرح کا تعاون پیش کر دیا ہے تاکہ یہ معاملہ پُرامن طریقے سے نبٹایا جا سکے۔

ایران، امریکہ تنازعہ کا حل
ایک امریکی کی نظر میں

آج جب امریکہ اور اس کے یورپی اتحادی ایران کے ایٹمی خطرے پر قابو پانے کے لیے غور و فکر کر رہے ہیں، آیئے ذرا اس امر کا بھی جائزہ لیں کہ بش انتظامیہ نے اس معاملے سے نمٹنے میں کتنی ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے پانچ سالہ دور اقتدار میں اس انتظامیہ نے ہر وہ موقع گنوا دیا جس پر ایران کے ساتھ تعلقات کو زیادہ مثبت مساواتی قوس پر مبنی رخ دیا جا سکتا تھا۔

11 ستمبر کے حملوں کے بعد تہران نے واشنگٹن کو افغانستان میں طالبان حکومت کا تختہ الٹ کر ایک نئے سیاسی نظام کے قیام میں مدد دینے کی پیشکش کی تھی لیکن صدر بش نے اس کے جواب میں 2002ء کے اپنے سٹیٹ آف دی یونین (State of the Union) خطاب میں ایران کو برائی کے محور (Axil of Evil) کا حصہ قرار دے دیا۔ جلد بازی میں کیے گئے اس اعلان سے کوئی ایسی مدبرانہ حکمت عملی اختیار کرنے کا راستہ بند کر دیا گیا جس کے تحت ایران کے تعاون سے افغانستان میں کسی بہتر تزویراتی راہ کار کو اپنایا جا سکتا تھا۔

2003ء کے موسم بہار میں کچھ ہی عرصہ پہلے ایران کی وزارت خارجہ نے واشنگٹن کو باہمی اختلافات جامع مذاکرات کے ذریعے طے کرنے کے لیے ایک مفصل تجویز بھیجی۔ اس تجویز میں اس امر کو تسلیم کیا گیا تھا کہ ایران کو اپنے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام اور اسرائیل مخالف دہشت گرد تنظیموں کی حمایت کرنے پر امریکی تشویش کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اس تجویز کو رہبر (سپریم لیڈر) آیت اللہ علی خامنائی سمیت ایرانی حکومت کے اعلیٰ اختیاراتی مرکز میں شامل تمام اہم شخصیتوں کی حمایت حاصل تھی۔ حکومت چھوڑنے کے فوراً بعد میری ملاقات ایک قدامت پسند اعلیٰ ایرانی عہدیدار سے ہوئی جس میں انہوں نے پُرزور انداز سے اس تجویز کی حمایت کی۔ بدقسمتی سے امریکہ نے اس کا جواب محض یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہوئے دیا کہ وہ سوئس سفارتکار جنہوں نے اس تجویز پر مشتمل دستاویز تہران کی طرف سے واشنگٹن کو پہنچائی تھی رابطے میں نہیں ہیں۔

آخر کار اکتوبر 2003ء میں یورپی ممالک نے ایران کو اپنا یورینیم افزودگی کا پروگرام معطل کرنے پر راضی کر لیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مذاکرات کی راہ اپنائی جائے جو شاید اقتصادی ایٹمی اور تزویراتی معاہدے پر منتج ہو جائے لیکن بش انتظامیہ نے اس یقین کے ساتھ یورپی ممالک کی اس کوشش میں شامل ہونے سے انکار کر دیا کہ یہ مذاکرات ناکام ہو جائیں گے۔

اب واشنگٹن اور اس کے اتحادیوں کو ایران کے نیوکلیئر پروگرام سے نمٹنے کے لیے دو غیر دلکش راستوں کا سامنا ہے۔ وہ یہ معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سپرد کر سکتے ہیں لیکن ایک ایسے وقت میں جب توانائی کی مارکیٹیں انتہائی سخت حالات کا شکار ہیں' کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ ایرانی تیل کی فروخت پر پابندی عائد کر دی جائے۔ دیگر زیر غور اقدامات میں چین اور روس کے سوا دیگر ممالک کی جانب ایرانی حکام کے سفر پر پابندیاں عائد کرنا شامل ہے لیکن اس سے ایران کی فیصلہ سازی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لیے کہ اپنے پیش رو کے برعکس صدر محمود احمدی نژاد یورپی دارالحکومتوں میں جانے کا ''اعزاز'' حاصل کرنے سے شدید نفرت کرتے ہیں۔

دوسرا متبادل راستہ یہ ہے کہ امریکہ (یا اسرائیل) ایران کی جوہری تنصیبات پر حملہ کر دے لیکن اس میں یہ دشواری حائل ہے کہ یہ تنصیبات پورے ایران میں پھیلی ہوئی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ایسے کسی حملے کی منصوبہ بندی کرنے والے تمام مطلوبہ اہداف کے بارے میں پوری معلومات نہ رکھتے ہوں' مزید برآں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حملہ توقع کے برعکس نتائج ظاہر کرتے ہوئے ایران کی جانب سے جوہری صلاحیت کے حصول کا عزم مزید پختہ کر دے۔

کیا اس تزویراتی بند گلی سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ ایران کے ساتھ نیوکلیئر پروگرام پر سفارتی روابط جو کبھی بھی آسان نہیں رہے' اب واشنگٹن کی ناقص پالیسیوں اور ایران میں نئے سیاسی رجحانات کی وجہ سے مزید مشکل ہو گئے ہیں۔ گزشتہ برس سابق صدر علی اکبر رفسنجانی کے مقابلے میں احمدی نژاد کی فتح ظاہر کرتی ہے کہ ایرانیوں کی نمایاں اکثریت نے رفسنجانی کے بدعنوانیوں سے آلودہ ماضی اور مغرب کے ساتھ مصالحت سے متعلق ان کے رویے کو مسترد کرتے ہوئے احمدی نژاد کی مقبول قوم پرست پالیسی کی حمایت کر دی ہے۔ اس کے علاوہ احمدی نژاد نے اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کے بارے میں جو بلند آہنگ اعلان کیا ہے اس کی وجہ سے مستقبل میں مغرب کی طرف سے ایران کے ساتھ مذاکرات کا فیصلہ نہایت تکلیف دہ ہوگا۔

ان حالات نے امریکہ اور ایران کے مابین سفارتی حل کے امکانات کو مخدوش کر دیا ہے۔ وہ ایرانی حکام جو آیت اللہ خامنائی سے گہری وابستگی رکھتے ہیں' اپنی نجی گفتگو میں مسلسل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایران کی خارجہ پالیسی کے بارے میں فیصلے کرنے والا سب سے بڑا ادارہ ''نیشنل سکیورٹی کونسل'' واشنگٹن کے ساتھ تزویراتی مذاکرات کے حق میں ہے لیکن عوام میں مقبول منتخب صدر احمدی نژاد امریکہ کے ساتھ کسی ''بڑی سودے بازی'' کی آسانی سے مزاحمت کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ قدرے مثبت تزویراتی حوالے سے عراق اور اس جیسے دیگر باہمی مفادات پر مبنی معاملات پر مذاکرات کا آغاز کیا جا سکتا ہے لیکن اس ضمن میں بھی یہی خدشہ ہے کہ ان کا نتیجہ افغانستان پر مختصر سی مدت کے تعاون کے تجربے سے مختلف نہیں ہوگا۔

سعودی عرب کے وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل نے اس پھنسی ہوئی صورتحال سے نکلنے کے لیے ایک تجویز دی ہے جو خلیج فارس میں درپیش دیگر چیلنجوں کے حل میں بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ سعودی شہزادے نے واضح کیا ہے کہ اگر ایرانی ایٹمی ہتھیار اسرائیل کے خلاف استعمال کیے

گئے تو ان سے فلسطینی بھی مریں گے اور اگر وہ کسی وجہ سے اسرائیل کو نشانہ بنانے میں ناکام رہے تو عرب ممالک ان کی زد میں آجائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایران پر زور دیا ہے کہ ''ایران اس مؤقف کو قبول کرلے جو ہم نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ خلیج کو مشرق وسطیٰ کا حصہ بناتے ہوئے اس پورے علاقے کو جوہری اسلحے اور وسیع پیمانے کی تباہی کے حامل ہتھیاروں سے پاک قرار دے دیا جائے۔''

سعودی وزیر خارجہ کا یہ الزام کہ مشرق وسطیٰ میں جوہری اسلحے کی دوڑ اسرائیل نے شروع کی ہے اس کے نتیجے میں ''جوہری اسلحے سے پاک خلیج'' سے پہلے علاقائی سطح پر نیوکلیئر فری زون کا قیام لازمی ہوگا۔ اس سے اس باریک نقطے کے معانی میں فرق کا ادراک کیا جاسکتا ہے کہ عالم عرب عرصہ دراز سے اس امر پر اصرار کرتا چلا آرہا ہے کہ اسرائیل کو جوہری استعداد سے محروم کیے بغیر اس علاقے میں ہتھیاروں پر کنٹرول کے عمل کا آغاز نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو چاہیے کہ وہ اس تجویز پر سنجیدگی سے غور کریں اور ایک ''خلیج سکیورٹی کونسل'' کے قیام میں مدد فراہم کریں جس میں ایران، عراق، سعودی عرب اور خلیج کی دیگر عرب ریاستوں کے علاوہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچوں مستقل ارکان بھی شامل ہوں۔

خلیج سکیورٹی کونسل امریکہ کے روایتی سکیورٹی پارٹنرز کی جگہ نہیں لے گی بلکہ یہ بھی اس کے متوازی کام کرتی رہے گی اور اس طرح کا کردار ادا کرے گی جو یورپ میں سکیورٹی اور تعاون کی تنظیم (او ایس سی ای) نے نیٹو کی موجودگی میں ادا کیا۔ یہ مجوزہ کونسل ایک ایسا فریم ورک فراہم کرے گی جس کے تحت امریکہ اس امر کی ضمانت دے سکے گا کہ وہ اس شرط پر ایران کی سرحدیں یا اس کی حکومت تبدیل کرنے کے لیے کوئی کارروائی نہ کرے کہ ایران این پی ٹی سمیت علاقائی سطح پر ایٹمی عدم پھیلاؤ، دہشت گردی کی روک تھام اور حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں سے متعلق مسلمہ ضوابط کی پابندی کرنے کا عہد کرے۔ اس سے ان ممالک کو جنہیں ایران کے جوہری پروگرام سے تشویش لاحق ہے اطمینان حاصل ہوجائے گا کہ وہ اپنی جوہری سرگرمیوں کے بارے میں کیے گئے وعدوں کی پاسداری کرے گا۔ مزید برآں ایران پر اس ضمن میں مسلمہ معیارات پر پورا اترنے کے لیے زور دینے کو چین اور روس بھی قبول کرلیں گے کیونکہ وہ ایٹمی عدم پھیلاؤ کے بارے میں امریکہ کی طرف سے ازسرنو کی گئی تشریح کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس فریم ورک کے لیے عراق سے ''مربوط گروپ'' کے قیام میں بھی مدد ملے گی اور اس سے احمدی نژاد کے حامیوں سمیت ایران کی مجموعی سیاسی ساخت کو اس امر کا اطمینان حاصل ہوسکے گا کہ وہ علاقے میں ایران کے ممتاز کردار سمیت وہ سب کچھ کرسکے گی جو اس کی آرزو ہے۔ اس تجویز پر عملدرآمد سے نہ صرف ایران کے نیوکلیئر پروگرام کو قابو کرنے میں مدد ملے گی بلکہ یہ چیز عراق میں بھی استحکام کا سبب بنے گی کیونکہ مجوزہ کونسل میں ایران اور سعودی عرب کی شمولیت سے یہ دونوں ملک قریب آجائیں گے جس سے اس پورے خطے میں شیعہ اور سنی مسلک کے لوگوں میں باہمی رواداری پیدا کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ایران کے جوہری مسئلے کے سفارتی حل کا راستہ بھی ہاتھ سے نہیں نکلا لیکن اس مقصد کے لیے کامیاب سفارتکاری کے لیے ایک جرأت مندانہ اور جدید ''وژن'' درکار ہوگا۔ شاید اس طرح اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان ایران کے معاملات پر غور وخوض کے لیے اپنا آئندہ اجلاس لندن کی بجائے ریاض میں منعقد کریں۔

فلنٹ ریپورٹ امریکہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل کے مشرق وسطیٰ کے امور سے متعلق شعبے کے ڈائریکٹر رہے ہیں اور اس وقت وہ بروکنگز انسٹی ٹیوٹ میں مشرق وسطیٰ کی پالیسی کے مرکز کے سینئر فیلو ہیں۔

اسرائیل، امریکہ پر بوجھ

اسرائیل امریکہ پر ایک بوجھ ہے۔ امریکہ کو اسرائیلی حمایت کے نتیجے میں دہشت گردی کا سامنا ہے۔ یہ بیان کسی مسلمان لیڈر یا دانشور نے نہیں دیا ہے بلکہ اسرائیلی لابی پر لکھے گئے ایک جامع مضمون کا لب لباب ہے جو LONDON REVIEW OF BOOKS میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون دو امریکی اسکالروں نے مشترکہ طور پر لکھا ہے JOHN MEARSHEIMER یونیورسٹی آف شکاگو میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ہیں جبکہ STEPHEN WALT ہارورڈ یونیورسٹی میں کینڈی اسکول آف گورنمنٹ میں بین الاقوامی امور کے پروفیسر ہیں۔ واشنگٹن میں اپنے 37 برس کے قیام اور امریکی سیاست کے مسلسل مشاہدے کے دوران امریکی اسرائیلی تعلقات پر اتنا عمدہ مضمون نہیں دیکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر انٹرنیٹ نہ ہوتا تو شاید اب بھی یہ مضمون لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ اگرچہ یہ مضمون امریکی اسکالروں نے لکھا ہے لیکن اس آزاد ملک اور آزاد پریس میں یہ شائع نہیں ہو سکا اور اسے لندن میں شائع کیا گیا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ مضمون ایک ایسے وقت پر شائع ہوا ہے جب ایرانی قیادت نے اسرائیل کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ 15/اپریل کو اسرائیلی نائب وزیراعظم شموعون پیرز SHIMON PERES نے بوکھلاہٹ میں یہ بیان دیا کہ صدر ایران محمود احمدی نژاد اپنے بیانات کے نتیجے میں دنیا کو اپنے خلاف متحد کر رہے ہیں اور 15/اپریل کو یہ خبر آئی کہ برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر نے ایران کے خلاف فوجی طاقت استعمال کرنے کے کسی بھی فیصلے کی حمایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور یہ خبر شاید ہوا میں اڑتے ہوئے تنکے ہوں لیکن اڑتے ہوئے تنکوں سے ہوا کے رخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مضمون کا عنوان THE ISRAEL LOBBY اور اس میں امریکہ اور اسرائیل کے مضبوط رشتے کی مبینہ مضبوط بنیادوں اور مبینہ مشترکہ مفادات کو چیلنج کیا گیا ہے جس کی کسی بھی پائے کے اسکالر نے کبھی جرأت نہیں کی۔ اس مضمون کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں۔

امریکی غیر ملکی امداد کے سالانہ بجٹ کا 20 فیصد یعنی $3 BILLION اسرائیل کو دیا جاتا ہے حالانکہ اسرائیل ایک خوشحال صنعتی ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ 1982ء کے بعد سے امریکہ نے سیکورٹی کونسل میں اسرائیل کے خلاف تنقیدی قراردادوں کو روکنے کے لیے 32 مرتبہ ویٹو استعمال کیا ہے۔

عام تاثر یہ ہے کہ مشرق وسطی میں اسرائیل امریکہ کا ایک قابل اعتماد اتحادی ہے لیکن مصنفین کا کہنا ہے کہ 1979ء میں ایرانی انقلاب کے بعد جب تیل کی فراہمی کے راستوں کو خطرہ لاحق تھا تو یہ احساس ہوا کہ اسرائیل کسی کام کا نہیں ہے اور امریکیوں کو خود اپنی فوجیں بھیجنا پڑیں اور 1991ء کی خلیج کی جنگ میں یہ احساس ہوا کہ اسرائیل STRATEGIC LIABILITY ہے کیونکہ صدام حسین کے خلاف جو متحدہ محاذ تھا اس میں اسرائیل کی شرکت سے امن اتحاد کے ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔ موجودہ صورتحال میں کہا جاتا ہے کہ اسرائیل اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ دونوں کو دہشت گردی کا سامنا ہے اور دونوں کو ROGUE STATES کا سامنا ہے۔ مثال کے طور پر ایران اور شام۔ کہا جاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو ان دونوں ممالک پر حملہ کرنا چاہیے۔ مصنفین کا کہنا ہے کہ جو دہشت گرد تنظیمیں اسرائیل کے لیے خطرہ ہیں وہ امریکہ کے لیے صرف اس وقت خطرہ بنیں جب امریکہ نے اسرائیلی مفادات کے تحفظ کے لیے ان کے خلاف کارروائی کی اور اس سلسلے میں 1982ء میں لبنان میں امریکی فوجی مداخلت کی مثال دی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بات میں شک نہیں ہے کہ اسامہ بن لادن جیسے دہشت گردوں کو یروشلم میں اسرائیل کی موجودگی پر اعتراض ہے اور انہیں فلسطینیوں کی ناگفتہ بہ صورتحال پر غصہ ہے اور اسرائیل کی غیر مشروط امریکی حمایت کی وجہ سے انتہا پسندوں کو امریکہ کے خلاف حمایت حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران اور شام سے امریکہ کو کوئی سنگین خطرہ نہیں ہے بلکہ اسرائیل کی وجہ سے امریکہ کو ان ممالک سے تعلقات میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ان پروفیسر صاحبان نے اسرائیل پر جو بے باک تنقید کی ہے اس میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اسرائیل ایک وفادار حلیف نہیں ہے' اس سلسلے میں اسرائیل کی طرف سے چین کو انتہائی حساس ٹیکنالوجی دینے کی مثال دی گئی ہے جو اسرائیل نے امریکہ سے حاصل کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسرائیل اپنے سب سے بڑے مہربان یعنی امریکہ کے خلاف جاسوسی کرتا ہے اور اس وجہ سے اس کی STRATEGIC VALU مشکوک ہو جاتی ہے۔

اسرائیل کے حامی کہتے ہیں کیونکہ یہودیوں پر سخت مظالم ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ امریکہ اور مغرب کی غیر مشروط حمایت کا مستحق ہے اور یہ کہ اسرائیل کا رویہ اخلاقی اعتبار سے اس کے دشمنوں سے کہیں زیادہ نفیس ہے۔ پروفیسر صاحبان کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے وجود کی یقیناً حمایت کرنا چاہیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کے وجود کو کبھی خطرہ نہیں تھا اور اگر غیر جانبدارانہ مشاہدہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اسرائیل کے ماضی اور حال کے رویے میں کوئی ایسی اخلاقی خوبی نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے فلسطینیوں پر فوقیت دی جائے۔

یہ مقالہ بڑی تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے اور LONDON REVIEW OF BOOKS میں شائع ہوا ہے وہ تدوین شدہ ہے اور یہ انٹرنیٹ GOOGLI میں اس رسالے کا نام ڈال کر پڑھا جا سکتا ہے۔ کئی ٹائیٹل آئیں گے لیکن آپ لندن بکس کے ONLINE ٹائیٹل کو CLICK کریں۔ رسالے کے صفحہ اول پر دائیں جانب بعض مقالوں کی فہرست ہے جس میں THE ISRAEL LOBBY بھی ہے۔ اس مضمون میں اختصار کی وجہ سے تحقیقاتی حوالوں کی فہرست نہیں ہے لیکن مضمون کے اختتام پر نیٹ کے دو حوالے ہیں جہاں اس مضمون کی غیر تدوین شدہ کاپی ہے جس میں مکمل BIBLIOGRAPHY ہے۔ میں یہ تفصیلات خاص طور سے طلبا اور نوجوان اسکالروں کے لیے لکھ رہا ہوں تاکہ وہ اس مضمون کو بمعہ تحقیقاتی حوالوں کے پڑھیں اور اگر اپنے وسائل جمع کر کے اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کر سکیں تو بڑا ثواب کا کام ہوگا۔ انگریزی اشاعت

میں زیادہ خرچ نہیں ہوگا کیونکہ انٹرنیٹ کی کاپی TYPE SET کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے۔ اگر انگریزی اور اردو پر عبور رکھنے والے کچھ افراد مل کر اس کا ترجمہ بھی کرلیں تو یہ انمول تحقیقاتی مقالہ عوام تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ شاید ایران میں اس کے فارسی ترجمے پر کام ہو رہا ہو اور کیا عجب کہ وہ یہ مقالہ عربی اور اردو میں بھی تقسیم کروادیں۔ اس میں ایران کی خلاف ایٹمی کارڈ کھیلے جانے کا بھی حوالہ ہے۔ تحقیقاتی حوالے میں لکھا گیا ہے کہ اسرائیل نواز لابی عراقی ''بے ایمان'' سیاستدان HABIB CHALABI اور بے تخت وتاج شہزادے رضا شاہ پہلوی کی حمایت کرتی ہے اور رضا پہلوی نے یہودیوں کو یقین دلایا ہے کہ اگر ایران میں انہیں دوبارہ برسر اقتدار لایا جاسکے تو وہ ایران کو ایک دفعہ پھر اسرائیل نواز بنادیں گے۔ مصنفین کے مطابق یہ بات امریکی ہفتہ وار میگزین NEW YORKER کی 6/مارچ 2006ء کے ایک مضمون میں ہے جس کا عنوان "HOW IRANIAN EXPATRIATES ARE GAMING THE NUCLEAR TH

بعض مسلمان میانہ رو اور روشن خیال لیڈر یہ خیال رکھتے ہیں کہ فلسطینی ریاست کا قیام قبول کرکے اسرائیل فلسطینیوں اور مسلمانوں پر ایسا احسان عظیم کرے گا کہ مسلم امہ اخلاقی طور پر اس بات کی پابند ہوگی کہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلے۔ چنانچہ یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ WORLD JEWISH CONGRESS (W جیسی اسرائیلی تنظیموں کے سامعین بھرپور تالیوں سے ان کا استقبال کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحبان نے اسرائیل کے بانیان میں سے ایک DAVID BEN-GURION کے ایک بیان کا حوالہ دیا ہے جو WJC کے NAHUN GOLDMANN نے اپنی کتاب THE JEWISH PARADOX میں درج کیا ہے جو 1978ء میں شائع ہوئی تھی اور جس کا ترجمہ STEVE COX نے کیا تھا۔ بیان کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

''اگر میں عرب لیڈر ہوتا تو میں کبھی اسرائیل سے سمجھوتہ نہ کرتا۔ یہ قدرتی بات ہے ہم نے ان کے ملک پر قبضہ کیا ہے ہمارا تعلق اسرائیل سے ہے لیکن یہ 2000 برس پہلے کی بات ہے۔ لیکن اس سے ان کو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہٹلر ANTI SEMITISM رہا ہے۔ نازی AUSCHWTT لیکن کیا یہ ان کا قصور تھا؟ وہ صرف ایک بات دیکھتے ہیں ہم یہاں آئے اور ہم نے ان کے ملک پر ڈاکہ ڈالا تو پھر وہ اسے قبول کیوں کریں''؟

ہمارے روشن خیال اور میانہ رو اسکالروں اور سیاست دانوں سے زیادہ سچ بولنے والا تو وہ یہودی ہے جو کم از کم یہ اعتراف تو کر رہا ہے کہ ڈاکہ اس نے ڈالا ہے۔

انہی خطوط پر ایک اور بیان کا حوالہ ہے جو اسرائیلی دائیں بازو کی سوچ کے بانی ZE'EV JABOTINSKY کا ہے۔ یہ بیان جس مضمون میں درج ہے اس کا عنوان ہے: "TO BUILD AND TO BE BUILT BY: ISRAEL AND THE HIDDEN LOGIC OF THE IRON W

یہ مضمون THE ISRAELI STUDIES کی جلد اول نمبر ایک کے صفحہ 200 پر درج کیا گیا ہے۔ مضمون میں کلیدی لفظ ہے COLONIZATIO میں اس کا لفظی متبادل استعمال کرنے کے بجائے لفظ ''غلامی'' استعمال کروں گا جو کہ اس اصطلاح کی روح کی عکاسی

کرتا ہے۔

''غلام بنانے کا عمل از خود واضح ہے اور اس کے مضمرات آج کا ہر سمجھ دار یہودی اور عرب سمجھتا ہے۔ غلام بنانے کا صرف ایک مقصد ہے لیکن ملک کے عربوں کے لیے یہ مقصد بنیادی طور پر نا قابل قبول ہے اور یہ ایک قدرتی ردعمل ہے جسے کوئی چیز بھی تبدیل نہیں کر سکتی''۔

امریکہ پر اسرائیل لابی کی مضبوط گرفت یہ ثابت کرتی ہے کہ یہودی ان لیڈروں کو خریدنے کو تیار ہیں جو اسرائیل کی COLONIZATIO کی اسی طرح حمایت کرتے ہیں جس طرح کوئی شخص فٹ پاتھ پر سانپ کا تیل بیچتا ہے۔

امریکی صدور سچ نہیں بولتے

کسی بھی حکمران کے دل میں مطلق العنان بننے کی خواہش غیر فطری نہیں ہوتی۔ وہ قانون کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ذرا سا بہانہ بنا کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں یہی حال امریکی صدور کا رہا ہے تاریخ گواہ ہے کہ ہنگامی حالات میں کسی بھی امریکی صدر نے وہاں آئین اور قانون کی پاسداری نہیں کی بلکہ ایسے احکامات جاری کیے جو واضح طور آئین کی پامالی کے مترادف تھے۔ ہنگامی حالات کے علاوہ حالت امن میں بھی انہوں نے غیر قانونی اقدامات کیے جونہی اس کی خبر میڈیا میں آئی وہاں کی عوام اور باشعور طبقوں نے ان اقدامات کی سخت مخالفت کی اور امریکی آئین وقانون کی خلاف ورزی کو جرم قرار دیا۔ موجودہ صدر بش کی طرف سے بھی انسانی آزادیوں کی پامالی کو جرم کہا جا رہا ہے۔

قانون شکنی امریکی فطرت کا حصہ ہے گو وہاں کا نظام بنانے والوں نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی کہ قانون ہر شخص پر لاگو ہونا چاہیے' لیکن امریکیوں کی قانون شکن طبیعت انہیں غیر آئینی اور غیر قانونی طریق کار اختیار کرنے پر مجبور کرتی رہی۔ دراصل اس میں کچھ حصہ انہیں وراثتی طور پر ملا ہے امریکی لوگوں کی اکثریت یورپ کے ان جرائم پیشہ افراد کی نسل سے ہے جو قانونی سزا کے خوف سے اپنا ملک چھوڑ کر امریکا میں آباد ہو چکے تھے جو اس زمانے میں سرزمین بے قانون تھی۔ یہاں صرف طاقت اور پیسے کا راج تھا یہی وجہ ہے کہ امریکی قوم اپنی مجموعی سوچ میں ظالم' تنگ نظر' عیاش اور قانون شکن ہے وہاں دنیا کے سخت ترین قوانین رائج ہیں اور صرف وہی لوگ سیاسی اعتبار سے آگے آسکتے ہیں جن کی گزشتہ زندگی قانون کی پاسداری میں بسر ہوئی ہو' وہاں کا میڈیا اور دانشور حلقے کسی بھی قانون شکن کو طاقت میں آنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے سامنے ریاست ہائے متحدہ امریکا کا خوبصورت' بااصول قانون پسند اور مصنف مزاج امیج پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ امریکی صدور نے اکثر و بیشتر طاقت میں آنے کے بعد قانون شکنی کی اور اس معاملے میں کانگریس کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی کہ امریکا میں ہنگامی حالات کے متعلق قوانین موجود نہیں ہیں بلکہ ایسے قوانین پوری صراحت سے صدر کی راہنمائی کرتے ہیں ان کے باوجود ایسے اختیارات کی خواہش کرتے ہیں کہ ان کو کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہونا پڑے اور کانگریس سے بالا ہی بالا بادشاہی کا لطف اٹھائیں۔

دراصل امریکا میں ایک قانون ہے جس کی رو سے صدر کے عہدے پر فائز شخص کے خلاف قانونی چارہ جوئی ممکن نہیں اور اس کے مواخذے کا

صرف ایک طریقہ ہے کہ کانگریس اور سینٹ میں ووٹنگ ہو' پہلے مواخذے کی قرارداد پیش ہوتی ہے اس کی منظوری کے بعد کانگریس اسے عہدے پر برقرار رکھنے یا ہٹانے پر فیصلہ کرتی ہے اگر کانگریس صدر کو ہٹانے کے حق میں فیصلہ دے تو معاملہ سینٹ میں چلا جاتا ہے جس کے ارکان کانگریس کے فیصلے کی توثیق یا تنسیخ کرتے ہیں اگر کانگریس ہی صدر کے حق میں فیصلہ دے تو معاملہ سینٹ تک جانے سے قبل نمٹ جاتا ہے کسی بھی صدر کے مواخذے کا یہ طویل اور پیچیدہ ترین طریقہ ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ امریکی صدر محفوظ ہی ہوتا ہے اور صدارت مکمل ہونے سے قبل اس کی رخصتی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے یوں اپنی جواب دہی کے بارے میں محفوظ طریقہ کار کی بدولت اکثر امریکی صدور غیر طریقے استعمال کرنے سے نہیں ہچکچاتے کیونکہ انہیں قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ عام طور امریکی صدر نے ہنگامی حالات میں ایسے احکامات دیئے جو آئین اور قانون کے خلاف تھے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہنگامی حالات میں قانون کو نظر انداز کرنے بلکہ اسے توڑنے کے بعد بھی قانون کا احترام کا دعویٰ کسی حد تک حق بجانب ہے قانون توڑنا کوئی روزمرہ کی بات نہیں ہوتی بلکہ اس کی خلاف ورزی صرف ہنگامی حالات میں ہی کی جاتی ہے اس اعتبار سے امریکا کے صدور بھی عام آدمیوں جیسے ہی ثابت ہوئے۔ ہنگامی حالات میں انہوں نے زیادہ سے زیادہ قوت کے حصول کی خاطر ایسے اقدامات کیے جو امریکی آئین سے بھی متصادم تھے ان سب نے بعد میں ایک ہی توجیہہ پیش کی کہ ملک کی سلامتی قانون کی پاسداری سے زیادہ اہم ہوتی ہے لیکن وہ اس عمل میں یہ بات نظر انداز کر گئے' قانون کی جو خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ بھی تو ملکی نظام کو بہتر چلانے کی خاطر ہی بنایا گیا تھا' وائٹ ہاؤس کے تاریخ دان آرتھر سیلزنگر جونیئر نے امریکا کی صدارت پر ''شہنشائی صدارت'' کی پھبتی کسی ہے۔ اس وقت امریکی میڈیا میں صدر جارج بش کے اعتراف کے بعد ان پر سخت تنقید ہو رہی ہے کہ انہوں نے 9/11 کے واقعات کے بعد امریکا کی حدود کے اندر ٹیلی فون ڈاک اور ای میل سنسر کرنے کا حکم دیا تھا۔ زیادہ تر ڈیموکریٹس ان کے فائدے لے رہے ہیں کہ وہ بنیادی انسانی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک سروے میں 72 فیصد امریکیوں نے صدر بش کو بددیانت' جھوٹا' ناقابل اعتبار اور امریکی قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم قرار دیا۔

صدر بش نے حال ہی میں انٹرنیٹ کے سب سے بڑے سرچ انجن گوگل سے بھی معلومات حاصل کرنے کی عدالتی منظوری حاصل کی ہے۔ اس سے بنیادی حقوق تو متاثر ہوں گے ہی لیکن سب سے بڑی بات کسی بھی شخص کی نجی زندگی مکمل طور پر حکومتی اداروں کے رحم و کرم پر ہوگی۔ اس پر بھی لے دے ہو رہی ہے اس کے علاوہ انہوں نے عراق پر حملے کے لیے عوام سے جھوٹ بولا جو کہ امریکا کی سیاسی اخلاقیات کی رو سے بہت بڑا جرم ہے گو کہ بعض صدور جھوٹ بولتے رہے ہیں لیکن کسی آزاد ملک پر جھوٹا بہانہ بنا کر غاصبانہ قبضہ کرنے کا یہ واحد واقعہ ہے بین الاقوامی قانون کی رو سے یہ بہت بڑا جرم ہے۔

موجودہ صدر ہی نہیں بلکہ ان کے والد بش سینئر کو بھی ''مجرم'' ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس اعزاز میں صدر ریگن بھی ان کے شریک ہیں۔ 1998ء میں جب امریکا نے 10 جاپانی شہریوں کو مجرم قرار دیا تو جاپان نے بھی معروف امریکی شخصیات کو اپنا قومی مجرم قرار دے دیا۔ ان میں سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر کے علاوہ رونالڈ ریگن اور بش سینئر بھی شامل ہیں۔

ایک مکمل جمہوری نظام میں ملکی سلامتی اور انسانی آزادیوں کے مابین توازن برقرار رکھا جاتا ہے وہاں حکومت کے مختلف اداروں کے درمیان سب امور پر کھل کر بحث ہوتی ہے۔ غالباً پوری دنیا کی سیاست کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ درست انداز میں کام نہیں کرتی اور بلاوجہ ہی چور راستوں کی تلاش میں رہتی ہے جہاں تک صدور کا تعلق ہے تو وہ ہر ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو ان کے خیال میں ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہوتا ہے یہ بحث ہمیشہ بعد میں ہوئی کہ انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ اس وقت امریکا میں یہی بحث زور وشور سے جاری ہے۔ امریکی میڈیا ہنگامی حالات میں ایسے اقدام کا پتہ چل جانے کے باوجود اس کی خبر افشاء نہیں کرتا اور صورتحال کے نارمل ہوتے ہی بریکنگ نیوز نشر کر دی جاتی ہے اگر ہم امریکی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے بااثر صدور نے غیر قانونی احکامات جاری کیے اور ان کی عوام نے انہیں مجرم ہی قرار دیا۔

اب تک امریکی تاریخ میں سیکنڈل سامنے آنے پر اس عہدے سے ہٹائے جانے والے واحد صدر رچرڈ نکسن پر یہی الزام تھا' کہ انہوں نے اپنے سیاسی مخالفین کی گفتگو ٹیپ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سیکنڈل کو واٹر گیٹ سیکنڈل کہا جاتا ہے۔ یہ خبر سامنے آنے پر امریکا میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا کہ نکسن نے آزادیوں پر ضرب لگانے کی کوشش کی ہے۔ یوں اس بیچارے کو صدارت سے ہاتھ دھونا پڑے حالانکہ اس سے پہلے کئی صدور نے ایسے احکامات دیئے تھے جس میں انسانی آزادیوں کو پامال کیا گیا تھا اور جو امریکی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ ویت نام جنگ کے دور کے صدر جانسن نے کانگریس کو جان بوجھ کر غلط اطلاعات مہیا کیں تا کہ انہیں جنگ جاری رکھنے کی اجازت مل جائے۔ بعد میں یہ بات بھی کھل گئی کہ انہوں نے جان بوجھ کر کانگریس کو گمراہ کیا تھا۔ امریکی عوام نے انہیں قومی اداروں کو غلط اطلاعات دینے پر مجرم قرار دیا۔ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مبنی احکامات دینے کی روایت کوئی نئی نہیں ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں فرینکلن ڈی روز ویلٹ نے جاپانی نژاد امریکیوں کو زیر حراست رکھنے کا حکم دیا تھا حالانکہ امریکی قانون میں اس کی قطعاً کوئی اجازت نہیں وہ لوگ جو وہاں کی شہریت حاصل کر چکے ہوں' انہیں کسی بھی صورت عام امریکیوں سے کم حقوق حاصل نہیں لیکن اس وقت جنگ جاری تھی اور ان تقاضوں کے مطابق یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران کسی نے اس ایشو پر سخت تنقید نہیں کی البتہ بعد میں اس بات پر سخت اعتراضات کیے گئے۔

انسانی حقوق کی پامالی ایک بہت بڑا جرم ہے اور امریکی قانون کسی بھی صورت میں کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ محض نسل اور رنگ کی بنیاد پر مخصوص گروہ کو نشانہ بنائے۔

امریکا کا پاگل پن

آج کل بین الاقوامی سطح پر دنیا کی توجہ کا مرکز ایران کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے تہران اور واشنگٹن کے درمیان پیچیدہ اور سنگین ہوتی ہوئی کشیدگی ہے۔ ایران کا مؤقف ہے کہ یورینیم کو پُر امن مقاصد کے لیے افزودہ کرنا اس کا حق ہے جس سے وہ دست بردار نہیں ہوگا۔ تاہم اسے ایٹمی توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی (IAEA) کے ساتھ مل کر کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک آزاد اور خودمختار ملک کی حیثیت سے اپنی جوہری ضروریات کا تعین کرنا اس کا اپنا اختیار ہے اور اس سلسلے میں وہ کسی سے ڈکٹیشن لینے پر تیار نہیں۔

عالمی ادارے آئی اے ای اے کا مؤقف ہے کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ایران کا جوہری پروگرام صرف پُر امن مقاصد کے لیے ہے' لیکن وہ قطعیت کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ایران نے جوہری ہتھیار بنانے کی طرف کوئی خوف ناک پیش رفت کر لی ہے۔ اس کے باوجود امریکا کا مطالبہ ہے کہ ایران اپنی جوہری سرگرمیاں بند کر دے۔ امریکی رہنما کہہ رہے ہیں کہ وہ ایران کے خلاف اقوامِ متحدہ کے ذریعے اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کے علاوہ فوجی آپشن بھی پوری طرح کھلے رکھے ہوئے ہیں اور جب تک ایران اپنی ان سرگرمیوں سے باز نہیں آتا' اس وقت تک امریکا اپنا یہ آپشن کھلا رکھے گا۔ صدر بش نے گزشتہ دنوں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اگرچہ مسئلے کے سفارتی حل کی خواہش کا اظہار کیا ہے مگر ایرانی تنصیبات پر ایٹمی حملے کا امکان مسترد نہیں کیا۔ انہوں نے وہی دھمکی دُہرائی جو وہ ایک عرصے سے دے رہے ہیں کہ ایٹمی طاقت کے استعمال سمیت تمام آپشنز ہمارے لیے کھلے ہیں۔ ایران ایٹم بم بنا رہا ہے اور اسے روکنا ضروری ہے۔

ایران کے صدر احمدی نژاد نے تہران میں فوجی پریڈ سے خطاب کے دوران اعلان کیا کہ ایرانی فوج کسی بھی حملے کا بروقت مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' حملہ آوروں کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔ انہوں نے بھی اپنی وارننگ کا اعادہ کیا کہ حملہ آور کو سبق سکھا دیا جائے گا۔ ایران اور امریکا دونوں کے رویہ میں سختی ایک سنگین صورتِ حال پیدا کر رہی ہے۔ امریکا نے ایران پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ اس کا اصرار ہے کہ سلامتی کونسل بھی ایران کے اثاثوں کو منجمد کرنے اور ویزے کی پابندیاں لگانے جیسے اقدامات کرے۔ نائب امریکی وزیر خارجہ نکولس برنز نے کہا ہے کہ عالمی برادری کو ایران پر عدم اطمینان ظاہر کرنا ہوگا۔

کچھ عالمی مبصرین کا خیال ہے کہ امریکا اور ایران کے درمیان اعصاب کی جنگ جاری ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو نفسیاتی طور پر جھکانے

کی کوشش میں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ افغانستان اور عراق میں امریکا اس طرح پھنس چکا ہے کہ وہ کوئی نیا محاذ نہیں کھولے گا۔روس اور چین تہران کے خلاف سخت اقدامت کی ابتدا ہی سے مخالفت کر رہے ہیں۔ ماسکو میں چھ عالمی طاقتوں کے نمائندوں کے اجلاس میں تہران کے خلاف پابندیاں لگانے کے طریقہ کار پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔سابق ایرانی صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے دورۂ کویت کے بعد وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ خلیجی ممالک ایران کے خلاف امریکا کے کسی فوجی اقدام کی حمایت نہیں کریں گے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ نے کھل کر کہا ہے کہ ایران کے خلاف کسی بھی کارروائی سے پاکستان کے مفادات متاثر ہوں گے اور عالم اسلام میں بے چینی پھیلے گی۔افغانستان اور عراق میں فوجی کارروائیوں کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر انسانی ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ پورے خطے کے ممالک کو سیاسی' سماجی اور اقتصادی پریشانیوں کا سامنا ہے۔

لیکن یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ کیا امریکا کو ان باتوں کی پروا ہے۔عراق پر امریکی حملے سے پہلے دنیا بھر میں کروڑوں لوگوں نے احتجاجی مظاہرے کیے' لیکن بش انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔اس کے منصوبہ سازوں نے جو ہمیشہ سے مرتب کیا ہوا تھا' اس میں رنگ بھرنے کے لیے چنگیزیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔آج امریکی عوام کی اکثریت عراق پر حملے کو ایک غلطی تسلیم کر رہی ہے۔کئی سابق امریکی جرنیلوں کی طرف سے عراق پر حملے کو عاقبت نااندیشی کہا گیا ہے۔امریکا عملاً عراق میں مشکلات میں پھنس چکا ہے' لیکن کیا صدر بش اپنے اقدام کو غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔داخلی اور خارجی تنقید کے باوجود وہ مستقبل قریب میں امریکی فوجوں کے انخلاء کی بات کرنے پر تیار نہیں۔

امریکا اپنے ایجنڈے کی تکمیل میں مصروف ہے۔اسے نہ تو عالمی برادری کی پرواہ ہے اور نہ عالمی معیشت پر تباہ کن اثرات کا خوف' اسے اس بات سے نہیں ڈرایا جا سکتا کہ مغرب اور عالم اسلام کے تعلقات میں حائل ہونے والی خلیج اس قدر وسیع ہو جائے گی کہ اسے عبور کرنا ممکن نہیں رہے گا اور تہذیبوں کا تصادم ایک خوف ناک صورت اختیار کر جائے گا۔گزشتہ ربع صدی کے دوران ایشیا میں امریکی اقدامات پر نظر ڈالیں تو اس کے مقاصد اور آئندہ اقدامات سمجھنے کے لیے نیوٹن کے دماغ کی ضرورت نہیں رہتی۔سوویت یونین ختم ہو چکا ہے' افغانستان میں امریکا بہ ذاتِ خود موجود ہے' بھارت کے ساتھ اس کے تعلقات اور تعاون جس سطح پر آ چکے ہیں اس کا تصور دو عشرے پہلے محال تھا' چین کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے' جنوبی ایشیا اور مشرق بعید میں امریکا کے لیے حالات پوری طرح سازگار ہیں۔مشرق وسطیٰ میں صورتِ حال قابو میں لانے کے لیے تیزی سے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔عراق میں آنے کی ''عاقبت نااندیشی'' اس نے کسی اضطراری کیفیت میں نہیں کی' اس خطے میں اسے اپنے راستے کی رکاوٹ صرف ایران دکھائی دیتا ہے۔چنانچہ ایران کے ایٹمی پروگرام کو عراق کے نام نہاد کیمیائی' حیاتیاتی اور جوہری ہتھیاروں کی طرح دنیا کے لیے خطرہ بنا کر وہ اگلا قدم اٹھانا چاہتا ہے۔

امریکا کا خیال ہے کہ وہ برق رفتاری کے ساتھ ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کر کے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لے گا۔وہ خود محفوظ رہے گا کیوں کہ وہ دنیا کے مغربی نصف کرے میں ہے۔طاقت کے نشے میں نتائج کی پروا نہ کرنا نئی بات نہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ کرۂ ارض پر ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے' لیکن امریکا کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ افغانستان اور عراق کمزور ملک تھے۔ایران ان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ طاقت ور ملک ہے۔ایران کے خلاف طاقت کا استعمال اسے بہت مہنگا پڑے گا۔ابتدائی ردِعمل میں اسرائیل اور مشرق وسطیٰ میں امریکی اڈے نشانہ بنیں گے اور پھر یہ عالم گیر

تصادم میں تبدیل ہو جائے گا۔

طاقت کا استعمال کسی بھی مسئلے کو حل کرنے کا درست طریقہ نہیں۔ جنگ کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ جنگ کی تباہ کاریوں سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ پاکستان افغان جنگ کی بھاری قیمت ابھی تک ادا کر رہا ہے۔ اگر اس کے دوسرے پڑوسی ملک میں بھی فوجی کارروائی ہوئی تو وہ براہِ راست متاثر ہوگا۔ اسی لیے اس بحران پر پاکستان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ پاکستان کا مؤقف ہے کہ یہ تنازع سفارت کاری کے ذریعے طے کیا جائے۔ وزیر خارجہ خورشید قصوری نے دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں امریکا کا اتحادی ہونے کے باوجود پاکستان ایران کے خلاف کسی بھی جارحیت کا حصہ نہیں بنے گا۔ انہوں نے اس بحران کو سفارت کاری کے ذریعے حل کرنے کے لیے تہران، واشنگٹن اور یورپی یونین کے درمیان مذاکرات کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران پر حملہ خود امریکی مفادات کے خلاف ہوگا۔

بش انتظامیہ کو اس کے پاگل پن سے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کے تمام امن پسند یکجہتی کا مظاہرہ کریں۔ یورپی یونین نیم دلانہ کوشش کے بعد خاموش ہوگئی ہے اسے چاہیے کہ اپنا فعال کردار ادا کرے۔ امریکا پر زور دے کہ وہ ایران کے ساتھ اس مسئلے کو سفارتی کوششوں کے ذریعے حل کرے۔ ایران نے این پی ٹی پر دستخط کر رکھے ہیں۔ یہ سمجھوتہ اسے جو حقوق مہیا کرتا ہے انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ روس، چین اور جرمنی تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی نہ کریں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلامی تنظیم (او آئی سی) صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے فعال کردار ادا کرے۔ سفارت کاری کے ذریعے جو کام یہ تنظیم کر سکتی ہے وہ کوئی اور بین الاقوامی فورم نہیں کر سکتا۔ یہ تنظیم ابھی تک خاموش ہے۔ کیا وہ حملہ ہو جانے کے بعد جاگے گی؟ امریکا اپنے پاگل پن کا مظاہرہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اسلامی برادری کو اپنے اختلافات اور عارضی مفادات کو پس پشت ڈال کر آگے بڑھنا اور امریکا کو روکنا ہوگا، ورنہ اس تصادم کے نتائج خطے کے لیے ہی نہیں، عالم اسلام اور کرۂ ارض کے لئے ہولناک ہوں گے اور اس کی ذمہ دار امریکا پر ہی نہیں، عالم اسلام پر بھی عائد ہوگی۔ ظالم کو ظلم سے نہ روکنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔

ایرانی سیاحت کے حوالے سے اہم معلومات

تہران.....ایران کا دارالحکومت

آج تہران نے ''رَے'' کی جگہ لے لی ہے جو قدیم ایران کا دارالحکومت تھا اور 1220ء میں مغلوں کے حملوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس پُرانے شہر کے کھنڈرات اب بھی تہران سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ شہر تہران 1286 ہجری یعنی 70-1869ء عیسوی میں بہت اہمیت حاصل کر گیا تھا۔ اس شہر کے اردگرد آٹھ کلومیٹر لمبی ایک فصیل تھی جس میں بارہ دروازے تھے۔

صفویوں کے عہد حکومت میں شاہ صفی نے اس شہر میں ایک فوجی چھاؤنی بنائی تھی جس کے دو بہت اونچے بُرج تھے۔ وہ بُرج ''چالہ میدان'' اور ''چار حصار'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

قاچاریوں کے زمانے میں تہران کو دارالحکومت کا درجہ دے دیا گیا۔ آغا محمد خان قاچار کے عہد حکومت میں امامزادہ زید کے مزار کے شمال میں ہی شاہی محلات اور دربار بنائے گئے۔ فتح علی شاہ کے زمانے میں ''مسجد سلطانیہ''، ''عباس آباد'' اور ''باغ ایلچی'' (آج کل روسی سفارت خانے کا علاقہ) بھی شاہی قیام گاہ پر اضافہ کر دیئے گئے۔

تہران کا نام دو لفظوں سے بنا ہے: ''تہ'' یعنی گرم اور ''ران'' یعنی جگہ۔ گرم جگہ۔ اسی وجہ سے اس شہر کا نام ہی گرم علاقے کی نشاندہی کرتا ہے۔

شہر تہران میں بہت زیادہ خوبصورت اور قابل دید عمارتیں موجود ہیں جن میں مدرسۂ عالی شہید مطہری، کتب خانہ مجلس شورائے اسلامی، کاخ سعد آباد، کاخ نیاوران، کاخ صاحبقرانیہ، کاخ گلستان، مسجد سید عزیز اللہ، بازارِ بزرگ اور اس کے علاوہ کئی میوزیم مثلاً رضا عباسی میوزیم، فرشِ ایران میوزیم، آبگینہ میوزیم (شیشہ اور سرامیک) اور آزادی میوزیم شامل ہیں۔

تہران کے اردگرد سیر و تفریح اور کھیلوں کے علاقے بہت زیادہ ہیں۔ ان میں اُسکی (برف پر پھسلنے) کے لیے آبعلی، ویزین، گاجرہ، شمشک، دربند اور شمیرانات کے ڈھلان اور واٹر اُسکی کے لیے کرج ڈیم کا کنارہ قابل ذکر ہیں۔

سرحدی قوانین:

ایران میں تین مہینے سے کم مدت تک ٹھہرنے کے لیے جاپان، ترکی، سعودی عرب اور یوگوسلاویہ کے باشندوں کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہے لیکن دوسرے تمام ملک کے باشندوں کے لیے ویزا لازمی ہے۔ ڈپلومیٹک اسٹاف کو چاہیے کہ سیاسی ویزا لے کر آئیں۔ ایران میں داخل ہونے سے پہلے ایرانی سفارت خانے یا قونصلیٹ سے ویزا حاصل کرنا ضروری ہے۔

ضروری ہدایات:

1- گروہی پاسپورٹ اور ویزا: دوسرے ملکوں میں ایرانی سفارت خانے یا قونصلیٹ کی تصدیق لازمی ہے۔

2- اگر کوئی مسافر ایران میں اپنے قیام کی مدت بڑھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ پولیس کے دفتر (غیر ملکی باشندوں کے قیام کے ادارے) کے ذریعے ویزے یا پروانہ اقامت کی میعاد بڑھائے۔

3- وہ غیر ملکی باشندے جنہوں نے پولیس سے ویزے کی تاریخ بڑھوائی ہو وہ مدت ختم ہونے سے پہلے بغیر کسی دوسرے اجازت نامے کے ملک سے باہر جا سکتے ہیں۔

4- ان ملکوں کے باشندے جن کے ساتھ ایران کا ویزا ختم ہونے کا معاہدہ ہو چکا ہے اور وہ ایران میں مقیم ہیں، قابل اعتبار اجازت نامہ دکھا کر باہر جا سکتے ہیں۔ دوسرے تمام ملکوں کے باشندے جن کے پاس ''ایران میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ'' ہے، ایران سے باہر جاتے وقت اجازت نامہ حاصل کریں۔

صحت کے قوانین:

وہ مسافر جو بیماریوں والے ملکوں یا علاقوں مثلاً افریقہ یا جنوبی امریکہ وغیرہ سے ایران میں آئیں، ان کو چاہیے کہ زرد بخار کے ٹیکے لگوا کر ایران میں داخل ہوں۔ (ایک سال کی عمر تک کے بچے ایسے ٹیکوں سے معاف ہیں) ہر مسافر کو اجازت ہے کہ ایک سدھایا ہوا جانور یا حیوان اپنے ساتھ لا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے مالک کے پاس اس کا حالیہ صحت کا سرٹیفکیٹ موجود ہو جو روانگی سے چھ ہفتے قبل حاصل کیا گیا ہو۔ ہر قسم کے حیوان یا حیوانی پیداوار کے داخلے کے لیے ایران کا ادارۂ حیوانات سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

ضروری معلومات:

سکے اور زرِ مبادلہ:

ایران کا سکہ ''ریال'' ہے لیکن زیادہ تر لین دین ''تومان'' میں انجام پاتا ہے۔

(ایک تومان = 10 ریال) ایک، دو، پانچ، دس، بیس اور پچاس ریال کے سکے اور ایک سو، دو سو، پانچ سو، ہزار، پانچ ہزار اور دس ہزار کے نوٹ چلتے ہیں۔ زرِ مبادلہ بانک ملی ایران (نیشنل بینک آف ایران) میں تبدیل کرایا جا سکتا ہے۔ بینک کے اوقات صبح 8 بجے سے 2 بجے بعد دوپہر تک ہیں۔

تحفے:

قالین اور خادیار کے علاوہ دوسری بہت سی چیزیں تحفے کے طور پر ایران سے خریدی جاسکتی ہیں۔ مثلاً مٹی کے برتن' سرامیک' اینمل کے برتن' کتابی تصویریں MINIATURES خطاطی کے نمونے' شیشے کا سامان' ہاتھی دانت سے بنی ہوئی چیزیں' چٹائیاں' سونا' چاندی' قیمتی پتھر' چمڑا اور کھالیں وغیرہ جو تمام سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔

لباس:

اسلامی قوانین کے مطابق مسافروں سے درخواست ہے کہ مناسب لباس پہنیں۔ خواتین کے لیے ایران میں مسافرت کے دوران اسلامی (حجاب) لازمی ہے (جس میں سکارف' کھلا چوغہ' شلوار اور موٹی جرابیں شامل ہیں)۔

متفرق:

پٹرول عام 30 ریال فی لیٹر

پٹرول سُپر 40 ریال فی لیٹر

بیمہ:

وہ مسافر جو اپنی گاڑیوں کے ساتھ ایران آتے ہیں' ان کو چاہیے کہ ایران بیمہ کمپنی (سبز کارڈ دفتر سعدی شمالی روڈ' تہران) میں اپنی گاڑی کا بیمہ کرائیں یا ملک میں داخل ہوتے وقت ''بیمہ شخص ثالث'' THIRD PARTY INSURANCE POLICY کرائیں۔ ایران' ترکی سرحد بازرگان اور ایران' روس سرحد جلفا میں ایران بیمہ کمپنی کے شعبے میں موجود ہیں۔

ایران کے اندر سفر:

تہران اور ایران کے تمام اہم شہروں کے درمیان ''ایران ائیر'' اور بین الاقوامی ہوائی کمپنی ''آسمان'' کی روزانہ کئی پروازیں ہیں۔ ان پروازوں کا پروگرام ایسا ہے کہ مسافر کا تقریباً اسی دن واپسی کے امکانات بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہوائی سفر مسافر کو یہ امکان فراہم کرتا ہے کہ ایران کی وسعت کے پیش نظر بہت سے ایسے علاقے' جہاں ٹورسٹ کسی دوسرے ذرائع حمل و نقل سے جلدی نہیں پہنچ سکتا' آسانی سے سفر کر سکے کیونکہ اس کے پاس ہوائی سروس کے بغیر ملک کے دور دراز علاقے دیکھنے کے لیے زیادہ فرصت نہیں ہوتی۔

ریل گاڑی: ایران ریلوے تقریباً نئی ہے۔ ریلوے لائن 1938ء میں شروع ہوئی اور اس کی لمبائی 1400 کلومیٹر ہے جو خمینی بندرگاہ (خلیج فارس کے کنارے) کو ترکمن بندرگاہ (بحیرہ کیسپین کے جنوب مشرق) سے اہواز' دورُود' اراک' قم' تہران اور ساری کے راستے ملاتی ہے۔

تین دوسری ریلوے لائنیں۔ تہران سے تبریز' تہران سے مشہد اور تہران سے کرمان ہیں۔

ریل گاڑی کے ذریعے سفر سے سیاح ان کوہستانی اور صحرائی مناظر کو بخوبی دیکھ سکتا ہے جو کار یا بس کے ذریعے سفر کے دوران نہیں دیکھے جا سکتے۔

راستے: شہروں کے درمیان بس سروس بہت ہی آرام دہ، تیز رفتار اور ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ مثال کے طور پر تہران سے اصفہان سات گھنٹے۔ تہران سے تبریز دس گھنٹے اور تہران سے شیراز پندرہ گھنٹے کا سفر ہے۔

وہ سیاح جن کے پاس ذاتی کار نہیں ہے، اکثر ٹیکسی استعمال کرتے ہیں۔ شہری ٹیکسیوں کا رنگ نارنجی یا نیلا یا مختلف شہروں میں مختلف ہوتا ہے۔ ان کو ذاتی کاروں سے پہچانا جا سکتا ہے۔ ٹیکسیاں عمومی ہوتی ہیں اور بیک وقت چند مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔ کرائے کی کاریں بھی تقریباً تمام بڑے شہروں میں موجود ہیں، خصوصاً ایران کے دارالحکومت تہران میں۔

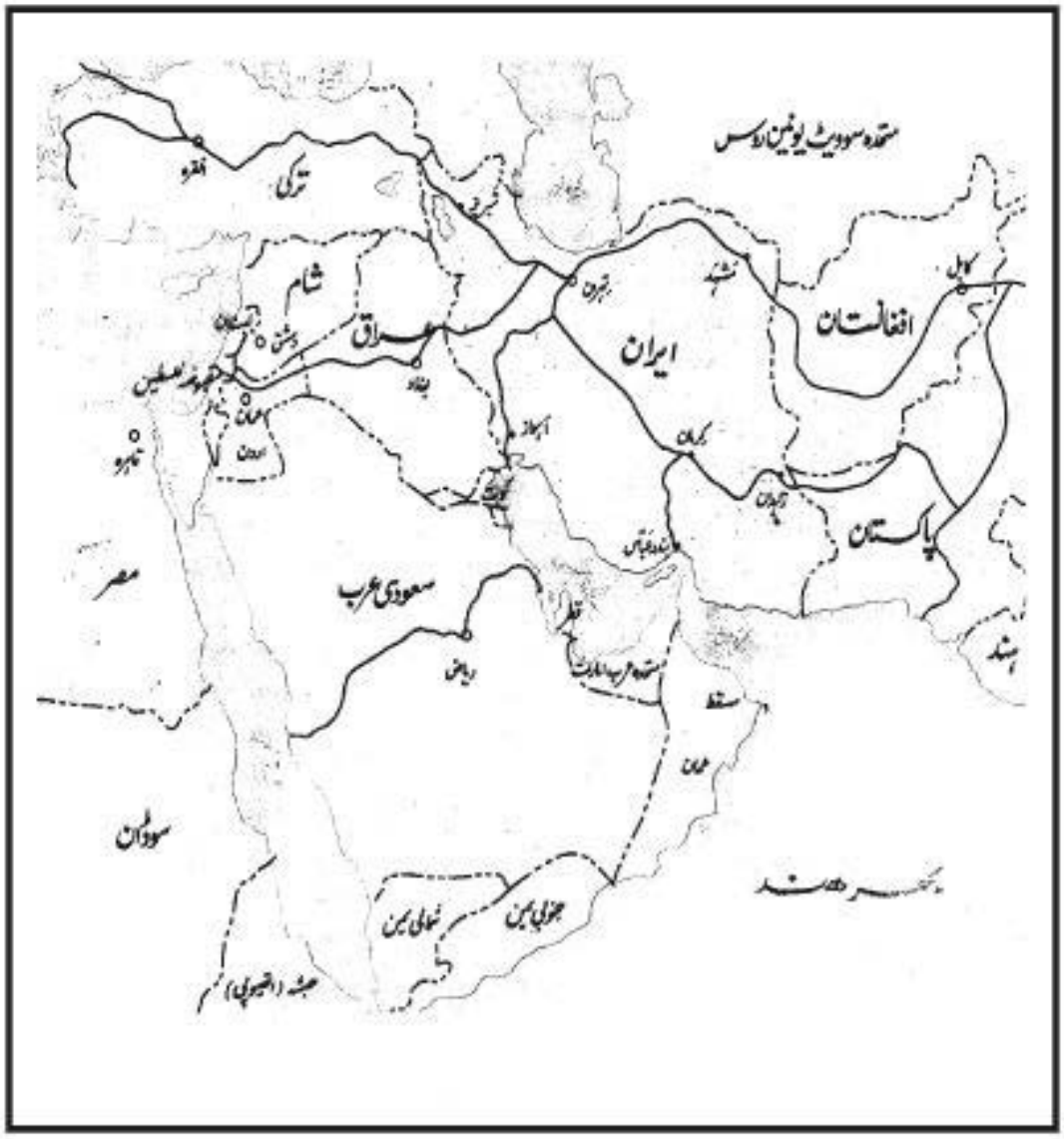
متحدہ سوویٹ یونین (روس)
ترکی
انقرہ
شام
عراق
بغداد
ایران
تہران
مشہد
کابل
افغانستان
پاکستان
کراچی
بہاولپور
ملتان
لاہور
ہند
سعودی عرب
ریاض
قطر
متحدہ عرب امارات
مسقط
عمان
مصر
سوڈان
بحر ہند
جنوبی یمن
شمالی یمن
حبشہ (ایتھوپیا)

استفادہ

1- انتساب

2- تمہید

3- ایران، تاریخ کے آئینے میں — سنڈے ایکسپریس

4- ایران شاندار روایات کا مسکن — ڈاکٹر مسعود جعفری

5- ایران کی جغرافیائی اور سٹراٹیجک اہمیت — کرنل (ر) غلام جیلانی خان/ روزنامہ پاکستان

6- اسلامی انقلاب کا پس منظر — ڈاکٹر سلیمان رضوی

7- اسلامی انقلاب کے بعد ایرانی صدور — سنڈے ایکسپریس

8- موجودہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد — سید عاصم محمود

9- امام خمینی اور احمدی نژاد کی قدرِ مشترک — سید اظہار مہدی بخاری

9- پرانا حساب چکانے کا وقت آ پہنچا — متین فکری

10- تیل کہانی — قومی اخبار

11- ایران دنیا کی آٹھویں ایٹمی طاقت — صلاح الدین اولکھ/ سنڈے اساس

12- امریکہ اور اسرائیل میں صفِ ماتم — وحید مراد

13- یورینیم کی افزودگی مگر کیسے؟ — سنڈے ایکسپریس

14- ایران کا جدید ترین میزائل سسٹم — کرنل (ر) غلام جیلانی خان/ روزنامہ پاکستان

15- کیا ایران ایٹم بم بنالے گا؟ — سید عاصم محمود/ سنڈے ایکسپریس

16- ایٹمی مسئلے کا واحد حل ایٹمی دھماکہ — ڈاکٹر آشاب اصغر

17- ایران ڈرتا کیوں نہیں؟ — بیگ راج

18- ایران کا ایٹمی بحران اور روسی تجویز — آغا شاہی

10- امریکہ ایران ایٹمی تنازعہ کیا رُخ اختیار کرے گا۔ — مبین رشید/ الاخبار

20- امریکہ ایرانی جمہوریت سے خائف کیوں — ڈاکٹر یسٰین رضوی

21- ایران میں کاروائی کا امریکہ منصوبہ — خالد منہاس/ روزنامہ خبریں

22- ڈالر کے مقابلے میں ایران کا یورو پر اعتماد — صلاح الدین اولکھ اساس

23- ایران کا جوہری پروگرام خاص برائے اسرائیل — غلام جیلانی/ روزنامہ پاکستان

24- ایران اسرائیل پر حملے میں پہل کرسکتا ہے — اشفاق احمد بھٹی سنڈے الاخبار

25- ایران کے جوہری پروگرام پر امریکی دباؤ — سید اظہر روشن

26- ایران اور روس کا امریکہ کے خلاف نیا اتحاد — مصطفیٰ مرزا/ روزنامہ جناح سنڈے میگزین

27- امریکہ کے خلاف روس چین اتحاد — میاں غضنفر شاہ/ روزنامہ اوصاف میگزین

28- ایٹمی ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ کے اصل مجرم امریکہ اور برطانیہ — ج۔ب/ روزنامہ الاخبار

29- جوہری توانائی کی عالمی سیاست — غضنفر عباس کاظمی

30- ایران امریکہ تنازعہ کا حل ایک امریکی کی نظر میں — فلنٹ رپورٹ

31- ایران پر اسرائیلی حملہ پس چہ باید کرد؟

32- اگر امریکہ نے حملہ کیا تو

33- ایران پر حملے کی صورت میں تابکاری پھیل جائے گی

34- امریکہ ایران متوقع جنگ؟ — ہمایوں گوہر

35- کیا امریکہ کا اگلا نشانہ ایران ہوگا؟ — حفاظ الرحمٰن/ سنڈے ایکسپریس

36- ایران کی جنگی مشقیں — عمران یعقوب ڈھلواں/ روزنامہ ایکسپریس

37- ایران کے ایٹمی ہتھیار محفوظ پناہ گاہوں میں — تجزیہ نگار/ سنڈے خبریں

38- ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کا امریکی اور اسرائیلی منصوبہ — روزنامہ انصاف

39- ایران کو تاراج کرنے کی امریکی تیاریاں

40- امریکی خارجہ پالیسی پر یہودی لابی کے اثرات — ارسلان/ روزنامہ اساس

41- اسرائیل، امریکہ پر بوجھ — زیدی/ نوائے وقت

42- ایرانی نژاد اسرائیلی صدر موسے کتساف	سید خورشید عالم
43- امریکی صدر سچ نہیں بولتے	میگزین رپورٹ کرنیں
44- امریکی صدر نا قابل اعتبار ہیں.....ایک رائے	
45- امریکہ کا پاگل پن	آغا امیر حسن
46- امریکی جارحیت کے سابقہ نتائج	چوہدری مظفر علی خان زاہد/ روزنامہ الاخبار
47- دھمکیاں بے فائدہ رہیں گی	جواد ظریف/ روزنامہ پاکستان
48- ایران پر حملہ..... لمحہ فکریہ	خصوصی رپورٹ/ روزنامہ سنڈے خبریں
49- امریکی حملے کی منصوبہ بندی عروج پر	علی رضا رضوی
50- ایران پر حملہ مہنگا پڑے گا	ثروت جمالی اصمعی
51- کیا مجاہدین خلق امریکہ کے کام آسکیں گے؟	جم لوب
52- کیا امریکہ ایران پر حملہ کرے گا؟	غلام جیلانی خاں
54- ایران پر حملے کے تناظر میں چند اہم تجاویز	ملک الطاف حسین
55- تنہا ایرانی قوم کا ہاتھی والوں سے مقابلہ	نذر الاسلام دانش
56- ایران کا ایٹمی پروگرام اور عالمی برادری کی ذمہ داری	ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی
57- ایران اور پاکستان ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔	
58- امریکہ ایران بھارت اور پاکستان	اکرام سہگل/ روزنامہ جنگ
59- کیا امریکہ کا اگلا ہدف پاکستان ہے؟	غلام جیلانی/ روزنامہ پاکستان
60- ایران پر ممکنہ امریکی حملہ اور پاکستان کا موقف	اداریہ نوائے وقت
61- ایران پر حملہ زیادہ دور نہیں	
62- ایٹم بم کی تباہی	
63- ایرانی صدر کا امریکی صدر کے نام کھلا خط	طارق مسعود/ سنڈے اوصاف
64- ایرانی بحریہ کی مشقیں	صلاح الدین اولکھ/ روزنامہ اساس
65- 21ویں صدی کا ہٹلر	ندیم لودھی/ فیملی میگزین